سلسلۂ عشرۂ کاملہ

بیگمات بھوپال

یعنی

ریاست بھوپال کی دس بیگمات کا مفصل تذکرہ اور اون کے شاندار کارنامون
اور فرمان روائی کی سنہ ۱۱ھ سے موجودہ زمانہ تک کی
مسلسل تاریخ

مرتبہ
محمد امین مارہروی
مہتمم دفتر تاریخ بھوپال و اڈیٹر رسالہ ظل السلطان

(مطبع سلطانی ریاست بھوپال مین باہتمام منشی محمد عبدالرحیم صاحب مہتمم مطابع طبع ہوئی)

سنہ ۱۹۱۸ء
۱۳۳۷ھ

ریاست بھوپال کی دس بیگمات کا مفصل تذکرہ اور اون کے شاندار

کارنامون اور فرمان روائی کی سنہ ۱۱۰۰ھ سے موجودہ زمانہ تک کی

مسلسل تاریخ

مرتبہ

محمد امین مارہروی

مہتمم دفتر تاریخ بھوپال و اڈیٹر رسالہ ظل السلطان

(مطبع سلطانی ریاست بھوپال مین باہتمام منشی محمد عبدالرحیم صاحب مہتمم مطابع طبع ہوئی)

سنہ ۱۹۱۸ء
۱۳۳۷ھ

فہرست تصاویر

حصہ دوم

نواب سلطان جہاں بیگم ادام اللہ ملکہا واقبالہا

میں نہایت خلوص کے ساتھ شاہزادی عابدہ سلطان
سلمہا اللہ تعالےٰ کے عزیز و گرامی نام پر جن کی آئندہ زندگی سے دختران
اسلام کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور جن کے بشرہ اور طرز تربیت
و تعلیم سے وہ علامتیں نمایاں ہوتی ہیں جن سے قومی و ملکی امیدیں
پیدا ہونے اور نشو و نما پانے کا یقین ہوتا ہے یہ کتاب معنون
کرتا ہوں ÷

دعاگوئے عمر و اقبال

محمد امین

التماس و شکریہ

میں نے دو سو چھتیس سال کے زمانہ اقتدار و حکومت کی یہ دلچسپ تاریخ جو غالباً سلسلہ حالات کے لحاظ سے تاریخ عالم میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اُن جذبات کے ساتھ لکھی ہے جو ایک ایشیائی اور مسلمان کے دل میں ایسی عجیب تاریخ سے قدرتاً پیدا ہونے لازمی ہیں۔ ممکن ہے کہ دنیا کے غیر تاریخی زمانہ میں ایسی مثالیں موجود ہوں لیکن جب سے کہ تاریخ ہمارے سامنے ہے اس کا یہ عجیب و غریب نظارہ صرف افقِ بھوپال پر ہی نظر آسکتا ہے۔

آج صرف ایک ایشیائی اور مسلمان ہی یہ فخر کرسکتا ہے کہ اُس کے پاس نسوانی قابلیتوں اولی العزمیوں اور حکمرانی کی ایسی عدیم المثال مسلسل تاریخ موجود ہے۔

غیر فرمانروا بیگمات کے حالات کا حصۂ اعظم میاں تحسین محمد خاں صاحب کی عنایت و مہربانی سے جو اخوانِ ریاست میں سے ایک علم دوست اور ممتاز جاگیردار ہیں فراہم ہوا۔ اگر اِن کی رہبری و امداد شامل نہ ہوتی تو میں یقیناً اس دشوار کام کی تکمیل سے قاصر رہتا۔ اس لئے میں اُن کا نہایت شکرگذار ہوں۔

فرمانروا بیگمات کے حالات کا تقریباً تمامتر حصہ علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاجِ ہند، جی، سی، ایس، آئی۔ جی، سی، آئی، ای و جی، بی، ای، فرمانروائے بھوپال کی تصانیف سے ماخوذ ہے لہٰذا بالواسطہ علیا حضرت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

علیا حضرت کے حالات زیادہ تر ذاتی مشاہدات و معلومات پر مبنی ہیں۔ خوش قسمتی سے مجھے مسلسل بارہ سال سے حضور ممدوحہ کی روبکاری کے عہدہ دار ہونے کی عزت حاصل ہے تاہم تزک سلطانی، گوہرِ اقبال اور اخترِ اقبال سے جو حضور ممدوحہ کی مرتبہ اور عہدِ حکومت کی تاریخ ہیں میں نے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا ہے۔

اس حصہ کا وہ باب جس میں علیا حضرت کی پرائیویٹ لائف ہے اور جس کو اس کتاب کی روح سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہوگا میری درخواست پر علیا جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ

دام مجدہا نے تحریر فرمایا اور ناممکن تھا کہ کوئی دوسرا شخص ایسی عمدگی سے اس باب کو تحریر کرسکتا اس لئے جس طرح کہ میں جناب ممدوحہ کا شکر گزار ہوں یقین ہے کہ ناظرینِ کتاب جب اس باب کو پڑھینگے تو بے اختیارانہ شکر گذار ہوں گے سیر و سیاحت اور لیڈیز کلب کے ابواب کا حصہ جناب زہرہ بیگم فیضی اور عطیہ (رحیمن) بیگم فیضی صاحبہ کا تحریر کردہ ہے جو مضامین کی صورت میں شائع ہوچکا تھا اور مجھے اِن ابواب میں ان مضامین سے بہت مدد ملی۔ کیونکہ اِن دونوں قابل خواتین کو واقعہ نگاری میں کمال حاصل ہے اور اُنہوں نے یہ مضامین نہایت دلچسپ لکھے ہیں۔ اگر وہ اسوقت ہندوستان میں موجود ہوتیں تو اور بھی امداد ملتی بہرحال میں ان کا بہت شکر گذار ہوں۔

آبرو بیگم صاحبہ نے بھی لیڈیز کلب کے حالات تحریر فرماکر مجھے کچھ کم مشکور نہیں فرمایا۔

آخر میں مجھے اپنے احباب مولوی محمد مہدی صاحب اور مولوی عبد السلام صاحب ندوی کا ادائے شکر لازم ہے جنہوں نے علیاحضرت کے طریقۂ تصنیف اور درجۂ تصنیفات کے متعلق نہایت قابلانہ مضامین اس کتاب کے لئے عنایت کئے۔

مسٹر مسعود علی نے بھی بعض ترجموں سے قابل شکریہ مدد دی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علیاحضرت کی زندگی ایسی شاندار اور متنوع قابلیتوں کی مظہر ہے کہ اس کے لئے نہایت مبسوط و وسیع کتاب کی ضرورت تھی اور مجھے اعتراف ہے کہ یہ تذکرہ بہت مختصر ہے لیکن میں نے اس تذکرہ میں اس خصوصیت کو کہیں ترک نہیں کیا کہ علیاحضرت کی زندگی صنفِ اناث کے لئے کیسا نمونہ کامل ہے۔

محمد امین (مارہروی) مہتمم تاریخ
واڈیٹر ظل السلطان۔

بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیگمات بھوپال

دیباچہ

مسئلہ ارتقا کے رو سے دنیا کی ہر چیز بتدریج ترقی کرتی ہے اور اس ترقی کا سلسلہ اوسوقت تک ختم نہین ہوتا جب تک ہستی کامل کا ظہور نہ ہو جاے دنیا کی ہر چیز اگرچہ اس کلیہ کی مثال بن سکتی ہے لیکن بھوپال کی تاریخ مین اس کے نہایت دلچسپ، نہایت واضح، اور نہایت مکمل شواہد ملتے ہین، بھوپال کی تاریخی ترقی مین یہان کی بیگمات کے اولو العزمانہ مساعی کا بہت کچھ حصہ شامل ہے اور ان مساعی کی ابتدا فتح بی بی کی سادہ زندگی کے واقعات سے ہوتی ہے اور نواب سلطان جہان بیگم کے زرین کارنامون پر جاکر ختم ہوجاتی ہے اس ابتدا اور انتہا کے بیچ کا زمانہ مختلف قسم کی کشمکش، جد وجہد، ور ابتلا وامتحان مین گذرتا ہے۔ لیکن باین ہمہ قدرت اپنے فرض سے غافل نہین ہے۔ وہ برابر سرگرم ترقی ہے اور ایک نقش کو مٹا کر دوسرا نقش اوس سے بہتر کھینچتی جاتی ہے اور جب یہ دور تکمیل نواب سلطان جہان بیگم تک پہونچتا ہے تو بھوپال کے در و دیوار سے صدا آتی ہے:۔

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

بھوپال کی ابتدائی تاریخ جنگجویانہ واقعات سے شروع ہوئی اور اس میں عورتون کی بہادری نے وہ نمایان کام کئے جن سے قدرت نے یہ ثابت کردیا کہ بھوپال کی ارتقائی تاریخ مین قدرتی طور پر عورتون کی کوششون کا حصہ ہمیشہ غالب رہیگا اور صنف ضعیف کے قالب مین اسی ہستی کامل کا ظہور ہوگا جس کے لئے قدرت یہ تمام جد وجہد کررہی ہے۔

ان ابتدائی معرکون کے بعد بھوپال کی سرزمین کو قدرت نے ہر قسم کے خار وخس سے پاک

کرہ یا اور تمام نشیب فراز کو مٹا کر اوس کی سطح اس قدر ہموار کر دی کہ اوس پر بھوپال کی آیندہ ترقیون کا سنگ بنیاد رکھا جا سکے چنانچہ اس کا سنگ بنیاد فتح بی بی کے ہاتھون رکھا گیا، اون کے زمانہ تک بھوپال صرف ایک گاؤن تھا لیکن اونہون نے ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی اور اس گاؤن کو ایک شہر کی صورت مین آباد کرایا۔ اس طرح بھوپال کی آیندہ ترقیون کا ابتدائی خاکہ ایک خاتون کے ہاتھ سے تیار ہوا اور اُس مین جن بیگمات نے رنگ آمیزیان کین اون مین نواب قدسیہ بیگم نواب سکندر بیگم نواب شاہجہان بیگم اور نواب سلطان جہان بیگم کا نام خاص طور پر نمایان ہے۔ مادی حیثیت سے دیکھو تو اس شہر نے درجہ بدرجہ کس طرح ترقی کی ہی پہلے وہ ایک معمولی قصبہ سے زیادہ نہ تھا، تمام آبادی مین ایسے تنگ راستے اور گلیاں تھیں کہ گھوڑے اور میانہ کے سوا کوئی اور سواری نہ جا سکتی تھی، پھوس اور کھپریل کے چھوٹے چھوٹے مکانات تھے جو اس وقت یہاں کے باشندوں کی سادہ اور سپاہیانہ زندگی کی علامت تھی، بڑی عمارتون مین گوہر محل[1]، محل نواب جہانگیر محمد خان[2]، اور نواب فیض محمد خان کے محل[3] اور حکیم شہزاد مسیح کی حویلی[4] کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ نواب سکندر بیگم کے زمانہ مین اس قصبہ نے شہر کی صورت اختیار کی اُنھون نے ایک نہایت شاندار محل بنام موتی محل تیار کرایا اور محل کے قرب مین ایک مسجد موتی مسجد کے نام سے بنوائی، بڑی بلند کرسی ہے، دالان اور گنبد سنگ مرمر کے ہین اور باقی مسجد سنگ سرخ کی ہے نواب جہانگیر محمد خان نے شہر کے مشرقی جانب ایک نئی بستی قائم کی جو جہانگیر آباد کے نام سے موسوم ہے اور اب بھوپال کی فوجی چھاؤنی ہے۔

فرماں رواے ملک کے شوق تعمیر کا اثر امرا اور جاگیرداروں پر بھی ہوا اور فصیل شہر کے اندر اچھی اچھی

---

[1] گوہر محل نواب نظر محمد خان بہادر نے بنوایا تھا جس مین نواب قدسیہ بیگم رہتی تھین۔
[2] نواب جہانگیر محمد خان کا محل شوکت محل کے حصون مین شامل ہوگیا۔
[3] نواب فیض محمد خان کا محل اب یہان حسین محمد خان کے محل سے مشہور ہے۔
[4] یہ حویلی بھی شوکت محل اور حمید منزل مین شامل ہوگئی۔

عمارتیں بن گئیں، باغات کا بھی شوق ہوا اور متعدد باغ جو عمارات، اشجار، اور چمن بندی وغیرہ کے لحاظ سے بہترین باغ تھے لگائے گئے۔

نواب شاہجہاں بیگم نے تو عمارات میں صاحبقران ثانی کا نمونہ دکھلا دیا اور شاہجہاں آباد کے نام سے شہر کا ایک جدید حصہ تعمیر ہو گیا جو بجائے خود ایک شہر ہے محلات شاہی کی سر بفلک اور شاندار عمارتیں، بازار، چمن وغیرہ سب علیحدہ ہیں۔

نواب سلطان جہاں بیگم کے زمانہ میں وہ تمام سامان مہیا ہو گئے جو ایک وجود مکمل کے لئے لازمی ہیں۔

روحانی حیثیت سے نظم و نسق حکومت میں جو جو انقلاب ہوئے، تعلیم نے جس طرح درجہ بدرجہ ترقی کی۔ مذہبی، اعمال و عقائد کو جس طرح استحکام حاصل ہوا اوس کا سلسلہ بھی اس ریاست کی مادی ترقیوں کے ساتھ شروع ہوا اور انہی کی طرح درجہ بدرجہ تکمیل کو پہونچا۔ لیکن قدرت کے یہ انقلابات باہم اس قدر ممزوج اور مدغم ہوتے ہیں کہ جب ایک نیا دور شروع ہوتا ہے تو پہلا دور اوس میں اسقدر مخلوط ہو جاتا ہے کہ اُس کی تمیز نہیں کی جا سکتی۔ اس طور پر گویا نقش ثانی نقش اول کو مٹا دیتا ہے اور پہلی صورت گویا بالکل فنا ہو جاتی ہے۔

بھوپال کی ترقیوں میں گوناگوں انقلابات ہوتے رہے ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے فتح بی بی کو تو اب کوئی جانتا بھی نہیں، خود نواب شاہجہاں بیگم کے کارناموں کو اون کے جانشین کے کارناموں نے بہت کچھ ماند کر دیا ہے۔ لیکن اگر تمام بیگمات کے کارنامے تاریخی حیثیت سے جدا جدا کر کے الگ الگ نہ دکھائے جائیں تو اس سے وہ بیگمات بھی گمنام رہیں گی جنہوں نے بھوپال کی تاریخی ترقی کا ابتدائی خاکہ تیار کیا ہے اور اُن بیگمات کی کوششیں بھی نمایاں نہ ہوں گی جنہوں نے اوس میں درجہ بدرجہ رنگ آمیزیاں کی ہیں، میں نے اس کتاب میں اصول ارتقا کے مطابق یہ بات دکھائی ہے کہ ایک دور دوسرے دور سے کیونکر بطور قدرتی نتیجے کے پیدا ہو گیا اور نقاش اول نے جو خاکہ تیار کیا تھا اوس کے بعد نقاش ثانی نے اوس میں کیا کیا رنگ بھرے ابتدائے

لیکر انتہا تک اون بیگمات کے سوانح و حالات لکھے ہیں جن کی کوششیں بھوپال کی ترقی میں شامل رہی ہیں اور جوں جوں بھوپال نے ترقیاں کی ہیں اُسی نسبت سے ان بیگمات کے حالات میں تفصیل اور دلچسپی پیدا ہوتی گئی ہے۔ یہاں تک کہ عہد سلطانی میں یہ ہلال بالکل ماہ کامل بن گیا ہے اور اوس کا نظارہ اس کتاب کے افق سے بخوبی کیا جاسکتا ہے، سوانح وحالات اگر سب کے سب نئے نہ ہوں تب بھی کتاب کی ترتیب بالکل نئے اور قدرتی اسلوب پر دی گئی ہے ۔اس لئے مجھے توقع ہے کہ وہ دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاے گی۔ اور اس سے بھوپال کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل جاے گا۔

ان جلیل القدر بیگمات کے ساتھ میں نے مقدمہ میں پہلے اُن عورتوں کا ایک اجمالی تذکرہ ضروری سمجھا ہے جن کی بہادری صفحۂ تاریخ بھوپال پر ثبت ہے ، اس دیباچہ میں اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ بھوپال کی تاریخ کے کچھ مختصر نوٹ بھی لکھدیے جائیں تاکہ تذکرہ کا سلسلہ اور بیگمات کا درجہ و مرتبہ بخوبی ذہن نشین ہو جاے ۔

اس ریاست کے بانی سردار دوست محمد خان دلیر جنگ تھے جو مقام تراہ ملک افغانستان کے رہنے والے تھے انھوں نے اورنگزیب عالمگیر کے انتقال کے بعد افواج شاہی سے مستعفی ہوکر مالوہ میں ریاست بھوپال کی بنیاد ڈالی ۔ چالیس سال سے کچھ زائد مدت میں بھوپال کی ایک مستقل حکومت قائم کر کے ۱۱۵۳ ہجری میں انتقال کیا۔ انکی منجملہ اور بیگمات کے ایک بیگم فتح بی بی تھیں لیکن یہ لاولد تھیں ۔

سردار دوست محمد خان کے جانشیں نواب یار محمد خان ہوے جو ایک دوسری بیگم کے بطن سے تھے۔ ۸ سال حکومت کر کے ۱۱۶۷ھ مین انتقال کیا۔ ان کی بھی ایک سے زیادہ بیگمات تھیں لیکن ان میں ماجی ممولا لاولد تھیں ۔

نواب یار محمد خاں کے جانشیں نواب فیض محمد خان ہوے اور ۴۲ سال حکمران رہنے کے بعد ۱۲۰۹ء میں انتقال کیا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کی کئے بیگمیں تھیں لیکن ایک

بیگم صالحہ بیگم نامی بھی تھیں۔

نواب فیض محمد خاں کے جانشیں ان کے چھوٹے بھائی حیات محمد خاں ہوے عصمت بیگم ان کی بیگم تھین۔ یہ نہیں علوم کہ کوئی اور بیگم بھی تھیں یا نہیں اور ان کے فرزند نواب غوث محمد خاں عصمت بیگم کے بطن سے تھے یا اور کسی بیگم کے۔ انکے زمانہ میں ملک کا نظم ونسق وزیر محمد خاں کے ہاتھ میں آگیا تھا جو بانی ریاست کے پر پوتے تھے۔ ان کے باپ شریف محمد خان ایک خانہ جنگی میں قتل ہوے۔ اور یہ آوارہ وطن ہو گئے۔ چونکہ فطرت میں جواں مردی تھی مختلف مقامات میں فوجی ملازمتیں کیں جب سنہ ۱۲۰۱ھ ہجری میں بھوپال پر ناگپور اور گوالیار کا دباؤ پڑ رہا تھا اور ملک خطرہ میں آگیا تھا تو محض تحفظ ملک کی خاطر وطن میں واپس آئے۔ اپنی خدمات پیش کیں جو بڑی خوشی سے قبول کی گئین۔

اُس زمانہ میں بھوپال کی قسمت کا جہاز بڑے سخت تلاطم میں تھا ایک طرف مرہٹہ ہمسایوں کی قوت وطاقت اس کے تقسیم کر لینے پر صرف ہو رہی تھی دوسری طرف ایک دیوان ریاست نے غداری کر کے نہ صرف نواب کی بیگم (عصمت بیگم) کو شہید کیا بلکہ دشمنون سے ساز کر کے ملک کو بھی نقصان پہونچایا تھا۔ بھوپال کی نجات وسلامتی صرف تائید ایزدی پر منحصر رہگئی تھی جو وزیر محمد خان کی حب الوطنی اور زور بازو میں نمایاں تھی۔ انھوں نے وطن کی محافظت اور دشمنوں کی مدافعت میں کارہای نمایاں کئے فوج کی درستی میں بڑی بڑی کوششیں کیں۔ ملک کے وہ حصص جن پر دشمن قابض ہو گئے تھے جنگ وجدل کے بعد واپس لئے اور جو نقصان ریاست کو پہونچ چکا تھا اس کی تلافی کی۔ اسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا ہوے۔ سنہ ۱۲۲۳ھ ہجری میں نواب حیات محمد خان نے جو ان خوفناک حالتون سے بالکل پژمردہ ہو گئے تھے انتقال کیا۔ ان کے جانشیں نواب غوث محمد خاں ہوے۔ انکی

شادی زینت بیگم سے ہوئی جن کے بطن سے دو صاحبزادے نواب معز محمد خاں اور میاں فوجدار محمد خاں اور ایک صاحبزادی گوہر بیگم (قدسیہ بیگم) تھیں۔

نواب غوث محمد خاں کے زمانہ میں راجہ ناگپور نے چند مقامات پر حملہ کر کے ان کو فتح کر لیا اور اون کی کمزوری سے بھوپال پر بھی دشمنوں کا ایک طرح سے تسلط ہو گیا۔ اور نواب ایک قیدی کی حالت میں آ گئے لیکن خدا پر بھروسہ کر کے وزیر محمد خاں نے جنگ اور حکمت عملی سے بھوپال سے مرہٹوں کو نکال دیا۔ اور اون کے استقلال ہمت نے ریاست بھوپال کو اس نازک موقع پر بچا لیا بلکہ دشمن کے قبضہ سے اس کے مفتوحہ مقامات کو بھی واپس لے لیا۔

سنہ ۱۲۲۹ ہجری = سنہ ۱۸۱۳ء میں پھر بھوپال محصور ہوا۔ گوالیار اور ناگپور نے متحدہ حملہ کیا جو تاریخ میں سب سے بڑا حملہ تصور کیا جاتا ہے۔ ۷۰ ہزار حملہ آوروں کے بالمقابل ۶ ہزار محصورین تھے۔ اس حملہ اور محاصرہ سے بھی وزیر محمد خاں اور اون کے فرزند نظر محمد خاں کی جواں مردی سے بھوپال کو پھر نجات ملی۔ وزیر محمد خاں برابر اس عرصہ میں آبائی ملک کی حفاظت میں داد شجاعت دیتے رہے۔ سنہ ۱۲۳۱ ہجری اور سنہ ۱۸۱۶ء میں جب کہ انہوں نے انتقال کیا ملک قریباً محفوظ تھا اور انگریزوں کی دوستی اور ایک حد تک حفاظت حاصل ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے فرزند نظر محمد خاں کی شادی نواب غوث محمد خاں کی بیٹی گوہر بیگم (نواب قدسیہ بیگم) سے قرار دی تھی جو ان کے انتقال کرنے سے ایک سال بعد ہوئی۔ اور اس طرح یہ خاندان جو پہلے قریبی تعلق رکھتا تھا اب اور بھی قریب ہو گیا

نواب غوث محمد خاں نے سنہ ۱۲۳۲ ہجری میں انتقال کیا۔ وہ اس عرصہ میں خانہ نشین اور محض برائے نام نواب رہے اور اوس جاگیر پر قانع تھے جو اُن کے اخراجات کے لئے مقرر تھی۔ حقیقی طور پر نواب نظر محمد خاں حکمراں و رئیس ریاست تھے۔ اور ان ہی کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا معاہدہ بھی ہوا تھا۔ سنہ ۱۲۳۵ ہجری میں ۴ سال حکمرانی کرنے کے بعد نواب

نظر محمد خاں کا اتفاقی حادثہ سے انتقال ہوگیا۔ ان کی ایک خرد سال صاحبزادی نواب سکندر بیگم تھیں باپ کی وصیت کے مطابق اور گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے یہ طے ہوا کہ جس کسی کے ساتھ وارثہ ملک کی شادی ہوگی وہ نواب بھوپال ہوگا لیکن "تا زمانہ بلوغ و عقد نواب قدسیہ بیگم ریجنٹ قرار پائیں۔ اور جب صاحبزادی کی شادی نواب جہانگیر محمد خاں سے ہوگئی تو ۱۲۵۳ھ ہجری میں وہ حکمراں بھوپال ہوئے اور ۷ سال بعد ۱۲۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور ان کی صاحبزادی نواب شاہجہاں بیگم ان ہی شرائط کے ساتھ جانشیں قرار دی گئیں۔ نواب سکندر بیگم کچھ جھگڑوں کے بعد ریجنٹ ہوئیں اور انہوں نے ان شرائط کو کالعدم قرار دلوایا اور اپنے حقوق طلب کئے بالآخر ۱۲۷۵ھ میں وہ رئیسہ ملک قرار پائیں اور ۱۴ سال بطور ریجنٹ اور ۹ سال خود مختارانہ حکومت کر کے ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کی جانشین نواب شاہجہاں بیگم ہوئیں جنہوں نے ۳۳ سال حکومت کے بعد ۱۳۱۸ھ ہجری مطابق ۱۹۰۱ء میں وفات پائی۔ اور نواب سلطان جہاں بیگم مسند آرائے حکومت ہوئیں۔

درونت بتائید حق شاد باد

دل و دین و اقلیمت آباد باد

ہمینت بس از کردگار مجید

کہ توفیق خیرت بود بر مزید

مقدمہ

بھوپال کی تاریخ بنانے میں اوس کے مدبر و دلیر بانی کے زمانہ سے ہی بیگمات بھوپال کا بہت بڑا حصہ رہا ہے اور ہر عہد میں اُنہوں نے بالواسطہ دربار پر اپنا اثر قائم رکھکر حیرت انگیز طریقوں سے اپنے تدبر و سیاست کے جوہر نمایاں کئے ہیں۔

یہ سلسلہ بارہویں صدی ہجری کے آغاز یا سترہویں صدی عیسوی کے آخری حصہ یعنی ۱۷۰۸ء سے شروع ہو کر تقریباً ۱۳۰ سال تک قائم رہا لیکن انیسویں صدی کے شروع میں ۱۸۱۹ء سے تو اس اثر و اقتدار کا خود مختارانہ فرمانروائی کی شکل میں ظہور ہوا اور پوری صدی میں جب کہ یہ کتاب ترتیب دی جارہی ہے اور ۱۹۱۶ء کا زمانہ ہے۔ درمیان کے چند سالوں کو مستثنیٰ کرکے جن میں نواب جہانگیر محمد خاں ایک غیر منصفانہ معاہدہ کی بنا پر فرمانروائے بھوپال رہے تھے ان جلیل القدر بیگمات نے مسند حکومت پر متمکن ہو کر جنگ و جدل اور امن و امان کے زمانوں میں فرمانروائی کے گوناگوں اوصاف سے ایک عالم کو مسخر کر دیا ہے اور دنیا سے اس امر کا اعتراف کرا لیا ہو کہ قدرت سے صفات حکمرانی کا عطیہ مردوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس انعام الٰہی سے عورتیں بھی کامیابی کے ساتھ اور کامل طور پر بہرہ ور ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ خالق ارض و سما نے بھوپال پر اپنی اس قدرت کی جلوہ نمائی کی ہے کہ وہ نوع انسانی جو ضعیف کے نام سے موسوم ہے کن کن کمالات انسانی کی مظہر ہو سکتی ہے۔

تاریخ بھوپال کے عجیب و غریب واقعات نہ صرف فرمانروا خاندان کی بیگمات کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ اس جنس کے دیگر افراد کے ساتھ بھی خاص طور پر تعلق رکھتے ہیں۔ دارالامارہ بھوپال جہاں اس خاندان کا آفتاب اقبال تاباں ہوا ہے ایک انہی کا پیشکش ہے جو وحشی گونڈوں کے سردار کی بیوی تھی جس کا نام کملاپتی تھا اور جو اپنے حسن و نزاکت کے لحاظ سے اس وقت تک ضرب المثل اور مشہور روزگار ہے۔

جب اوس کے خاوند نظام شاہ کو ایک دوسرے گونڈ سردار نے زہر دیکر ہلاک کیا اور اوسکے یتیم بچہ کو قلعہ کے اندر محصور کر دیا تو اس بیوہ نے سردار دوست محمد خاں سے امداد اور اپنے شوہر کے انتقام کی درخواست کی اور جب وہ درخواست پوری ہو گئی اور رانی نے اپنی داد حاصل کرلی تو یہ جگہ جو اس وقت ایک گاؤں کی حیثیت رکھتی تھی اس امداد کے شکریہ میں نذر دی۔

جس جگہ یہ موضع آباد تہا وہاں ایک بہت پرانا قلعہ بھی تھا جو ابھی تک موجود ہے۔ اس کے قرب میں اس بیوہ رانی کا ایک چھوٹا سا محل بھی تھا جو اس وقت تک لب تالاب یادگار قدیم کے طور پہ قائم ہے۔

دوسرا قابل الذکر واقعہ یہ ہے کہ جب ۱۸۱۲ء میں باہ جنوری ناگپور اور سیندھیا کی متفقہ فوجیں اس شہر پر حملہ آور تھیں اور بیرون فصیل شہر کو چاروں طرف سے محصور کر چکی تھیں ایک قابل یادگار اور غیر معمولی حملہ میں دشمن نے تھوڑی سی کامیابی حاصل کرلی تھی لیکن جہاں کامیابی ہوئی تھی وہاں عورتوں کی بہادری سے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھیں حملہ آور پسپائی پر مجبور ہوئے اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے جو حملہ آور جماعت شہر میں داخل ہو گئی تھی وہ محصور کر کے ہلاک کردی گئی۔ ان عورتوں نے اینٹ اور پتھروں سے گولوں اور گولیوں کا مقابلہ کیا۔ ایسی حالت میں کہ شہر میں غلہ نہ ہونے سے بھوک نے بے انتہا ناتواں کر دیا تھا اور وہ گولیوں کی بوچھار سے اپنی بہنوں کو فصیل پر گرتے ہوے دیکھ رہی تھیں۔

فسانۂ[۱] رنگین بھوپال کے مصنف جوگل کشور نے لکھا ہے کہ:۔

"میری دادی صاحبہ کہتی تہیں کہ اوس دن میاں وزیر محمد خاں کی درخواست کرنے پر ہم تمام شرفا کی پردہ نشیں عورتیں بے پردہ ہوکر برج سرنگ کے متصل پہونچیں اور ہانڈیوں میں بارود بھر کر اور ان میں آگ ڈال کر دشمن کے منہ پر پھینکنے لگیں اور اس طرح سیکڑوں ہانڈیاں پھینکیں

[۱] اصل عبارت یہ ہے:۔ "کہ دادی صاحبہ مؤلف می گفتند کہ ہماں روز از الحاح میاں وزیر محمد خاں

(باقی حاشیہ برصفحہ آیندہ)

اسی طرح ایک برج پر جب کہ ایک بزرگ خیر اللہ نامی توپ سے گولہ باری کرنے میں مصروف تھے تو اون کے ساتھ اون کی ایک کنیز جو گونڈ قوم سے تھی توپ بھرنے میں مددگار تھی۔ بارود کے توڑے اُٹھا کر ڈالتی تھی اور جب یہ بزرگ فیر کرتے تھے تو وہ عورت دشمنوں پر تیر چلاتی تھی۔

سرجان مالکم جو سلطنت برطانیہ اور ریاست بھوپال میں معاہدہ دوستی ہوجانے کے بعد اسی کے قریب زمانہ میں سنٹرل انڈیا کے رزیڈنٹ تھے اپنی کتاب "میمائرس آف سنٹرل انڈیا" میں لکھتے ہیں :۔

"جنوری میں دو مختلف حملے ہوئے یعنی ایک حملہ صادق علی نے گنوری دروازہ پر دوسرا سوار سنگھ نے منگلوارہ پر کیا۔ بعض حملہ آور تو اس قدر کامیاب ہوئے کہ وہ سیڑھی لگا کر مسمار شدہ فصیل سے شہر میں داخل ہوگئے لیکن فصیل کے محصورین نے ایسا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا کہ حملہ آوروں کو پسپا ہونا پڑا جزوی فتح نے جو منگلوارہ پر حاصل ہوئی تھی محاصرین کی توجہ اس قدر اپنی طرف منعطف کرلی کہ سب گنوری دروازہ چھوڑ کر اسی جگہ جمع ہوگئے تھوڑی سی فوج سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھ گئی اور ایک برج پر اپنا قبضہ کرکے جھنڈا گاڑ دیا۔ اس سے برائے نام فتح تصور کی گئی کیونکہ اس خطرہ سے تمام مستورات خوف زدہ ہوکر مکانات کی چھتوں اور بلند مقامات پر چڑھ گئیں۔ وہاں سے دشمن پر کھپرے، کنکر، پتھر کی بوچھار کی۔ جنگجو عورتوں کے اس غیر متوقع حملہ سے دشمن نے پریشان ہوکر اپنا جھنڈا نیچا کردیا اور بمشکل اوس برج کو اپنے قبضہ میں رکھ سکا۔ اس موقع پر وزیر محمد منگلوارہ والے حملہ کو پسپا کرکے گنوری پہونچ گیا۔ یہاں اسے پوری کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ دشمن کو بری طرح سے اور بڑے نقصان کے ساتھ پیچھے ہٹنا پڑا۔ عورتوں کی جوانمردی پر جنھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) باہمہ عورتاں پردہ نشیں ہر خانہ شریف بلا پردہ بودہ متصل برج سرنگ رسیدہ در ہانڈی ہائے بارود پر کردہ آتش انداختہ بر سرِ دشمن می انداختند، صد ہائے ہانڈی انداختند"

غیر محفوظ مقام کو اس طرح بچا لیا، وزیر محمد بے حد خوش ہوا۔ اُس نے اون کی شجاعت کی
بڑی تعریف کی اور اون کو اس خاص خدمت کا جو انہوں نے انجام دی تھی انعام دیا۔
اس سے زیادہ وزیر محمد کو اور کسی حملہ میں اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ وزیر محمد کا مزاج خونخوار تھا وہ
توہمات کو بہت مانتا تھا۔ عورتوں کی مدد کو اوس نے غیبی فال نیک تصور کیا اور اس سے
یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس شہر پر محاصرین کبھی قابض نہ ہوسکیں گے"

دوسری شہادت ایک فوجی یورپین مصنف میجر ہاگ کی ہے جنہوں نے اس جنگ سے کا از تیس
سال بعد ہی تاریخ لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"وزیر محمد خاں اون عورتوں کی بہادری سے جنہوں نے اس حصہ کو بچایا تھا بہت خوش ہوا
اور بہت کچھ تعریف کے بعد اوس خدمت کے صلہ میں جو اُنہوں نے انجام دی تھی انعامات
تقسیم کئے۔ کسی واقعہ سے وزیر محمد کو اس قدر اطمینان نہیں ہوا تھا جس قدر اس سے۔ اوس کے
مزاج میں وہم تھا مگر طبقہ اناث کی بہادری دیکھکر اوس نے شگون لیا کہ یہ مقام کسی طرح
محاصرین کے ہاتھ میں نہیں جاسکتا"

اسی کتاب میں دوسری جگہہ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"جنوری ۱۸۱۳ء کے دو حملوں میں دشمن تھوڑی سی کامیابی اور ایک برجی پر قابض ہوجانے
سے بہت خوش تھے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اون کے مقابلہ پر ایک بہادر عورتیں بھی ہونگی
کہ چھینی ہوئی جگہہ سے ہٹا دیں گی۔

اس واقعہ نے سب کا دل بڑھا دیا اور بھوپالی عورتوں کے شریفانہ فعل نے ہمت کو قوی
کردیا وزیر محمد نے اس واقعہ کو فال نیک تصور کیا۔ دشمن کو معلوم ہوگیا کہ ہر مرد اور ہر عورت
مقابلہ میں ثابت قدم ہے اور اوس سردار کو جو بھوپال کا نجات دہندہ خیال کیا جاتا ہے
معلوم ہوگیا کہ لوگوں کو اپنے وطن سے کتنی محبت ہے"

اس لڑائی اور جنگ و محاصرہ کی شدت کا یوں اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ متصل نو مہینے تک جاری رہی اور شہر محصور رہا، شہر میں غلہ اور رسد کا سامان بالکل نہ تھا۔ موٹا اناج روپیہ ملتا تھا پھر وہ بھی میسر نہیں ہوتا تھا، کئی کئی وقت فاقہ کشی سے گذر جاتے تھے اور جب کچھ آزوقہ ملتا تھا تو وہ بھی برائے نام اور پھر یہ حالت بھی مسلسل نو ماہ تک قائم رہی۔ روپیہ جس سے کہ یہ سب چیزیں فراہم ہوسکتی ہیں اوسکی قلت تھی۔ سپاہیوں اور دوسرے شہری لوگوں پر حملہ آوری کے وقت فوج محاصرہ کی تعداد (۷۰۰۰) اور محصورین کی (۶۰۰۰) تھی جو آخر میں گھٹ کر دو سو رہ گئی تھی ایسے نازک موقع پر ان عورتوں نے کمال دلیری کے ساتھ اپنے وطن کی دشمنوں سے محافظت کی اور محافظت کا وہ حق ادا کیا جو تاریخ عالم میں یادگار رہے گا۔

عورتوں کے اجمالی تذکرہ کے بعد اب میں بانی ریاست کے زمانہ سے اس وقت تک کی بیگمات کا سلسلہ وار تذکرہ لکھوں گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان بیگمات نے تاریخ بھوپال میں کیا کیا کارہائے نمایاں کئے۔

فتح بی بی

نواب دوست محمد خاں بانی ریاست بھوپال نے "بیرسیہ" کو اپنا مستقر بنانے کے بعد فتح بی بی سے شادی کی۔ فتح بی بی کے ابتدائی حالات نہ کسی تاریخ میں ملتے ہیں اور نہ زبانی روایات سے معلوم ہو سکے، البتہ یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ بیرسیہ یا اوس کے قرب وجوار کی رہنے والی تھیں۔

یہ ایک نہایت اولوالعزم اور جمیل وعقیل خاتون تھیں اور ایسے حالات اور ایسے زمانہ میں جب کہ دوست محمد خاں یکہ وتنہا مالوہ کی سرزمین پر اپنی قسمت آزمائی کر رہے تھے تو فتح بی بی اونکے لئے ایک روحانی تسکین تھیں۔ ان سے عقد کے بعد ہی دوست محمد خاں نے منازل کامیابی کو طے کرنا شروع کیا۔ وہ فتح بی بی کو نہ صرف اس لئے عزیز رکھتے تھے کہ وہ ایک رفیق بی بی تھیں بلکہ ونکا عقیدہ تھا کہ اون کے نام میں اون کی ذات میں برکت ایزدی کا ظہور ہے۔

یہ بی بی اپنے نامور شوہر کی کنیزوں کی طرح خدمت کرتی تھیں۔ نہایت مبارک قدم اور نہایت فیاض دل تھیں، ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اُنھوں نے ایک لڑکے کی پرورش کی تھی جو نواب دوست محمد خاں کو راجپوتوں سے جنگ کرنے کے بعد غنیمت میں حاصل ہوا تھا یہ لڑکا راجپوت تھا، مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ فتح بی بی کی تربیت نے ابراہیم خاں میں وفاداری کے وہ خاص اوصاف پیدا کئے تھے جن کی بدولت آج تک تاریخ بھوپال میں اوس کا نام عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

دوست محمد خاں بیرسیہ کو اجارہ میں لینے کے بعد اپنی قسمت آزمائی کے لئے گجرات چلے گئے تھے اوس زمانہ میں یہ طریقہ جاری تھا کہ کوئی دلیر اور نامور سردار ایک فوج مرتب کرتا تھا اور اوسکی تنخواہ کا خود ذمہ دار ہوتا تھا اور پھر وہ کسی رئیس یا بادشاہ وقت کی ملازمت کر لیتا تھا دوست محمد خاں

کے پاس بھی ایسی ہی فوج ملازم تھی اور وہ اسی فوج کے ساتھ گجرات میں ملازم ہو گئے تھے لیکن بسوء اتفاق سے وہاں ان کو اتنا روپیہ نہ مل سکا جو فوج کی تنخواہ کے لئے کافی ہوتا اس لئے فوج نے بغاوت کر کے ان کو نظر بند کر لیا۔ انھوں نے ابراہیم خاں اور فتح بی بی کو اس کی اطلاع دی۔ دونوں نے انتظام کر کے فوراً روپیہ یہاں سے روانہ کر دیا اور نہایت عاجزی اور اصرار کے ساتھ دوست محمد خاں سے واپسی کی استدعا کی۔ فتح بی بی اس زمانہ میں نہایت پریشان اور بے چین تھیں۔ دوست محمد خاں جب واپس آگئے اوس وقت اون کو اطمینان ہوا۔

ابھی دوست محمد خاں کا کنبہ صرف انہیں تین آدمیوں پر مشتمل تھا لیکن اسی عرصہ میں دوست محمد خاں کے والدین، بھائی، اور دوسرے اعزہ بھی جو تعداد میں سو سے زیادہ تھے بیرسیہ آگئے۔ ابراہیم خاں نے دور تک جا کر پیشوائی کی، اون کے آنے کی خوشی میں ایک بڑا جشن ہوا اور فتح بی بی کو تمام اعزہ سے ملایا گیا اگرچہ یہ ہندی نژاد تھیں لیکن سب نے اون کے رتبہ کے مطابق عزت و احترام کیا۔ فتح بی بی کو بھی ان اعزہ کے آنے سے بڑی تقویت اور مسرت ہوئی۔ اب دوست محمد خاں کو بھائیوں کی قوت سے ملک گیری کا حوصلہ اور بڑھا اور انھوں نے تھوڑے عرصہ میں اپنے مقبوضات میں اس قدر اضافہ کر لیا کہ ان کی ایک ایک رئیس والی ملک کی حیثیت ہو گئی۔ گنوری میں رانی کملاپتی کو امداد دی۔ اوس کے شوہر کے قاتل اور بیٹے کے دشمنوں کو زیر کیا اور اوس کے فرزند کو مسند نشیں کرانے کے بعد چند دن کے لئے سکون و آرام کی خاطر بھوپال میں قیام کیا۔ بھوپال اوس وقت لب تالاب ایک موضع کی صورت میں آباد تھا۔ آب وہوا نہایت خوشگوار تھی اور رانی کملاپتی کی ملکیت میں تھا لیکن رانی نے دوست محمد خاں کو دیدیا تھا یہاں آبی اور صحرائی جانوروں کے شکار کا بہت اچھا موقع تھا اس کے قرب وجوار میں شیروں کی کچھار بھی تھی۔

سلہ بھوپال کا مشہور محلہ ابراہیم پورہ اور ابراہیم خان کی مسجد اون ہی کے نام سے منسوب ہیں، اور یہ محلہ اپنے بازار کے لحاظ سے بہت پر رونق اور نہایت آباد ہے۔

فتح بی بی اس کیمپ میں ہمراہ تھیں دونوں دن کو مرغابیوں اور مچھلیوں کی شکار میں اور رات کو پاڑچہ پر بیٹھ کر شیر کے شکار میں مصروف رہتے تھے۔ ایک رات پاڑچہ پر فتح بی بی نے کہا کہ بقائے نام اور یادگار کے لئے ایک شہر اور اس پہاڑ پر ایک قلعہ میرے نام پر تعمیر ہو۔ **دوست محمد خاں** نے اس خواہش کو دلی جوش کے ساتھ منظور کیا اور اُسی وقت ماہتاب کی روشنی میں دونوں بند۔ ہان کی طرف گئے۔ قلعہ اور شہر کی تعمیر کی جگہ تجویز ہوئی اور دوسرے ہی دن نہم ذی الحجہ ۱۳۵ھ ۱۷۲۲ء یوم جمعۃ المبارک کو قلعہ اور شہر کی تعمیر شروع ہو گئی قلعہ کی بنیاد اوس زمانہ کے قاضی ریاست قاضی محمد منعم مرحوم نے جو ایک نہایت متقی و دیندار عالم تھے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔ اوس زمانہ کے اُمرا نے بھی اپنے اپنے ناموں سے پورہ اور محلے آباد کئے۔ تعمیر قلعہ کے بعد شہر پناہ بنائی گئی چند ماہ تک تمام فوج ایک چھاؤنی کی صورت میں یہیں مقیم رہی۔

اس سلسلہ میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کے قابل ہے کہ قلعہ اور شہر کی تعمیر میں عام معماروں اور مزدوروں کے ساتھ تمام سپاہی سرداران حتیٰ کہ خود نواب **دوست محمد خاں** بھی مثل مزدوروں کے کام کرتے تھے اور قلعہ کی تعمیر اون اشخاص کے سپرد تھی جو اپنی نیکی اور دینداری میں معروف وممتاز تھے۔ جب یہ تعمیر ختم ہوگئی تو فوج والوں کو دو ماہ کی تنخواہ بطور انعام عطا کی گئی معماروں کو خلعت و انعام مرحمت ہوا۔ یہ قلعہ اس نیک بی بی کے نام سے منسوب ہونے کے باعث آج تک بھوپال میں سب سے زیادہ مسعود و مبارک سمجھا جاتا ہے۔ اس قلعہ کے نیچے بہت سی لڑائیاں ہوئیں نظام الملک آصف جاہ اور مرہٹوں کی آویزش اسی قلعہ کے نیچے ہوئی۔ ناگپور اور سیندھیا کی متحدہ قوت اسی کی دیوار سے آکر ٹکرائی لیکن یہ کبھی مفتوح و مسخر نہ ہوا۔

ریاست بھوپال کا فوجی نشان بھی **فتح نشان** کے نام سے مشہور ہے کیا عجب ہے کہ یہ نشان بھی فتح بی بی کے نام سے منسوب ہو۔ اس نشان کا پرچم بھی آج تک فواج بھوپال پر لہرایا اور کبھی کسی غنیم کے قبضہ و تصرف میں نہیں آیا۔

فتح بی بی نے جو تمنا کی تھی وہ پوری ہوئی اور ہمیشہ پوری ہوتی رہیگی۔ وہ لاولد مریں لیکن اونھوں نے فتحگڈھ اور فتح نشان دو ایسی یادگاریں چھوڑیں جو اب تک قائم ہیں اور خدا نے چاہا تو رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ ہر صاحب نظر سیاح جو مواقع تعمیر عمارات کا مذاق سلیم رکھتا ہوگا ناممکن ہے کہ قلعہ اور شہر کے موقع کو دیکھکر فتح بی بی کی اصابت رائے کی داد دئے بغیر رہ سکے۔ یہ شہر ایک چھوٹے سے پہاڑ پر آباد ہے۔ شہر کا منظر قدرتی طور پر خوشنما ہے اور اس خوشنمائی میں تالاب نے غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس کی مثال ہندوستان کے شہروں میں بہت ہی کم ملے گی۔

ان کا سنہ رحلت معلوم نہین ہوسکا لیکن یہ یقینی امر ہے کہ انہون نے اپنے ناموَخاوند کی زندگی میں سنہ ۱۱۴۰ ہجری کے بعد اور ۱۱۵۳ھ سے پہلے وفات پائی۔

---

[1] یہ شہر اقلیم دوم صوبہ مالوہ ملک ہند میں خط استوا سے ایک سو گیارہ درجہ طولاً اور تئیس درجہ عرضاً ایک چھوٹے سے پہاڑ پر آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ راجہ بھوج والی دہار اگری نے جواب شہر پیران دہار مشہور ہے دو پہاڑوں کے درمیان جو ایک دوسرے سے قریب تر واقع ہے پتھروں سے ایک بلند و مستحکم پشتہ باندھ کر تالاب تیار کیا۔ اس پشتہ پر قلعہ بناکر بھوج پال اوس کا نام رکھا۔ بھوج کی جیم کثرت استعمال سے ساقط ہوگئی اور بھوج پال بھوپال رہ گیا۔ بعدہ رانی سال ملی زوجہ راجہ اودیات نے قلعہ کے قریب ایک بڑا مندر بنام سبھا منڈل بنایا جس کی تعمیر سمت ۱۲۰۸ میں شروع کی تھی اور سمت ۱۲۴۱ کاتک بدی تیج روز دوشنبہ کو تمام ہوئی۔ یہ تاریخ بناء و اختتام اوس مندر پر لکھی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ رانی و راجہ نے پانچسو برہمن مقرر کئے تھے کہ وہ عبادت و ریاضت کیا کریں اور طلبا کو چار وید، چھ شاستر اٹھارہ پُران اور علم نجوم وغیرہ بزبان سنسکرت پڑہائیں۔ انقلاب زمانہ سے مدت دراز کے بعد سبھا منڈل ویران ہوگیا اور بھوپال کی آبادی ایک چھوٹے گاوں کے برابر رہ گئی +

ماجی ممولا

یہ نواب یار محمد خاں[1] کی بیگم تھیں۔ ان کی نسبت دو مختلف روایتیں ہیں، پہلی روایت یہ ہے کہ وہ کسی برہمن کی لڑکی تھیں جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ راجہ کوٹہ کی لڑکی تھیں جو خراج کے ساتھ ڈولے میں آئی تھیں۔ بہرحال وہ نہایت ذہین وعقیل اور فیاض بیگم تھیں ان کو حکومت کے نظم ونسق میں پورا دخل تھا اور شوہر کے انتقال کے بعد بھی اون کے دو جانشینوں کے عہد حکومت تک بلکہ جب تک وہ زندہ رہیں بااثر رہیں۔

ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ تھی۔ انھوں نے نواب فیض محمد خاں کو جو نواب یار محمد خاں کی دوسری بیگم کے بطن سے تھے۔ پرورش کیا تھا، باپ نے اون آخری لمحوں میں جب کہ زندگی سے مایوسی ہوچکی تھی ان کو اپنے سامنے مسند پر بٹھا کر نذریں پیش کرادی تھیں۔ اور اس آخری ساعت میں ممولا بی بی کو آیندہ انتظامات ریاست کے متعلق بہت سی نصیحتیں کی تھیں کیونکہ نواب فیض محمد خاں بالکل ہی نوعمر تھے ہر طرف مرہٹوں کا زور تھا اور بھوپال اون کا مطمح نظر تھا ادھر سلطان محمد خاں برادر یار محمد خاں جو دعویدار ریاست تھے اور جنہوں نے یار محمد خاں سے شکست کھائی تھی زندہ تھے ان کے طرف داروں کا بھی بااثر حلقہ تھا اس لئے خانہ جنگی کا قوی اندیشہ تھا نواب یار محمد خاں کے انتقال کے بعد نواب فیض محمد خاں مسند حکومت پر متمکن ہوئے۔ سلطان محمد خاں نے بغاوت کی۔ مرہٹوں سے بھی مقابلہ کی نوبت پیش آئی لیکن ممولا بی کا مشورہ ہمیشہ کامیابیوں کی کلید اور خطرات کی مدافعت کا ذریعہ بنا رہا ممولا بی بی نے ہرچند کوشش کی کہ سلطان محمد خاں اور نواب فیض محمد خاں میں جنگ نہ ہو لیکن اس کوشش میں انہیں ناکامی ہوئی۔

---

[1] دوم فرمانروائے بھوپال ۱۱۳۹ ہجری سے ۱۱۵۵ھ تک حکومت کی۔

نواب فیض محمد خاں نے عالمگیر ثانی کے خواجہ سرا سے جو رائسین کا قلعہ دار تھا ایک معمولی جنگ کے بعد قلعہ رائسین لے لیا تھا۔ مگر جب شاہ عالم تخت نشین ہوا تو ممولا بی بی نے ازراہ دور اندیشی ایک سفیر خاص کے ذریعہ سے سند قلعہ کی عرضداشت پیش کرائی جو منظور ہوئی۔

پیشوا[1] کو نواب یار محمد خاں کے زمانہ میں افواج بھوپال سے سخت شکست حاصل ہوئی تھی اسلئے جذبہ انتقام اوس کے دل میں موج زن تھا وصل محمد خاں پسر سردار دوست محمد خاں بھی اس کی فوج میں شامل اور بھوپال سے لڑائی کے لئے آمادہ تھے اوس کو بھی یہ موقع غنیمت معلوم ہوا۔ فوج کشی کی۔ اور دریاے نربدا پر قیام کیا۔ ایک سفیر کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ "یا ملک حوالہ کیا جاے یا اعلان جنگ قبول کیا جاے" یہ سفیر ممولا بی بی کے حضور میں پیش ہوا اوس وقت بھوپال میں تاب مقابلہ نہ تھی۔ ممولا بی بی نے مصلحت وقت کو پیش نظر رکھ کر سفیر سے نہایت نرم گفتگو کی اور دیوان ریاست کو حکم دیا کہ پیشوا سے ملاقات کرے۔ نواب فیض محمد خاں کو احتیاطاً ملنے سے روکا۔ اس سفارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حصہ ملک بغیر جنگ و جدل پیشوا کو تفویض کر دیا گیا۔ اگر اوس وقت معرکہ جنگ برپا ہوتا تو کُل ملک بھوپال کے لئے نہایت سخت خطرہ تھا۔

سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں نواب فیض محمد خاں کا انتقال ہوا۔ یہ لاولد تھے ان کی جانشینی کی نسبت سخت اختلاف ہوا۔ ایک طرف نواب فیض محمد خاں کی بیگم صالحہ بی بی عرف بہو بیگم کی خواہش تھی کہ مختار ریاست میں رہوں اور دربار کا سلام حسب قاعدہ نواب صاحب کی قبر پر ہوا کرے ان کی تائید میں ایک مسلح فوج بھی تھی۔ دوسری جانب نواب حیات محمد خاں بھی دعویدار ریاست تھے ان کے علاوہ اور بھی چند اعزا ریاست فساد پر آمادہ تھے ممولا بی بی نواب حیات محمد خاں کی طرفدار تھیں۔ ان کی بیدار مغزی، حب الوطنی اور فراست و حوصلہ کا نقش ہر شخص کے دل پر تھا اس لئے اُنہیں کی راے غالب رہی اور نواب حیات محمد خاں انتخاب کئے گئے۔ اس طرح اُفق بھوپال سے خانہ جنگی کا ابر بغیر برسے دور ہو گیا۔ نواب حیات محمد خاں کی مسند نشینی کی رسم ممولا بی بی کے حکم سے نواب فیض محمد خاں کے مقبرہ پر ادا ہوئی (ان کا مقبرہ اُسی جگہ بنایا گیا تھا جہاں اُنکی

---

[1] تفصیل آگے آے گی۔

مسند بچھی رہتی ہے)

اس طرح ممولا بی بی نے ہمیشہ اپنی رائے صائب سے بھوپال کو خطرات اور جنگ و جدل سے محفوظ رکھا اور وہ مشورے دیے اور وہ کام کیے جن میں بھوپال کی بھبودی مرکوز تھی۔

اس بیدار مغزی کے ساتھ ہی ساتھ اون میں زہد و اتقا اور دینداری بھی بدرجہ کمال تھی وہ اگرچہ نومسلم تھیں لیکن نور اسلام نے ان کے دل کو منور کر دیا تھا، اون کی بنائی ہوئی عمارتوں میں تین مسجدیں اور ایک باولی ہے جن میں دو مسجدیں لب تالاب ہیں۔ یہ مسجدیں آباد ہیں اور سخت سے سخت ہنگاموں اور معرکوں کے زمانوں میں بھی جو بھوپال میں پیش آئے ان میں کبھی اذاں بند نہیں ہوئی۔ ایک مسجد اور باولی اسلام نگر کے راستہ میں ہے۔

ان کی نسبت مشہور ہے کہ یہ ولیۂ کاملہ گذری ہیں۔ اعزاے خاندان کے ساتھ ان کا سلوک اس وقت تک مشہور ہے۔ وہ ہر بیوہ کی کفیل اور ہر یتیم بچے کی مددگار تھیں۔ وہ اپنے خاص آدمیوں کے ذریعہ سے مخفی طور پر غریبوں کی حالت دریافت کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ اُنھوں نے کبھی رات کو اوس وقت تک کھانا نہیں کھایا جب تک اس امر کا اطمینان نہیں ہوگیا کہ آج بھوپال میں کوئی بھوکا نہیں سویا۔ بھوپال سے باہر بھی کئی کوس تک اس امر کی جستجو رہتی تھی کہ کوئی گرسنہ تو نہیں اس کے علاوہ ہمیشہ صدقات و خیرات کا دروازہ کھلا رہتا تھا وہ پردہ کی نہایت سخت پابند تھیں اور ہمیشہ اپنے ساتھ بہو بیگم کو رکھتی تھیں۔

وہ محض اپنی نیکی کے باعث ماجی (والدہ صاحبہ) کے عزیز لقب سے ہر خاص و عام میں مشہور تھیں، اور آج تک اسی نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

اوس زمانہ میں ایک بزرگ سید محمد غوث ابن سید سلیمان گیلانی حضرت شاہ عبدالقادر گیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور وہ نواب حیات محمد خاں، فیض محمد خاں اور نواب یار محمد خاں کے مرشد تھے۔ دربار شاہی میں بھی اون کا بہت اثر تھا، ان بزرگ نے ممولا بی بی کو قدسیہ کا خطاب عطا کیا تھا۔ اور اس کے متعلق جو خط نواب حیات محمد خاں کو بھیجا تھا اوس میں

تحریر کیا تھا کہ ۔

"ایں امر مخفی نیست کہ ماجی صاحبہ در دودمان آن فروغ دیدہ اقبال بزرگ و سرپرست اند و در ذات پاک باکمال او صفات قدسیہ و انوار ملکوتیہ موجود، چنانکہ از خیر و خیرات و پابندی صوم و صلوٰۃ او ظاہر است کہ اگر او را رابعہ ثانی گویند عجب نیست پس برآسم ماجی صاحبہ لفظ "قدسیہ" ایزاد کردم ۔ آن عزیز القدر در محروسہ اعلام کنند و اطلاع ایں خطاب از جانب فقیر حقیر در بارگاہ حضرت ظل سبحانی دہند ۔"

اسی خط کی بنا پر بتاریخ ۱۰ صفر ۱۱۹۴ھ بارگاہ **شاہ عالم** ثانی سے خطاب مذکور کی توثیق ہوئی ۔

اون کے متعلق ایک خاص روایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئیں اور مہینوں سخت بخار میں مبتلا رہیں ، زندگی سے یاس اور نبضیں ساقط ہو چکی تھیں دم شماری ہو رہی تھی ، سامان کفن مہیا ہو گیا تھا اوس زمانہ میں ایک درویش **شاہ علی** نامی بھی تھے مخلوق اون کی بے انتہا معتقد تھی کسی نے اون سے جا کر عرض کیا کہ " **ماجی صاحبہ** کی ساعت آخریں ہے اور قریب ہے کہ اون کی روح پرواز کرے ۔

شاہ علی نے کہا کہ " نہیں لاکھ مر جائیں لاکھوں کا پالنے والا اسد اب جئے ، ہم اپنی عمر سے دس برس ماجی کو دیں گے ۔" اس کے بعد خادموں کو حکم دیا کہ ہمارے لئے کفن لاؤ ، جب تمام سامان کفن آ گیا تو اپنے حجرے میں غسل کر کے کفن پہنا تھوڑی دیر کے بعد حجرہ کھولا گیا تو ادھر شاہ صاحب کی روح پرواز کر چکی تھی ادھر ماجی صاحب کو صحت شروع ہو گئی ، ان کا بھی سنہ وفات نہیں معلوم لیکن ۸۰ سال کی عمر میں اور غالباً ۱۲۱۰ھ ہجری اور ۱۲۱۵ھ ہجری کے مابین انتقال ہوا ۔

ان کی نسبت **سر جان[1] ملکم** نے جو وسط ہند میں ۱۸۱۸ء میں پولیٹکل افسر مقرر ہو کر آئے تھے اپنی کتاب " ممائرس آف سنٹرل انڈیا " میں تحریر کیا ہے کہ :۔

" اس عالی دماغ رئیسہ کی تاریخ حیرت انگیز ہے ۔ اسنے اسی سال کی عمر میں وفات پائی ، او

---

[1] سر جان ملکم نے بڑی کوشش اور محنت سے وسط ہند کی یہ تاریخ لکھی ہے جو نہایت مستند مانی جاتی ہے ۔

نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک بھوپال کی کونسل پر اپنا اثر قائم رکھا حالانکہ اُسے پورا حق حاصل نہ تھا۔ اس رئیسہ کا نام **ممولا** تھا، یہ شمالی ہند سے آئی تھی اس کے پیدائشی واقعات بہت تاریک ہیں کیونکہ وہ اپنے جائے پیدائش اور والدین کے نام سے قطعی ناواقف تھی گو اُس کی شادی باقاعدہ نواب **یار محمد خاں** سے نہ ہوئی تھی (صرف نکاح ہوا تھا) لیکن وہ اس گھرانہ کی خاص بیگم تھی اُس کے کوئی اولاد نہ تھی مگر یار محمد خاں کے اور بچوں کو وہ مثل اپنی اولاد کے تصور کرتی تھی تمام بچے بھی **ماجی صاحبہ** کہتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کس وقعت سے رہتی تھی اوس کا طرز عمل جو بڑے آزمائش کے موقعوں پر ظہور پذیر ہوا ظاہر کرتا ہے کہ وہ جیسی رحمدل تھی ویسی ہی منصف مزاج تھی۔ وہ لوگوں میں ہر دلعزیز و محبوب تھی بھوپال کے تمام ہندو اور مسلمان ابھی تک اُسے یاد کرتے ہیں۔ یہ امر طمانیت بخش ہے کہ اوس کا زمانہ حیات ایک ایسا نمونہ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم اور ابتری کے زمانہ میں بھی نیکی اور راستبازی کو احساس بادر بخش کیا تھ مع اون اعلیٰ اوصاف کے وہ قائم رکھ سکی جو انسانی فطرت کے بہترین جوہر ہیں یہ جوہر اُن اوصاف حمیدہ کے بغیر صرف خطابات اور اعلیٰ رتبہ سے ہمیشہ کیلئے حاصل نہیں ہو سکتے ہیں "

اسی بیان کو کسی قدر تغیر الفاظ وغیرہ کے ساتھ میجر **ولیم**[1] **ہاگ** نے نواب **فیض محمد خاں** اور نواب **حیات محمد خاں** کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ:۔

"واقعات مذکورہ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد ایک خانہ جنگی ہوئی اور فولاد خاں قلعہ بھوپال کو فتح کرنے کی کوشش میں مارا گیا۔ اس قلعہ میں یار محمد خاں کی بیوہ بیوی رہتی تھی جس نے فولاد خاں کے ظالمانہ اور سخت کارروائیوں سے ناراض ہو کر اس کے اختیارات سے انکار کیا اور چھوٹے خاں کی قوت کو بڑھانا چاہا اس لئے چھوٹے خاں کو تعلیم دلوائی تھی کہ وہ اعلیٰ مرتبہ کو پہونچکر فرض کر

---

[1] بنگال احاطہ کی فوج کے افسر تھے اور اُنھوں نے ذاتی تحقیق اور اس زمانہ کے سرکاری کاغذات وغیرہ سے امداد لیکر ایک تاریخ لکھی ہے۔

سمجھ سکے ، اس بیگم کی تاریخ جو ۸۰ سال کی عمر دراز تک زندہ رہی اور جس نے
نصف صدی تک حکمرانی نہ کی تو کم سے کم اون پر اپنا اثر ڈالتی رہی غیر معمولی طور پر دلچسپ
ہے ۔ اس کی خود کوئی اولاد نہ تھی لیکن یار محمد خاں کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھتی تھی سب نے
اوس کو **ماجی صاحبہ** یا **ماں صاحبہ** کا خطاب دے رکھا تھا ۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ اوس کی کس قدر عزت کی جاتی تھی ۔ نہایت نازک موقعوں پر جو اسکا
برتاؤ رہا اوس کو دیکھتے ہوے یہ کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ آیا وہ طبیعت کی
نیک یا ذہانت کی تیز تھی ۔ سب اوس کی محبت اور عزت کرتے تھے بھوپال
کے باشندے کیا ہندو اور کیا مسلمان اب تک اوس کی یاد کرتے ہیں ۔ یہ دیکھکر
خوشی ہوتی ہے کہ اوس نے اپنی زندگی میں خطرہ اور مصیبت کے موقع پر بھی نیکی اور
صداقت کو جوش اور دانشمندی کے ساتھ قائم رکھا اور وہ فضیلت حاصل کی جو بغیر ان
خوبیوں کے خطاب اور اعلی مرتبہ پانے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی ۔

یہ عورت چھوٹے خاں کے انتخاب پر جس نے ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دیا
اور امن و امان قائم رکھنے میں کوشاں رہا قابل مبارکباد ہے ‘‘

صالحہ بیگم

وصل محمد خاں خلف سردار **دوست محمد خاں** کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ وصل محمد خاں نے نواب یار محمد خاں سے ناراض ہوکر لشکر پیشوا میں ملازمت کرلی۔ جب نواب یار محمد خاں کا انتقال ہوگیا تو انھوں نے پیشوا کے سامنے اپنے دعاوی پیش کئے اور اس کو بھوپال پر فوج کشی کے لئے آمادہ کیا۔ پیشوا نے چونکہ سابق میں کئی شکستیں پائی تھیں اور یہ سمجھ کر کہ فیض محمد خاں ایک ناتجربہ کار نوجوان ہیں اس وقت بھوپال پر فتح پانا آسان ہے لشکر کشی کی۔ اور نواب فیض محمد خاں سے وصل محمد خاں کے حصہ کا مطالبہ کیا چونکہ بھوپال میں اس وقت مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہٰذا چند محالات وصل محمد خاں کے مطالبات میں دیدیئے گئے جن پر بعد میں پیشوا نے بدعہدی کر کے خود قبضہ کرلیا اور وصل محمد خاں کو اپنے لشکر سے جدا کردیا۔

اس کے بعد وصل محمد خاں نے نہایت مایوسی، عسرت، اور تکلیفات میں بسر کی، اور برہان پور میں انتقال کیا۔

جب **ماجی ممولا** کو یہ اطلاع پہونچی تو ان کے دل میں ہمدردی کے جذبات موجزن ہوئے اور انھوں نے مفتی ریاست (عالم شاہ) اور ایک فوجی افسر (کیسری سنگھ) کو **عزت بیگم** بیوہ **وصل محمد خاں** اور صالحہ **بیگم** کو جو اس وقت آٹھ سال کی تھیں لانے کے لئے بھیجا لیکن **عزت بیگم** نے بھوپال آتے ہوئے راستہ میں انتقال کیا اور یہ یتیم دلبسر بچی ماجی صاحبہ کی آغوش شفقت میں پہونچی۔ انھوں نے نہایت مہربانی اور بڑی تندہی سے پرورش کیا اور بعد میں نواب **فیض محمد خاں** سے شادی کردی۔

ماجی ممولا کو ان کے ساتھ بہت محبت تھی۔ **بہو بیگم** کا خطاب دیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد وہ خود حکومت ریاست کی دعویدار تھیں اور یہاں تک تیار تھیں کہ اگر ضرورت ہو تو فوجی مقابلہ بھی کیا جائے۔ **ماجی ممولا** کی مصلحت اندیشی اور فہمائش سے یہ ریاست سے دست بردار

ہوگئیں لیکن چند دنوں تک احکام اور پروانوں پر صاد اور بعض انہیں کا ہوتا رہا۔ اور جملہ امور ریاست میں دخیل رہیں مشہور ہے کہ ان کے مزاج میں سختی تھی۔

نواب حیات محمد خاں نے اپنے ایک غلام چھوٹے خاں کو جو مسلم تھا اور برہمن کا لڑکا تھا اپنا دیوان ریاست مقرر کر دیا تھا، یہ نہایت منتظم، جفاکش، اور دلیر تھا۔ لیکن صالحہ بی بی اس سے ناخوش رہتی تھیں شریف محمد خاں سے جو بانی ریاست کے پوتے تھے انہوں نے کہا کہ نواب نے اپنے غلام کو مالک کر دیا ہے۔ اور سب عزیزو اقارب کو اوس کا تابع بنایا ہے تم کو غیرت نہیں آتی کہ اس کے آگے سر جھکاتے ہو اگر میں مرد ہوتی تو اس غلام سے سمجھ لیتی۔ شریف محمد خاں نے کہا ہم کیا کریں نواب مالک ہیں جس کو چاہیں سرفراز کریں۔ بیگم نے کہا میرے پاس روپیہ بہت ہے اگر تم کو حوصلہ ہو تو کچھ کرو۔ شریف محمد خاں ان کی باتوں میں آگئے۔ اور پوشیدہ اپنے بھائیوں کو متفق کرکے فوج جمع کی لیکن جب روپیہ دینے کا وقت آیا تو بیگم نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ بہو بیگم نے روپیہ کا وعدہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ ایک دوسری بی بی فیضی نامی نے روپیہ کا وعدہ کیا تھا اور انہوں نے ہی شریف محمد خاں کو سخت اشتعال دلایا تھا۔

بہو بیگم نے خود فیضی سے سخت تقاضے کئے لیکن وہ ناکام رہیں، اس کے بعد کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے کب اور کس سنہ میں انتقال کیا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ اون کا انتقال سنہ ۱۲۰۹ھ کے بعد ہوا انہوں نے اپنے شوہر کا مقبرہ نہایت مضبوط اور دو منزلہ بنوایا ہے۔ جو زیارت گاہ خلائق ہے +

عصمت بیگم

یہ نواب حیات محمد خاں کی بیگم تھیں، بہت حسینہ وجمیلہ، صاحب الرائے اور بیدار مغز خاتون تھیں - نواب صاحب اور ان کی مثال بالکل نور جہاں اور جہانگیر کی تھی حکومت کا کل اختیار ان کے ہاتھ میں تھا اور سیاہ وسپید کی تقریباً یہی مالک تھیں - چھوٹے خاں دیوان ریاست کے لڑکے امیر خاں نامی نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد دیوان ریاست ہو کر جب اپنی بدنیتی اور ناقابلیت کا اظہار کیا تو عصمت بیگم اوس سے بہت ناراض ہو گئیں - اور انھوں نے نواب غوث محمد خاں کو جو نواب کے بیٹے اور ولیعہد ریاست تھے غیرت دلائی اور سمجھایا کہ تم نے کیوں انتظام ریاست سے دست کشی کر لی ہے تم کو مرہٹوں اور سیندھیا کے حملوں کا بھی خوف نہیں رہا ہے - اُنھوں نے نواب کو بھی پیغام دیا کہ تم ولیعہد کو ریاست سپرد کر دو - غرض عصمت بیگم کی ناراضی سے امیر محمد خاں معزول کر دیا گیا - معزولی کے بعد اس نے کچھ مقابلہ کیا، اور رات کے وقت قلعہ سے فرار ہو گیا - ناگپور پہونچکر مہاراجہ ناگپور کو بھوپال پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا اور اس کی تحریک پر افواج ناگپور نے قلعہ ہوشنگ آباد کا محاصرہ کیا، جس وقت محاصرہ کی اطلاع عصمت بیگم کو پہونچی تو اُنھوں نے فوراً امداد کے لئے بھوپال سے فوج روانہ کی مگر قلعہ سر ہو چکا تھا - عصمت بیگم کو اس سے بہت صدمہ ہوا مگر اوس وقت مجبور تھیں -

اُنھوں نے بذریعہ منادی عام رعایا کو اطلاع کرا دی کہ جس شخص پر دیوان نے یا کسی نے ظلم کیا ہو وہ حاضر ہو اُس کا انصاف کیا جائے گا - در دولت پر روزانہ دادخواہوں کا اژدحام تھا وہ بذات خاص انصاف میں مصروف رہتی تھیں - اسی طرح ملک محروسہ میں بھی رعایا کو احکام کے ذریعہ سے اطلاع دی، تھوڑے ہی عرصہ میں اُنھوں نے اپنے عدل وداد سے اون تمام مظالم کی تلافی کر دی جو اس سے قبل دیوان ریاست کے ہاتھوں سے ہوئے

تقریباً سوا پہر پس پردہ دربار کیا کرتی تھیں، اور عدل و داد میں مصروف رہتی تھیں، جو داد خواہ انکے سامنے حاضر ہوتا اور استغاثہ پیش کرتا بذات خاص اوس کا فیصلہ کر لیتی تھیں اور کسی دوسرے شخص کے سپرد نہ کرتیں، وہ اپنے ان اوصاف کی بدولت نہایت ہردلعزیز ہوگئی تھیں، اور ہر شخص ماجی صاحبہ کی طرح اون کا ادب و احترام کرتا تھا۔ وہ امن و داد اور آبادی ملک کیطرف سے تو مطمئن ہوگئی تھیں لیکن ہوشنگ آباد کا ہمیشہ صدمہ رہتا تھا، اور ہر وقت اوس پر قبضہ پانے کی لو لگی رہتی تھی، یہ بھی خیال تھا کہ کسی قابل اعتماد اور لائق شخص کو دیوان ریاست کیا جائے چنانچہ اونہوں نے **مرید محمد خاں** کو جو اس خاندان کا رکن اور **سلطان محمد خاں** کا پوتا تھا دیوانی کے لئے بلایا۔

اس تقرر کے وقت اون کا خیال **وزیر محمد خاں** کی جانب بھی رجوع ہوا تھا لیکن **مرید محمد خاں** کا ہی انتخاب ہوا۔ یہ اندیشہ بھی پیدا ہوا تھا کہ مبادا وہ کینۂ قدیم جو سلطان محمد خاں اور یار محمد خاں میں تھا اوس کو آمادہ بغاوت نہ کردے لیکن عصمت بیگم نے اپنی سادہ دلی سے سمجھا کہ اب وہ باتیں فراموش ہوگئی ہونگی، غرض مرید محمد خاں کی طلبی میں پروانہ بھیجا گیا اوس نے کچھ شرطیں کیں جو منظور ہوئیں۔ اس کے بعد وہ حاضر ہوا، اور عصمت بیگم کے سامنے وفاداری کا حلف اُٹھایا، اور اقرار کیا کہ مثل بیٹوں کے اطاعت کروں گا۔ اس اقرار و قسم سے عصمت بیگم کو زیادہ اطمینان ہوگیا، اور اوس کو خلعت نیابت عطا کیا۔

مرید محمد خاں نے ابتدائے چندے وزنک نہایت قابلیت اور عمدگی سے انتظام ریاست کیا، پھر اوس کے دماغ میں فاسد خیالات پیدا ہوئے، مختلف حیلوں سے عام جبر و تعدی شروع کی فوج کی تنخواہ روک کر اوس میں بھی بددلی اور بے چینی پیدا کردی، ایک دن عصمت بیگم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی میں ناگپور سے لڑنا چاہتا ہوں مجھ کو مدد خرچ دیا جائے دیوان گلاب رائے نے مدد خرچ کی درخواست پر اعتراض کیا، گفتگو میں تیزی ہوئی، اسی اثنا میں مرید محمد خاں نے شجاعت علی نامی کو جو اس کے ہمراہ تھا اشارہ کیا، اوس نے تلوار نکال کر عصمت بیگم پر حملہ کیا، جو زینے کے متصل ایک حجرہ میں بیٹھی تھیں، انھوں نے متوحش

ہو کر اوپر جانا چاہا لیکن قاتل نے دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور تلوار گلے پر پھیر دی۔ اب تو محل میں شور قیامت برپا ہو گیا۔ کئی آدمی اوسوقت مارے گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب **مرید محمد خاں** نے روپیہ کا مطالبہ کیا تو **عصمت بیگم** نے ذرا تلخی سے گفتگو کی کیونکہ اون کو اس کی جبر و تعدی اور تغیر حالات کی اطلاعیں مل رہی تھیں، وہ جواب میں تو کچھ نہ کہہ سکا لیکن چیں بہ جبیں ہو کر اُٹھ آیا اور اپنے دوستوں سے اون کے قتل کا مشورہ کیا، اس مشورہ کی اطلاع **عصمت بیگم** کو بھی ہو گئی اونھوں نے اپنی سادہ مزاجی سے ایسے جرم کے ارتکاب کا یقین نہیں کیا اور مخبر سے کہا کہ یہ بھنگیڑوں کی باتیں ہیں۔ کیونکر ممکن ہے کہ جو شخص کلام مجید اُٹھائے وہ پھر اس قسم کی دغا کرے، مخبر نے جب اس شخص کا نام بتادیا جو قتل پر مامور کیا گیا تھا تو وہ کچھ پریشان ہوئیں اور مخبر کو ہدایت کی کہ اس راز کو اور کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ اور حکم دیا کہ صبح کو تم لوگ مع وزیر محمد خاں کے طلب کئے جاؤ گے۔ اس کے بعد دوسرے دن جب وہ حسب دستور درباری کمرے میں آئیں تو اُنھوں نے دیوان کو موجود نہ پایا۔ صرف ایک شخص کرم محمد خاں نامی موجود تھا تو اون کو گمان ہوا کہ رات کی اطلاع غلط تھی۔ دوسری طرف وزیر محمد خاں اور مخبر کو بلوانے کا خیال نہ رہا۔ کرم محمد خاں نے گفتگو گستاخی کے ساتھ شروع کیا۔ اس پر **عصمت بیگم** نے تیور پہچانے اور اُٹھ جانا چاہا لیکن اوس نے فوراً حملہ کیا اور ایک ہی وار میں سر کو جدا کر دیا۔ سنہ شہادت ۱۲۱۱ھ ہجری تھا۔ ادھر مرید محمد خاں نے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ نواب **غوث محمد خاں** اور دوسرے اعزاے ریاست کو بھی قلعہ میں نظربند کر لیا تھا، اوس نے قاتلوں کو ایک پوری جمعیت کے ساتھ فوراً فرار کر دیا۔ جسوقت یہ خبر محل سے باہر نکلی تو ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا۔ فوج نے ارادہ کیا کہ مرید محمد خاں کو فوراً قتل کر دیا جائے لیکن نواب نے اس خیال سے کہ مبادا ولیعہد اور دوسرے اعزا قلعہ میں مار ڈالے جائیں اوس ہیجان کو روکا، تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا اور شب کو تالاب کے کنارے **ماجی صاحبہ** کی مسجد کے صحن میں لال املی کے نیچے دفن

کی گئیں۔

یہ بیگم بڑی دیندار، سپہ پرور اور عادلہ تھیں، اولیائے کرام پہ نہایت عقیدہ تھا، اور ہر بزرگ و ولی کی فاتحہ کراتی تھیں، اور بڑی دھوم سے گیارھویں کرتی تھیں، محرم میں مجلسیں، اور ربیع الاول میں مولود کیا کرتی تھیں رمضان المبارک میں رات کے وقت غربا کے کھانے کا انتظام کرتی تھیں۔

اس قاتل دیوان نے ریاست سے بغاوت کی، دشمنان ریاست سے سازکر کے بھوپال پر حملہ کرایا، کچھ مقبوضات بھی نکلوا دیے لیکن اس کام کا انجام یہ ہوا کہ وہ خود اون لوگوں کے ہاتھوں میں جن کو ساز کرکے بلایا گیا تھا قید ہوا، قید کی سختیاں بھگتیں اور الماس کھاکر جان دی دو دن تک لاش دفن نہ ہوسکی اور جب سڑ گئی اوس وقت دفن ہوئی +

زینت بیگم

نواب غوث محمد خاں کی بیگم اور خانداں فیروزی خیل میں سے تھیں انکے جد اعلیٰ نواب دلیر خاں بانی ریاست کوروائی کے مقربین میں سے تھے اپنے آقا کی رفاقت میں بڑے بڑے خونریز معرکوں میں داد شجاعت دی اور بالآخر ایک جاں بازانہ مقابلہ میں زخمی ہوکر جاں بحق تسلیم ہوے۔ ان کے باپ وزیر شاہ خاں نواب فیض محمد خاں کے زمانہ میں بھوپال کی فوج میں داخل ہوے۔

زینت بیگم اس وقت شیر خوار تھیں اور ماں کا سایہ شفقت سر سے اُٹھ گیا تھا، ہنوز عالم طفولیت ہی تھا کہ وزیر شاہ خاں سیہور کے ایک معرکہ میں زخمی ہوکر شہید ہوگئے، اور یہ ماں کی آغوش محبت کی طرح باپ کے دست شفقت سے بھی محروم ہوگئیں اب ان کی بیکسی ولاوارثی کا وہ دور شروع ہوتا ہے جو ایک لڑکی کی زندگی کا سب سے زیادہ المناک دور ہے لیکن حیات محمد خاں نے جو اس زمانہ میں مسند آرائے ریاست تھے ان کے ساتھ خسروانہ لطف و کرم کا اظہار کیا اور پرورش و تربیت کے لئے اپنی بیوی عصمت بیگم کے سپرد کیا خداوند کریم نے اس دُرِ یتیم میں حسن صورت و حسن سیرت دونوں کو مجتمع کر دیا تھا، عصمت بیگم مادرانہ شفقت کا برتاو کرتی تھیں اور حد درجہ چاہتی تھیں صالحہ بیگم (بیوہ نواب فیض محمد خاں) نے جو ان دنوں دربار پر بڑا اقتدار رکھتی تھیں جب ان کو دیکھا تو اپنے پاس رکھنے کی خواہش کی عصمت بیگم بے انتہا ملول ہوئیں، نواب حیات محمد خاں کو بھی ناگوار گذرا مگر انکار نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ زینت بیگم کو صالحہ بیگم کے یہاں بھیجدیا۔ مگر یہاں زینت بیگم کو اس ناز و نعم اور شفقت و محبت کے بدلہ سخت تکلیف اُٹھانی پڑی عصمت بیگم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بے چین ہوگئیں۔ ماجی ممولا کو واقعات کی اطلاع کی اور اصرار کیا کہ جس طرح بنے زینت بیگم کو واپس بلوا دیا جاے۔ زینت بیگم کے حالات سُن کر ماجی ممولا صاحبہ بیگم

لہ بھوپال ایجنسی میں ایک افغان ریاست ہے ۱۲

کے یہاں گئیں اور زینت بیگم کو اپنے ساتھ لاکر عصمت بیگم کے یہاں پہونچا گئیں، اب زینت بیگم اور بھی ناز و نعمت کے ساتھ پرورش پانے لگیں اور روز بروز شرافت نسب کی وہ خوبیاں ظاہر ہونے لگیں جن کے جوہر کو اعلیٰ تربیت نے اور بھی چمکا دیا تھا عصمت بیگم نے نواب یار محمد خاں کو مشورہ دیا کہ اس دُرِ یتیم کا عقد نواب غوث محمد خاں سے کیا جائے جو ان دونوں کے نور نظر تھے۔ چنانچہ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۰۹ھ ہجری کو بغیر شان و شوکت کے نہایت سادہ طور پر عقد ہو گیا اور وہ اس محل میں جہاں ایک شریف یتیم کی حیثیت سے داخل ہوئی تھیں اپنی خوبی اور اخلاق کی بدولت اُس مرتبۂ اعلیٰ پر فائز ہوئیں جس نے اُن کی اصلی صفات کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ عصمت بیگم کی شہادت[له] کے وقت ان کے استقلال نے بڑا کام دیا۔ یہ محل کے کوشک میں تھیں اور بیرونی حصہ میں یہ حادثہ رونما تھا۔ لیکن محل سے باہر کسی کو اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی۔ خادم اور خادمات بالکل ہوش باختہ اور سراسیمہ تھے اس حالت میں زینت بیگم کوٹھے پر چڑھیں اور سپاہیوں کو آواز دے کر مدد کے لئے طلب کیا۔ مدد فوراً پہونچی۔ اور کچھ او ر کشت و خون کے بعد قاتل محل سے فرار ہوئے۔ اب محل کے تمام انتظامات کی ذمہ داری زینت بیگم پر تھی جس کو وہ حسن و خوبی کے ساتھ پورا کرتی رہیں یہ صالحہ بیگم کی وفات کے بعد اپنی نیکی کے باعث خطاب قدسیہ کی بھی مستحق ثابت ہوئیں اور ۱۲۱۹ھ ہجری میں نواب حیات محمد خاں نے ان کو یہ خطاب عطا کیا۔ اور بھوجی قدسیہ کے لقب سے ملقب ہوئیں۔ پھر نواب حیات محمد خاں کے انتقال کے بعد چونکہ بزرگ خاندان تھیں "ماجی قدسیہ" کے نام سے مشہور ہو گئیں ۱۸۱۴ء میں جب ناگپور اور گوالیار کی متحدہ فوج سے بھوپال محصور تھا اور اہل بھوپال کی وطن پرستی ہمت و بہادری اور استقلال و عزم کا سخت ترین امتحان ہو رہا تھا۔ زینت بیگم نے اس ہوش ربا زمانہ میں اون شریفانہ جذبات کا اظہار کیا جس کی مثال اس النسائیت، ہمدردی اور مساوات کے ترقی یافتہ زمانہ میں بھی مشکل سے ملیگی۔ ایسی حالت میں جب کہ محصورین کے لئے غلہ قریب قریب نایاب تھا جانوروں کی کھالوں اور درختوں

له اوراق ماسبق میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

کی پتیوں کو اُبال اُبال کر کھاتے تھے۔ زینت بیگم کو جو غلہ میسر آتا تھا اوس کی روٹی پکوا کر تقسیم کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کو اطلاع ملی کہ ایک محافظ دستہ جو پیٹ سے پتھر باندھ کر اپنے فرائض ادا کر رہا ہے تو اُسی وقت جس قدر آٹا فراہم ہو سکا فراہم کر کے روٹیاں پکوائیں، اور خود برقع پہن کر لے گئیں اور اس محافظ دستہ پر تقسیم کیں اسی زمانہ میں ایک دن محل میں کہاری دیر کر کے آئی جب وجہہ تاخیر دریافت کی تو اس نے اشکبار ہو کر کہا "کل سے بچے بھوکے ہیں میں صبح سے گئی تھی کہ املی یا امرود کے پتے مل جائیں تو انہیں اُبال کر کھلا دوں مگر وہ بھی نہیں ملے"۔ زینت بیگم نے حکم دیا کہ "کوٹھے سے غلہ دیا جائے" داروغہ نے عرض کیا کہ "آج ایک دانہ بھی نہیں ہے جس قدر غلہ تھا کل رات کو اس کی روٹیاں تقسیم ہو چکیں" اُنھوں نے اپنی نور نظر گوھر بیگم (نواب قدسیہ بیگم) کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا "اس نے ضرور روٹیاں رکھی ہونگی" گوہر بیگم نے عرض کیا کہ "ہاں چھوٹی بھائی (فوجدار محمد خاں) کے لئے دو روٹیاں رکھ لی تھیں" زینت بیگم نے کسی قدر تلخ اور تیز لہجہ میں کہا کہ "کہاری کو روٹیاں لا کر دیدو" گوہر بیگم نے چپکے سے ایک روٹی لا کر دیدی، زینت بیگم کو کچھ خیال گذرا اور ڈانٹ کر کہاری سے پوچھا کہ "تجھے کیا دیا" اوس نے وہی ایک روٹی دکھا دی آپ بہت خفا ہوئیں اور ایک طمانچہ بیٹی کے مارا اور حکم دیا کہ "دوسری روٹی بھی دیدی جائے"۔ اور اس دن تمام دن فوجدار محمد خاں جن کی عمر چار پانچ برس کی تھی گرسنہ رہے۔ اس روایت کو نواب قدسیہ بیگم ہمیشہ بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا کرتی تھیں۔

نواب معز محمد خاں زینت بیگم کے بڑے بیٹے تھے اور اس محاصرہ میں ایک محافظ دستہ کے کمانڈر بھی تھے لیکن ان کو بھی دن دن بھر میں دو روٹیوں سے زیادہ نہیں دیتی تھیں بلکہ بعض مرتبہ ان کا حصہ بھی دوسروں کو دیدیا جاتا تھا اور یہ فاقہ سے رہ جاتے تھے خود بھی چار فاقے کرتیں اور جب کھاتیں تو وہ سدرمق سے زیادہ نہ ہوتا پیر دروازہ کی حفاظت نواب معز محمد خاں کے متعلق تھی۔ ایک دن محاصرہ فوج نے بڑا سخت حملہ کیا اور سارا زور اسی دروازہ اور اس کے قریب کے دروازہ (امامی) پر تھا نواب معز محمد خاں اپنے محل کے شاہ برج پر مدافعت میں مصروف تھے کہ ایک گولی برج کے کنگرہ پر سے اُچٹ کر

ان کے رخسارے پر لگی جس سے ایک ڈاڑھ ٹوٹ گئی وہ بیہوش ہو کر گر گئے۔ زینت بیگم فوراً دوپٹہ چہرہ پر ڈال کر برج پر پہونچیں وہاں دیکھا کہ تمام سپاہی پریشان ہیں اور ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں فوراً توپچی کو فیر کرنے کی تاکید کی اور خود اس کی مدد کے لئے بارود کی تھیلی اُٹھا کر دی اور سپاہیوں کو ڈانٹا اور مقابلہ اور مدافعت پر آمادہ کیا۔ نواب معز محمد خاں کو زخم کی بندش کے لئے محل میں بھیجا اور پوری کمانڈ اپنے ہاتھ میں لے لی اور کامل دو گھنٹہ تک فیر کراتی رہیں۔ جب نواب معز محمد خاں زخم کی بندش کر کے برج پر آگئے تو یہ محل میں واپس تشریف لائیں۔

خداوند کریم نے ان میں نیکی و رافت خاص طور پر ودیعت کی تھی ان کی ذاتی جاگیر کی آمدنی بائیس ہزار روپیہ سالانہ کے قریب تھی جو تمام غربا پر خرچ ہوتی تھی۔ زیب و زینت کا مطلق شوق نہ تھا گزی گاڑھا پہنتی تھیں۔ دسترخوان بہت وسیع تھا۔ ساٹھ ستر عورتیں دونوں وقت دسترخوان پر ہوتی تھیں، امیر و غریب کا درجہ مساوی تھا اور سب کے لئے یکساں کھانا پکتا تھا۔ دو دو تین تین گھنٹہ صبح شام دسترخوان بچھا رہتا تھا اور جب سب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو زینت بیگم دسترخوان سے اٹھتی تھیں۔ رفاہ عام کے کاموں کا بہت خیال تھا۔ بھوپال اور اسلام نگر کے مابین چار کنوئیں بنوائے اور ایک سرائے تعمیر کی جس میں ان کی زندگی بھر ہر صادر و وارد کو کھانا ملتا رہتا تھا۔ اگرچہ سابق بیگمات کی طرح امور ریاست میں دخیل نہ تھیں لیکن شوہر کے علاقہ ذات خاص کا جس کی آمدنی دو لاکھ روپیہ سالانہ سے زائد تھی منتظم تھیں۔

اس فرشتہ خصال خاتون کا ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ ہجری میں انتقال ہوا اور اپنی وصیت کے مطابق اپنے باغ میں جس کا نام ماجی کی باڑی ہے مدفون ہوئیں، ان کی اولاد میں دو بیٹے نواب معز محمد خاں و فوجدار محمد خاں اور ایک بیٹی نواب گوہر بیگم (قدسیہ بیگم) تھیں نواب گوہر بیگم اکثر ماں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ "میری ماں صورت کی پری اور سیرت کی حور تھیں اور اب وہ بہشت میں حوروں پر بادشاہت کر رہی ہیں"۔

موتی بیگم

نواب یار محمد خاں کی دختر[1] تھیں۔ اور نواب وزیر محمد خاں کے چچا مجید محمد خاں سے جو ریاست کے ایک رکن تھے ان کی شادی ہوئی تھی، لیکن بیوہ ہوگئی تھیں اور قلعۂ اسلام نگر میں سکونت رکھتی تھیں، نہایت دلیر اور باحوصلہ بیگم تھیں عصمت بیگم کے واقعہ شہادت کے چند مہینوں بعد سنہ ۱۲۱۱ ہجری میں مرید محمد خاں نے حسب ریاست کے خلاف سازش کی اور بالا راؤ سیندھیا کو بھوپال کے محاصرہ کی ترغیب دیکر قلعے کے قریب بُلا لیا تو اوس نے یہ شرط کی کہ اگر تم مجھ کو پہلے کسی قلعہ پر قبضہ کرادو تو میں مدد کروں گا۔ مرید محمد خاں نے قلعہ اسلام نگر کا وعدہ کیا اور فوج کے ساتھ اوس کے محاصرہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

قادر خاں قلعدار نے موتی بیگم کو اس حملہ کی اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حکم دیا کہ مقابلہ کیا جائے۔ توپیں سر ہونا شروع ہوئیں اور اس قدر سختی کے ساتھ مقابلہ ہوا کہ اوسی دن بالا راؤ اور مرید محمد خاں نے شکست کھائی۔

سر جان مالکم اپنی کتاب مائرس آف سنٹرل انڈیا میں لکھتے ہیں کہ:-

"مرید محمد خاں نے اپنے معاونین کو اسلام نگر کا قلعہ دیدیا لیکن جو کچھ وزیر نے خوف سے دیا تھا اُسے ایک افغان بیوہ مسمیٰ موتی بی بی نے بچا لیا تھا"

---

[1] شمار و سلسلہ واقعات کے لحاظ سے موتی بیگم کا تذکرہ زینت بیگم سے پہلے آنا چاہئے تھا لیکن چونکہ فتح بی بی سے زینت بیگم تک خانداں کی بہوئیں اور موتی بیگم سے علیا حضرت سرکار عالیہ تک خاندان کی بیٹیاں ہیں اس لئے زینت بیگم کا تذکرہ مقدم اور موتی بیگم کا مؤخر رکھا ہے تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔

مرہٹوں نے جس وقت دروازہ بند کرکے فیر کرنا شروع کئے تو اوس نے کہا میں نہیں جانتی کہ کس کے حکم سے مرید محمد خاں نے بھوپال کا قلعہ دیدیا۔ میں ہرگز اپنے قیام کی جگہہ کسی اجنبی شخص کو قدم رکھنے کی اجازت نہ دوں گی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالی دماغ عورت کے خیال سے تمام بھوپال کی فوج جھک پڑی کیونکہ تمام مرہٹہ فوج مجبور ہوکر واپس گئی"

میجر ولیم ہیوگ نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ :۔

"سیندھیا کا علم بھوپال اور قلعہ فتح گڑھ پر لہرا رہا تھا اور اس دیوان نے مرہٹوں سے اسلام نگر کا قلعہ دیدینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس وعدہ کو ایک بیوہ افغان عورت نے جس کا نام موتی بی بی تھا پورا نہ ہونے دیا جب مرہٹے داخل ہو رہے تھے اوس نے دروازہ بند کردیئے اور اور توپوں کے منہ کھولدینے کا حکم دیا اور کہنے لگی کہ مرید خاں نے کس کے حکم سے قلعہ کی حفاظت ترک کی اور جہاں وہ رہتی ہے وہاں کسی غیر کو داخل نہ ہونے دیگی، قلعہ کی فوج نے اس شریف عورت کے ارادہ کی پوری تائید کی اور مرہٹے واپس ہونے پر مجبور ہوے"

افسوس ہے کہ موتی بیگم کے اور حالات زندگی معلوم نہ ہوسکے حتےٰ کہ ان کا سنہ وفات بھی معلوم نہ ہوا

نواب گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ

یہ بیگم نواب **غوث محمد خاں** بہادر کی لڑکی تھیں، ان کی ولادت ۹ رجب ۱۲۱۶ھ ۱۷۹۹ء کو ہوئی، اور ۱۵ برس کی عمر میں نواب **نظر محمد خاں** بہادر کے ساتھ شادی ہوئی۔

ان کے تعلیمی حالات کا ریاست کے کاغذات میں کوئی تذکرہ نہیں لیکن اسی زمانہ کے ایک مورخ کی قابل وثوق شہادت ملی ہے کہ اون کی اچھی خاصی تعلیم تھی۔

میجر ہیوگ جو افواج بنگال کے افسر تھے اپنی کتاب تاریخ بھوپال میں جو جنوری ۱۸۴۴ء میں ختم ہوئی اور جس کو انھوں نے نہایت تحقیق سے مرتب کیا ہے اس میں وہ نواب **قدسیہ بیگم** کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :-

> "بیگم کی عمر اس وقت ۱۸ یا ۱۹ سال کی ہوگی لیکن ان کی تعلیم نہایت باقاعدہ ہوئی تھی اور قدر اعلیٰ دماغ پایا تھا کہ تھوڑے عرصہ میں ریاست کے کام سنبھالنے اور تمام امور کو خود انجام دینے کے قابل ہوگئیں"

شادی سے ۱۹ ماہ بعد ان کے ایک صاحبزادی (نواب سکندر بیگم) تولد ہوئیں۔ اور دو برس نو مہینے بعد ۱۷ سال کی عمر میں اون کو صدمۂ بیوگی برداشت کرنا پڑا۔ یہ اپنے خاوند کی وصیت وار اکین ریاست کی رائے کے مطابق مختار ریاست قرار دی گئیں اور تمام مقدمات مالی وملکی میں ان کا حکم واجب العمل قرار دیا گیا۔ نواب **نظر محمد خاں** کی یہ وصیت تھی کہ :-

> "میری بیٹی سن شعور کو پہونچیں تو اون کی شادی ہمارے اقربا میں سے جو اون کا ہمسر ہو کردی جائے اور اون کا شوہر نواب بھوپال کہلائے"

اس لحاظ سے **میجر ہینلے** پولیٹکل ایجنٹ کے زور دینے پر نواب **سکندر بیگم** کی نسبت اون کے ابن عم **منیر محمد خاں** سے کی گئی جن کی عمر اوسوقت تیرہ چودہ سال کی تھی۔ خاندانی تعلقات کی پیچیدگیوں

اور حکمرانی کی خواہش نے منیر محمد خاں اور اون کے باپ کو اس امر پرآمادہ کیا کہ ریاست پر خودمختارانہ قبضہ حاصل کریں اور ان ہی وجوہ کے باعث خانہ جنگیاں ہوئیں اور بلدہ بھوپال میں فصیل کے اندر کشت وخون ہوا اور گولہ باری کی نوبت پہنچی۔ حتیٰ کہ چار پانچ دن تک برابر شدید جنگ جاری رہی۔ نواب قدسیہ بیگم کی فوج فتحیاب اور منیر محمد خاں کو ہزیمت ہوئی۔ منیر محمد خاں گرفتار کر لئے گئے اور اون سے نسبت فسخ کر دی گئی اور بعد چند روز کے منیر محمد خاں کے چھوٹے بھائی نواب جہانگیر محمد خاں سے نسبت قرار پائی آیندہ کے لئے عہود و مواثیق ہو گئے اور یہ طے پایا گیا کہ اون کو اونیس یا بیس سال کی عمر میں اختیارات دیے جائیں گے۔ نواب جہانگیر محمد خاں اور نواب سکندر بیگم کی تعلیم کا انتظام کیا لیکن بمقابلہ نواب جہانگیر محمد خاں کے نواب سکندر بیگم تعلیم کی طرف زیادہ متوجہ رہتی تھیں۔ اون کا باقاعدہ دربار ہوتا تھا اور وہ ریاست کے خاص خاص کاغذات پر دستخط بھی کیا کرتی تھیں۔ چند سال کے بعد نواب جہانگیر محمد خاں کے دل میں بھی خودمختارانہ حکومت کا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے کوشش کی کہ جس طرح ممکن ہو اختیارات ریاست حاصل کر لئے جائیں۔ اور بالآخر خانہ جنگی کی نوبت پہونچی۔ ایجنسی، رزیڈنسی اور گورنمنٹ آف انڈیا کو دست اندازی کرنی پڑی اوس زمانہ کے پولیٹکل ایجنٹ مسٹر ولکنسن نواب جہانگیر محمد خاں کے طرفدار تھے اور نواب قدسیہ بیگم کے ساتھ اون کا برتاؤ غیر ہمدردانہ تھا۔ اس زمانہ میں نواب جہانگیر محمد خاں کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔

چونکہ حکومت ریاست کا حصول نواب سکندر بیگم کی شادی پر منحصر تھا اس لئے شادی کی بھی عجلت تھی اور عجلت میں اس قدر اصرار تھا کہ جس نے انتہائی ضد کی صورت اختیار کر لی تھی پولیٹکل ایجنٹ خود بھوپال میں مقیم تھے اور اُنھوں نے ایک دن صاف صاف لکھدیا کہ:۔

"آج نکاح کر دیجئے اور شادی کی رسمیں بعد کو ہوتی رہیں گی، اور جب تک نقارۂ شادی کی صدائیں اپنے کانوں سے نہ سُن لوں گا سیہور نہیں جاؤں گا یہی قیام رکھوں گا"

پولیٹکل ایجنٹ کی ایسی تحریر کے موصول ہونے کے بعد جو ریاستوں میں تاج برطانیہ کے ساتھ بغاوت یا قطع تعلقات کا صریح طور پر ایک قسم کا اعلان سمجھا جاتا ہے کیونکر ممکن تھا کہ فوراً شادی نہ ہو جاتی چنانچہ

اسی دن انتظام ہوا اور ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ کو شادی ہوگئی۔ عقد سے قبل نواب جہانگیر محمد خاں نے اطاعت و وفاداری کا اقرار نامہ بھی لکھا تھا اور مصالحت بھی ہوگئی تھی لیکن چند ہی دن کے بعد دونوں بیگمات کے قتل کی سازشیں شروع ہوئیں اور اگر عین وقت پر ان سازشوں کا انکشاف نہ ہو جاتا تو ان کے کامیاب ہونے میں کوئی کسر نہ رہی تھی فوراً ان کا انسداد کر دیا گیا اور ان دونوں کی جانیں سلامت بچ گئیں۔ غرض ایک عرصہ تک ایسے ہی فسادوں اور خانہ جنگیوں کا سلسلہ قائم رہا اور ایک مرتبہ تو ۱۸۳۷ء میں بمقام آشٹہ باقاعدہ جنگ کی نوبت پہنچی جس وقت نواب جہانگیر محمد خاں کی ہزیمت کا وقت قریب تھا پولیٹکل ایجنٹ نے دست اندازی کی اور انجام کار نواب جہانگیر محمد خاں کو اختیارات ریاست تفویض کئے گئے اور نواب قدسیہ بیگم کے لئے چار لاکھ کی جاگیر ریاست سے علحدہ کر لی گئی۔

یہ واقعات اگرچہ سرتاپا جنگ و جدل سے مملو ہیں تاہم بہت دلچسپ ہیں اور ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نازک سے نازک اوقات میں بھی ایک عورت کی خودداری اور فراست و ذہانت کیسی کیسی عجیب صورتوں میں نمایاں اور جلوہ گر ہوتی ہے۔

اگر ایجنسی رزیڈنسی اور گورنمنٹ آف انڈیا کی بار بار مداخلت نہ ہوتی اور نواب قدسیہ بیگم کے ساتھ پولیٹکل ایجنٹ کا ذرا بھی ہمدردانہ رویہ ہوتا اور ان کو قطع تعلقات کی دھمکیاں نہ دی جاتیں تو نواب قدسیہ بیگم خاطر خواہ کامیابی حاصل کرتیں اور ان تمام فسادات و نزاعات کا سدباب کر دیتیں۔

ان واقعات جنگ و جدل میں نواب قدسیہ بیگم کے سپاہیانہ استقلال اور فطری خودداری و دلیری کو بھی بہت بڑا دخل رہا ہے۔ جب کہ آشٹہ کے مقام پر فوج روانہ ہونے والی تھی تو ان کے ایک مخالف کا (نواب اسد علی خاں رئیس باسودہ جو جہانگیر محمد خاں کے طرفدار اور ساتھیوں میں تھے) بیان ہے کہ بیگم صاحبہ بالکل تیار ہو گئی تھیں کہ اپنی فوج کی خود کمانڈ کریں۔ راجہ صاحب (خوشوقت رائے دیوان ریاست) نے بڑی مشکل سے اس ارادہ سے باز رکھا، اس واقعہ کے ساتھ ان واقعات کو ملا کر پڑھنا چاہیئے کہ باوجودیکہ نواب جہانگیر محمد خاں خود میدان جنگ میں اپنی فوج کو لڑا رہے تھے مگر نواب قدسیہ بیگم کی طرف سے راجہ خوشوقت رائے کو

یہی تاکید تھی کہ نواب جہانگیر محمد خاں کو کوئی گزند نہ پہونچنے پائے۔ اور جب اس سے پہلے منیر محمد خاں نے بلدہ میں بغاوت کی تھی اور وہ رسد کے نہ ملنے سے عاجز ہو گئے تھے تو محصورین نے غلہ و پانی کے لئے عاجزی کے ساتھ استدعا کی تھی تو نواب **قدسیہ بیگم** نے خود دشمنوں کے لئے رسد کا انتظام کیا تھا۔ اور جب محصورین نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا تو صرف اون کو یہی سزا دی کہ وہ خارج البلد کئے گئے۔ نواب منیر محمد خاں جب ایک شکست خوردہ دشمن کی طرح سامنے حاضر ہوئے تو اون کو صرف شہر سے خارج کیا اور کوئی دوسری سزا نہیں دی۔

ایک حصہ فوج جس نے اسلام نگر پر چڑھائی کی تھی ترحم کی درخواست لیکر حاضر ہوا تو نہ صرف اس پر رحم کیا گیا بلکہ اوس کو وہ تنخواہ بھی عطا کی گئی جو نواب منیر محمد خاں کے ذمہ واجب الادا تھی

درحقیقت نواب **قدسیہ بیگم** جس طرح عورتوں کے جذبات دلیری اور استقلال کی مظہر کاملہ تھیں اسیطرح عفو و کرم اور فیاضانہ ترحم کا بھی ایک پیکر تھیں۔

ان کی ماں زینت بیگم کے انتقال کے بعد ان کے والد نواب **غوث محمد خاں** نے **قدسیہ** کا مقدس خطاب ان کو عطا کیا تھا کیونکہ خاندان میں سب سے بزرگ اور تمام اون اعلیٰ صفات سے جو اس خطاب کا مستحق بناتی ہیں متصف تھیں۔

تفویض ریاست کے بعد بھی نواب **قدسیہ بیگم** کو راحت حاصل نہ ہوئی۔ اب جنگ و جدل کا تو کوئی موقع نہ رہا تھا لیکن سازشوں کا بازار خوب گرم تھا۔ نواب **قدسیہ بیگم** اس فیصلہ کو صریح ناانصافی سمجھتی تھیں اور انھوں نے ایک مرتبہ پھر اس کے خلاف کوشش کی ان تمام واقعات میں نواب **سکندر بیگم** اپنی ماں کے شریک تھیں بلکہ دراصل یہ واقعات اونہیں کے استحقاق کو مضبوط اور قائم رکھنے کے لئے رونما ہوئے تھے۔

بہرحال یہ کوشش بھی ناکام رہی اور پھر اونھوں نے تقسیم ریاست کی کوشش کی لیکن ریاست بھوپال کی خوش قسمتی تھی کہ یہ کوشش غیر مشکور ہوئی اور بہت اچھا ہوا کیونکہ ایک ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کرنا کسی طرح قرین مصلحت نہ تھا۔ نواب قدسیہ بیگم نے غالباً یہ درخواست

انتہائی مایوسی کے بعد دی ہوگی۔ اون کی دلی خواہش اور تمنا یہی تھی کہ نواب سکندر بیگم تخت حکومت پر متمکن ہوں اور یہ خواہش اون کی یقیناً حق بجانب تھی اور اسی بنا پر اُنھوں نے ابتدا سے ان تمام تکلیف دہ واقعات میں اپنی زندگی کو ڈال کر ہلاکت انگیز خطرات کا مقابلہ کیا تھا، حتیٰ کہ اونکو بھوپال کی سکونت بھی ترک کرنی پڑی تھی اور اسلام نگر میں قیام کرنے پر مجبور ہوئی تھیں۔

نواب جہانگیر محمد خاں صرف چھ سال مسند آرائے ریاست رہے اور جب اون کا انتقال ہوا تو کچھ عرصے کے بعد نواب سکندر بیگم کے ہاتھوں میں بھوپال کی قسمت سپرد ہوئی اور اس طرح نواب قدسیہ بیگم کی وہ آرزو جس پر ستائیس سال کا مایوسی انگیز زمانہ گذرا تھا پوری ہوئی اونھوں نے غدر کا زمانہ بھی دیکھا اور اپنی جاگیر کی فوج سے گورنمنٹ کو مدد دی تھی، جبلپور، الہ آباد کے مشہور درباروں میں جو غدر کے بعد منعقد ہوے تھے خود نواب سکندر بیگم کے ساتھ شریک ہوئیں اور جبلپور میں ان کو خلعت بھی ملا تھا، اونھوں نے حج بھی کیا اور چار ماہ تک اون کا قیام مکہ معظمہ میں رہا تھا، راستہ کی بدامنی کے باعث مدینہ طیبہ نہ جاسکیں جس کا آخری زندگی تک اون کو قلق تھا۔ ایک مرتبہ قصد بھی کیا لیکن ضعیف العمری اور اضمحلال قویٰ کے باعث وہ تکالیف سفر کی متحمل نہ ہوسکیں۔

وہ جب تک مختار ریاست رہیں ریاست کی حالت بہت اچھی اور ترقی پر تھی اونھوں نے فیاضانہ طریقہ پر خیرخواہ اور مستحق اشخاص کو جاگیریں مرحمت فرمائیں، اون کے حسن انتظام کے متعلق میجر ہیوگ لکھتے ہیں کہ:۔

"بیگم نے آرزو کے ساتھ دربار میں کام شروع کردیا تھا۔ خوشوقت رائے کو عارضی وزیر بنایا گیا اور نواب کے ہاتھ سے اونہیں خلعت تلوار اور "راجہ بہادر" کا خطاب ملا بیگم کے متعلق مشہور ہے کہ قرض سے اونہیں نفرت تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اونکی میں جواہرات دینا پڑیں۔ وہ ذاتی ایثار کیا کرتی تھیں اپنی فوج اور دوستوں پر فیاض تھیں اور ایسے ملازموں کے لئے جو بے ایمانی یا ظلم کو روا رکھیں نہایت

سخت منصف تھیں ایسے افسروں کے انتخاب میں جن کے ہاتھ میں انصاف
پامال کے محکمہ ہوتے بڑی احتیاط سے کام لیتیں اور بلاشبہ اپنے صحیح انتخاب
کی وجہ سے ان کو اور ان کے مقاصد کو کامیابی نصیب ہوئی ۔"

تفویض ریاست کے بعد اپنی جاگیر کا انتظام بھی ایسی ہی اچھی طرح کیا لیکن ان تمام انتظامات میں بمقابلہ سیاست کے ترحم اور فیاضی کو زیادہ دخل تھا تمام انتظامات اور دفاتر باقاعدہ تھے اور ان کو حدود جاگیر میں پورے عدالتی اختیارات حاصل تھے ۔

جاگیر کی کل آمدنی میں سے وہ اپنی ذات پر صرف ایک موضع کی آمدنی صرف کرتی تھیں جسکو اون کے جہیز کے وقت اون کے والد نواب **غوث محمد خاں** بہادر نے دیا تھا۔ باقی آمدنی اعزا و غربا اور ملازمان جاگیر پر صرف ہوتی تھی، خیر و خیرات کا اس میں بہت بڑا حصہ تھا اور ایسا مستقل صرفہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ سالانہ سے زیادہ تھا، یہ خیر خیرات اس مستقل تکدسہ سے بہت زیادہ متجاوز ہو جاتی تھی، ان کے مطبخ کا صرفہ جس قدر تھا اسمیں بھی بڑا حصہ غربا ہی کے لئے تھا۔ ملازموں میں بھی بہت بڑا حصہ ایسا تھا جو بلا ضرورت تھا اور محض پرورش کے لئے نوکر رکھ لئے گئے تھے، جیب خاص کے اصراف کا تو کچھ جداگانہ ہی خرچ تھا اور یہ روپیہ زیادہ تر مخفی طور پر وہ دیا کرتی تھیں اور ان کے محل کا دروازہ ہمیشہ غربا کے لئے کھلا رہتا تھا، وہ اپنے میانہ میں سوار ہو کر یکایک کسی غریب کے گھر پہونچ جاتی تھیں اور پھر اوس کو مالامال کر کے واپس آتی تھیں۔ شب کے وقت اکثر دکھیاری بیوائیں محل میں آتیں اور دکھ درد سے نجات پاکر واپس جاتیں کیونکہ یہ بیگم وطن دوست اور دیندار بیگم تھیں اون کی فیاضی کا تمام تر مرکز اپنا وطن اور حرمین شریفین اور اہل عرب تھے ۔

حرمین شریفین میں طرح طرح سے ان کی فیاضی ظاہر ہوتی تھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ان کی رباطیں ابھی تک موجود ہیں اور ان رباطوں میں وہ ہمیشہ نہایت فیاضی

اٹھنے کے اٹھی تھیں بباعث کمزوری گر پڑیں کولے اور بازو میں چوٹ آئی ۔"

محل میں ایک حجرہ تھا جس میں سنگریزوں پر اکثر عبادت کیا کرتی تھیں بایں ہمہ وہ ایک نہایت زندہ دل خاتون تھیں نغمہ و سرود سے بھی دلچسپی تھی اور خود بھی گانا جانتی تھیں۔ ابتداً وہ پردہ میں رہتی تھیں لیکن مختار ریاست ہونے کے بعد جو حالات کہ پیدا ہو گئے تھے اون کے لحاظ سے ۴۳ سال کی عمر میں اپنے اعزا اور اہل ریاست سے مشورہ لیکر پردہ ترک کر دیا تھا۔ ۱۸۷۶ء میں ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ نے ان کو **کرون آف انڈیا** کا خطاب مرحمت کیا اور اپنی نیکی کے باعث وہ اپنے خاندانی خطاب **قدسیہ** کی بھی وارث ہوئیں یہ خطاب قدسیہ بجائے خود ان کا نام ہو گیا۔ یہاں تک کہ بجائے گوہر بیگم کے وہ قدسیہ بیگم کے نام سے مشہور ہیں۔ ۲۴ محرم ۱۲۹۹ھ = ۱۷ دسمبر ۱۸۸۱ء ساڑھے سات بجے رات کو اس عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ ان کا مزار اپنے شوہر کے باغ میں ہے گنبد اگرچہ سنگین ہے لیکن انکی وصیت کے مطابق قبر بالکل کچی ہے اور مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔

نواب قدسیہ بیگم معمولی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ اونہوں نے نہ علما و فضلا سے تعلیم حاصل کی تھی اور نہ روشن خیال فلسفیوں کے سامنے تہذیب و اخلاق کا درس حاصل کیا تھا مگر ان میں ایک انسان کامل کے اوصاف پورے طور پر موجود تھے۔ یہ دراصل فطرت الٰہی کا عطیہ تھا جس کو خاندانی روایات اور مذہبی تربیت نے مجلا کر دیا تھا۔ ان کی تعمیر کردہ عمارتوں میں وسط شہر میں ایک **جامع مسجد** ہے جو نہایت سنگین پختہ اور مضبوط ہے اور سرخ پتھر کے چبوترہ پر تعمیر کی گئی ہے جس میں کھم اور محرابیں ہیں۔ اوسکی عمارت نہایت اچھی ہے اور سادہ طور پر بنائی گئی ہے اس پر ایک زبردست گنبد ہے جس کے گرد دو چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں، ہر مینار پر مطلا کلس ہیں۔ اس کے سر بہ فلک کشیدہ مینار سے چاروں طرف کے مسافروں کو کئی میل سے نظر آتے ہیں۔ اس مسجد میں پانچ لاکھ ۶۰ ہزار پانچسو ایک روپئے دو آنے ۹ پائی صرف ہوا ۱۲۵۳ھ میں اس کا آغاز ہوا، ۱۲۷۳ھ میں یہ تکمیل ہوئی

نواب سکندر بیگم

سنہ ۱۲۳۳ھ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، ہنوز عالم شیر خواری ہی میں تھیں کہ نامور باپ نے انتقال کیا، اور یتیم ہوگئیں۔ اپنی مدبرا ورشفیق ماں (قدسیہ بیگم) کی آغوش عاطفت میں تربیت اور اوس زمانہ کے مشہور علما اور باکمال اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور فنون سپہ گری سیکھے ملکداری کی تربیت و تعلیم اپنی ماں کے معتمد وزرا حکیم شہزاد مسیح، میاں کرم محمد خاں اور راجہ خوشوقت رائے کی نگرانی میں حاصل کی۔ ابتداءً پردہ میں رہتی تھیں لیکن جب ماں نے پردہ توڑا تو ان کو بھی ترک پردہ پر مجبور کیا۔

یہ اپنے باپ کی وصیت کی رو سے جو اوس زمانہ کے اقتضاے حالات کی بنا پر تھی یا اوس عقیدہ کی بنا پر کہ عورت کا وجود انتظام ملک میں کوئی اثر نہیں رکھتا اپنے موروثی حق حکومت سے محروم کردی گئی تھیں، اور یہ طے ہوا تھا کہ بجاے اون کے اون کا شوہر حکمراں ریاست ہو۔

عالم شیر خوارگی ہی میں ان کے ابن عم نواب منیر محمد خاں سے ان کی نسبت کردی گئی تھی جو ایک عرصہ کے بعد فسخ ہوگئی، اس انفساخ کے بعد نواب جہانگیر محمد خاں سے نسبت قرار پائی اور بالآخر انہیں کے ساتھ عقد ہوا۔

عقد کے زمانہ تک نواب سکندر بیگم تعلیم و تربیت حاصل کر چکی تھیں ان کی غیر معمولی ذہانت اور خداداد قابلیت کے جوہر نمایاں ہونے لگے تھے، ان کو اپنے حق کا احساس تھا اور وہ سمجھتی تھیں کہ میں اس مسند حکومت کی وارث اور مملکت بھوپال کی حقدار ہوں وہ اس شرط کو کہ اون کا شوہر حکمراں ہو اپنے حق میں انصاف و عدل کے خلاف سمجھتی تھیں۔ اون کے دل میں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جذبات کا ایک دریا موجزن تھا اور ان جذبات کو شفیق و مقدس ماں کی

تائید سے ہمیشہ قوت پہنچتی رہتی تھی ۔ دراصل حق طلبی انسان کا ایک نہایت شریف جذبہ ہے اور پھر ایسی حالت میں کہ اُسی حق سے کسی ملک کی سرسبزی وخوش حالی اور بندگان خدا کی قسمتوں کا فیصلہ تعلق رکھتا ہو ۔ اسی کے ساتھ نواب سکندر بیگم کو اس امر کا بھی تیقن تھا کہ ان ازدواج اور دست برداری حقوق سے اون کی آیندہ زندگی راحت و آسائش میں بسر ہوگی کیونکہ مزاجوں کے تباین خاندانی حالات اور خاندانی پیچیدگیوں نے ایک ایسی خلیج حائل کردی تھی جو کسی طریقہ سے عبور نہیں کی جاسکتی تھی ۔

عقد سے پہلے ہی اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوے تھے جنہوں نے مستقبل کا خطرناک منظر آنکھوں کے سامنے پیش کردیا تھا ۔ تاہم ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ کو اون کا عقد نواب جہانگیر محمد خاں کے ساتھ ہوا اوس کے بعد عقد سے پہلے جو پریشان خواب دیکھے گئے تھے ان کی تعبیر نکلنے لگی اور جو خطرات ذہن و دماغ میں تھے وہ واقعات کی صورت میں ظہور پذیر ہونے لگے قتل کی سازشیں ہوئیں ، خانہ جنگیوں اور معرکہ آرائیوں تک نوبت پہونچی ، ایجنسی ، رزیڈنسی ، اور گورنمنٹ آف انڈیا کو بھی ان معاملات میں زحمت برداشت کرنے اور دخل دینے کی ضرورت پڑی ۔ نواب جہانگیر محمد خاں گورنمنٹ کے فیصلہ اور اعانت سے مسندنشین ریاست ہوے ۔ زن وشوہر میں باہمی صلح وصفائی کرادی گئی اور نواب سکندر بیگم کا قیام شوہر کے محل میں رہنے لگا لیکن اب پردہ میں رہنے پر اصرار ہوا وہ بھی منظور کیا گیا ۔

یہاں یہ واقعہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ نواب نظر محمد خاں کے انتقال کے بعد جب منیر محمد خاں کے ساتھ نسبت ہوئی ہے تو نواب قدسیہ بیگم اس کے خلاف تھیں ، اور خاندان شوہری کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہ تھے ، انھوں نے ارکان ریاست کی راے سے مجبور ہو کر منظوری دی تھی ، یہ بھی ایک بڑی وجہ اس رنج وعداوت کی تھی ، ان حالات میں نواب سکندر بیگم اپنے شوہر کے یہاں محل میں رہتی تھیں اور وہ صاحب اولاد بننے والی تھیں کہ پنجشنبہ دوم ماہ صفر ۱۲۵۳ھ کو نواب جہانگیر محمد خاں نے جب کہ وہ حالت خواب میں تھیں

ہاتھ پر تلوار ماری خدا کا فضل شامل حال تھا کہ وار پورا نہ پڑا، نواب سکندر بیگم نے نہایت ضبط واستقلال سے کام لیا، اور نواب جہانگیر محمد خاں وار کرنے کے بعد ہی محل سے باہر چلے گئے نواب سکندر بیگم اُسی حالت خون چکاں میں سوار ہو کر اپنی والدہ کے پاس چلی آئیں اور ماں اور بیٹی دونوں نے شہر کی سکونت ترک کر کے قلعہ اسلام نگر میں اقامت اختیار کی ایک ماہ میں غسل صحت ہوا۔ اور ۶ رجمادی الاول ۱۲۵۴ھ کو نواب شاہجہاں بیگم کی ولادت ہوئی اور پھر نواب جہانگیر محمد خاں کے آخری لمحہ تک نواب سکندر بیگم ماں ہی کے پاس مقیم رہیں۔ یہاں تک ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۶۰ھ کو ۲۶ برس کی عمر میں نواب جہانگیر محمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے قبل نواب صاحب نے ایک وصیت نامہ کی روسے اپنے لڑکے دستگیر محمد خاں کو جو حرم سے تھے اپنا جانشین بنایا تھا لیکن اس وصیت نامہ پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور نواب شاہجہاں بیگم اون کی وارث جائز قرار پائیں اون کی جانشینی کے وقت بھی وہی شرط قائم رکھی گئی جو نواب سکندر بیگم کی جانشینی کے وقت تھی یعنی ان کے بعد اون کے شوہر کو حکومت تفویض کیجائیگی۔ چونکہ نواب شاہجہاں بیگم بالکل بچی تھیں اس لئے نواب فوجدار محمد خاں جو نواب سکندر بیگم کے ماموں اور نواب غوث محمد خاں کے لڑکے تھے مختار ریاست کئے گئے اور نواب شاہجہاں بیگم کی تربیت وتعلیم نواب سکندر بیگم کے متعلق کی گئی، مختار ریاست ایک نیک اور تیز فہم آدمی تھے اونھوں نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی کچھ اس قسم کی کارروائیاں کیں جن سے قدیم ملازمان ریاست میں بد دلی پیدا ہو گئی اور انتزاع ریاست کا بھی خطرہ ہو گیا۔ نواب سکندر بیگم اس فیصلہ پر رضا مند نہ ہوئیں وہ ریاست کی سلامتی کے لئے خود مختار ریاست ہونا چاہتی تھیں اور اپنے ان دعاوی کے متعلق نہایت پرزور براہین ودلائل کو عجب حیرت انگیز طریق کے ساتھ استعمال کرتی تھیں، اوس زمانہ میں ایک مشہور انگریزی اخبار نے لکھا تھا کہ:-

”نواب سکندر بیگم عوام وخواص کے سامنے اپنے استحقاق کو عقل سلیم کے ساتھ دلیلوں اور حجتوں سے ثابت کرتی ہیں ایسے بہت کم آدمی ہوں گے جو اون کی طرح سے خوبی دلائل

کے ساتھ اپنے دلائل کو ثابت کر سکتے ہیں۔

نواب سکندر بیگم نے فوجدار محمد خاں کے مقابلہ میں ایجنسی سے لیکر گورنر جنرل کے دربار تک صدائے احتجاج بلند کی اور نہ صرف بہ استحقاق خاندان و نسل بلکہ بربنائے قابلیت بھی اپنے حقوق ثابت کیے جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ انتظام ریاست میں دخیل ہو گئیں اور مختار ریاست کے اختیارات کے متعلق ایک دستور العمل قرار دیدیا گیا مگر نواب سکندر بیگم کا احتجاج برابر قائم تھا اور وہ بلا شرکت غیر مختار ریاست بنا چاہتی تھیں اسی زمانہ میں نواب نظر محمد خاں کے بھائی امیر محمد خاں نے ریاست سے بغاوت کی سیہور کی سپاہ کنٹنجنٹ اور فوج بھوپال نے کیننگھم صاحب پولیٹکل ایجنٹ کی ماتحتی میں تنبیہ کی اور یہ تنبیہی مہم کامیاب ہوئی اب کیننگھم صاحب کو نواب سکندر بیگم کی قابلیتوں کا خاص تجربہ ہو گیا اور انہوں نے بھی نواب گورنر جنرل کو اون کے مختار ریاست ہونے پر توجہ دلائی، انجام کار فوجدار محمد خاں سے استعفا لیا گیا اور نواب سکندر بیگم مختار ریاست کی گئیں، ۱۵ محرم سنہ ۱۲۶۳ھ کو نواب سکندر بیگم مختار ریاست اور نواب شاہجہاں بیگم کی مسند نشین ریاست کی رسمیں ادا ہوئیں اس پر شعرا نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ قصائد پیش کیے۔

اب نواب سکندر بیگم کو اپنی قابلیت، بیدار مغزی، اور فرمانروائی کے مخصوص اوصاف کو نمایاں کرنے کا موقع ہاتھ آیا، اُنھوں نے شب و روز بہ نفس نفیس محنت شاقہ برداشت کی۔ انتظام مالی و ملکی پر توجہ فرمائی اور سب سے پہلے اوس قرض کے ادا کرنے کی کوشش کی جو نواب جہانگیر محمد خاں اور فوجدار محمد خاں کے زمانہ میں ریاست پر ہو گیا تھا جس کی مقدار ۲۴ لاکھ کے قریب قریب تھی اور جس پر سود کا بار تھا ملک کے مختلف حصے جو سرسبز و زرخیز تھے مہاجنوں کے پاس مکفول تھے اس زمانہ میں ریاست کی آمدنی کل گیارہ لاکھ سالانہ تھی۔

تمام ملازمین ریاست اور فوج کی حاضری لی۔ فوج کی جو تنخواہ چڑھی ہوئی تھی وہ بھی رفتہ رفتہ ادا کی اور تمام ملازمین کے مشاہرات ادا کرنے کا انتظام کیا۔

فوج کی تربیت اور قواعد جنگ کی تعلیم اور توپ خانہ کی درستی و تنظیم کے متعلق خاص توجہ کی

پولیس کو باقاعدہ بنایا۔ زراعت پیشہ رعایا کو سودخواروں کے ہاتھوں سے نجات دی، شہر کی آرائش کی طرف توجہہ کی اور عالی شان عمارات بنائیں۔ مُلک کی جغرافی تقسیم کر کے عہدہ داروں کے مستقر معین کئے نوسال کے عرصہ میں دس مرتبہ ملک کا دورہ کر کے ہر ایک پرگنہ کی ہر حالت بچشم خود ملاحظہ کی۔ تمام ضروری قوانین نافذ فرمائے اور عدالتیں قائم کیں، ملک کی پیمائش کر کے بند و بست کیا اور مالگذاری کے قواعد مقرر کئے، عام تعلیم کے لئے پرگنوں میں اردو، ہندی کے مدرسے قائم کئے، شہر خاص میں عربی فارسی، انگریزی، اور دستکاری و صنعتی تعلیم کے مدرسے جاری کئے، رفاہ عام کے کاموں سے اون کو بہت دلچسپی تھی، سب سے پہلے اُنھوں نے ہی ریاست میں مدارس اور شفاخانے جاری کئے اور بیرون ریاست بھی امداد دینے کا سلسلہ قائم کیا۔

۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں جب غدر کا نائرہ مشتعل ہوا تو انھوں نے نہایت دلیری اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے ملک کو اوس کے اثرات سے محفوظ رکھا اور انگریزوں کو نہایت خلوص اور جوش کے ساتھ پوری مدد دی اوس وقت رزیڈنسی اندور سے چھاؤنی سیہور تک نواب سکندر بیگم کی امداد رزیڈنٹ اور پولیٹکل ایجنٹ اور دوسرے انگریزوں کے جانوں کی محافظ تھی۔

اس ہنگامہ میں نواب سکندر بیگم کو ہر روز ایک نئی مشکل کا سامنا تھا، کبھی کنٹنجنٹ کی فوج میں بے چینی ہوتی تھی اور کبھی بھوپال کی فوج میں نئے نئے مطالبات کئے جاتے تھے اور ہر آن طبیعتوں میں ہیجان پیدا ہوتا تھا، غرض اسباب اشتعال یکے بعد دیگرے نہایت جلد جلد رونما ہوتے تھے مگر نواب سکندر بیگم کی فراست و ذہانت ہمیشہ اون مشکلوں کو جس قدر وہ جلد پیدا ہوتی تھیں اوسی قدر جلد دور کر دیتی تھی۔ اسی کے ساتھ مختلف مقامات پر مہموں کا بھیجنا، انگریزی فوجوں کے لئے رسد وغیرہ کی فراہمی امن و امان کے انتظام کا انحصار صرف انہی کی بیدار مغزی پر تھا۔

غدر کے بعد جب سلطنت ہند **ملکہ معظمہ وکٹوریا** کی امپیریل حکومت سے متعلق ہوگئی تو نواب سکندر بیگم نے اپنے حقوق وراثت کے لئے پھر جد و جہد کی۔ وہ نواب **نظر محمد خاں** کی لڑکی تھیں اور اون کا حق تھا کہ اپنے باپ کے بعد مسند ریاست پر متمکن ہوں لیکن وہ محروم کر دی گئیں

اونھوں نے اور اون کی ماں نے اس حق کے ملنے کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا مگر ناکام ہوئیں
لیکن اس ناکامی نے ان کے حوصلوں اور ہمتوں کو پست نہیں کیا اور جب اون کے
شوہر کا انتقال ہوا تو وہ اگرچہ حقوق وراثت کو حاصل نہ کر سکیں تاہم مختار ریاست ہوکر رہیں
اب کہ ہندوستان کا براہ راست ملکہ معظمہ سے تعلق ہوا تو اون کے عزم و حوصلہ کو اور
بھی تقویت ہوئی ایک طرف اُنھوں نے اپنے آپ کو عورت کے قالب میں ملک داری کا
بہترین نمونہ بناکر پیش کیا، پھر نازک اوقات میں اپنے استقلال کو عورتوں کے استقلال کی
بہترین مثال بناکر دکھلایا۔ ادھر ملکہ معظمہ کی ذات شاہانہ خود ایک وجود نسوانی تھی ان
حالات میں نواب سکندر بیگم نے اپنے استحقاق جانشینی کے متعلق پُرزور اور مدلل طریقوں سے
بحث کی اور بالآخر وہ کامیاب ہوئین۔ اور ۹ شوال ۱۲۷۶ھ کو فرمان روائے بھوپال
قرار دی گئیں اور اس طرح ۴۳ سال کی عمر میں ۱۳ سال مختار ریاست رہنے کے بعد اپنے
باپ کی جانشین ہوگئیں۔

اونھوں نے اپنی صاحبزادی نواب شاہجہاں بیگم کے عقد سے پہلے اس امر کو بھی طے
کرلیا تھا کہ نواب شاہجہاں بیگم کے شوہر کو اختیارات حکومت تفویض نہ ہوں گے بلکہ خود نواب
شاہجہاں بیگم آزادانہ حکومت کریں گی اور بلا شرط خاندان ریاست جہاں مناسب ہوگا شادی
کی جائے گی۔

یہ دونوں مرحلے جو ماضی میں تمام فسادات کا باعث ہوے اور جن سے مستقبل میں
بھی بڑا اندیشہ تھا اُنھوں نے نہایت قابل تعریف پولیٹکل قابلیت کے ساتھ طے کئے گویا
ان شرائط سے عورت کے وجود کو جسد بے روح تسلیم کرنے کا جو صریح اقرار تھا اوس کو بڑی
قابلیت کے ساتھ واپس کرایا۔

اونھوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی تقریبیں بڑی فیاضی اور اولوالعزمی کے ساتھ
انجام دیں۔ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ میں نواب شاہجہاں بیگم کے نشرہ کی تقریب ہوئی
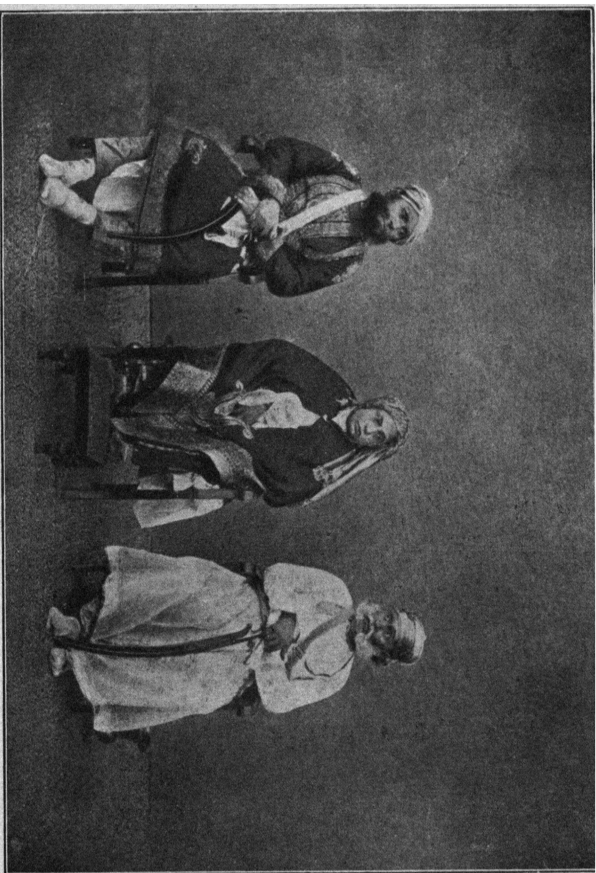
PRIME MINISTER. THE BEGUM. SECOND MINISTER.

جس کا سلسلہ غرۂ ماہ مذکور سے شروع ہو کر ۱۰ رجب تک جاری رہا ۔ کئی لاکھ روپیہ اس تقریب میں صرف ہوئے ، امرا و شرفا ، ملازمین ریاست اور ہزار ہا غربا کو زریں خلعت و جواہرات ، اور بیش قیمت جوڑے عطا کئے گئے ، ہر شب ایک نئے طریقے سے کوچہ و برزن آراستہ کیا جاتا تھا اور آتشبازی چھوڑی جاتی تھی ، ان ستّر دن میں بھوپال میں ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات کا عالم تھا ۔

نواب سکندر بیگم نے اگرچہ صرف درسی کتابوں کی تعلیم پائی تھی لیکن تدبیر مملکت ، معاملہ فہمی اور قیافہ شناسی کے اوصاف کاملہ کی تربیت غیبی طور پر ہوئی تھی ، وہ نہایت حاضر جواب تھیں اور پیچیدہ سا پیچیدہ عقدہ ذراسی غور میں اون کی تدبیر سے حل ہو جاتا تھا ، وہ فیاض طبع تھیں لیکن ایسے اصول کفایت شعاری کے ساتھ جو ایک چھوٹے سے چھوٹے گھر سے لیکر وسیع سے وسیع ملکوں کو سرسبز و شاداب رکھنے کے کفیل ہوتے ہیں ایک طرف اُنھوں نے ملک کے ایک ایک مزرعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا اوس کے لگان اور پیداوار کی حالت تحقیق کی ، دوسری طرف اُنھوں نے مستحقین کو بڑی بڑی بیش قیمت جاگیریں بھی عطا کیں ۔

وہ غالباً ہندوستان میں پہلی خاتون تھیں جنھوں نے مجامع عام میں تقریریں کیں ، اُنھوں نے سب سے پہلے جبلپور کے دربار عام میں تقریر کی تھی اور یہ ہندوستان میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کے لئے ایک ہندوستانی خاتون کی تقریر سُننے کا پہلا موقع تھا ۔ یہ تقریر وایسرائے ہند کی اوس تقریر کے جواب میں تھی جو اُنھوں نے نواب سکندر بیگم کو سند بیرسیہ عطا کرتے وقت اون کے احسانات زمانہ غدر کی شکر گزاری میں کی تھی ۔

غدر کے بعد ان کو جی ، سی ، ایس ، آئی ، کا خطاب ملا اور صلہ خیر خواہی ایک پورا پرگنہ بیرسیہ عطا ہوا ۔

عورتوں میں صرف ملکہ معظمہ اور نواب سکندر بیگم ہی اوس وقت تک "نائٹ" بنی تھیں۔

جبلپور، الہ آباد اور آگرہ کے درباروں میں جو ویسرایان ہند نے منعقد کئے تھے شریک ہوئیں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کی اور مشاہیر و فضلا سے ملاقاتیں ہوئیں، اس سیر و سیاحت کے حالات روزانہ انگریزی اخباروں میں شائع ہوتے رہتے تھے اور دہلی گزٹ میں تو بالالتزام اشاعت ہوتی تھی، ان اخبارات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ باضابطہ داخلہ ہوتا تھا مقامی حکام مع مقامی افواج کے استقبال کرتے تھے، ہندوستانی شرفا اور یورپین لیڈیز اور جنٹلمین سب کے سب ان کی ملاقات کے متمنی رہتے تھے اور دلچسپ ملاقاتیں ہوتی تھیں ان کی باتیں نہایت ہی ادب اور غور کے ساتھ سنتے تھے، جہاں انکا کیمپ ہوتا تھا وہاں دور دور سے آکر خلائق کا اژدحام ہو جاتا تھا۔

اسی دوران سفر کے حالات میں داخلہ دھلی کے متعلق دہلی گزٹ نے اپنی اشاعت ۲۵ جنوری ۱۸۶۳ء میں حسب ذیل کیفیت شائع کی تھی:۔

"دھلی ۲۲ جنوری۔ دھلی برانگیڈ مع ہز مجسٹی کی انیسویں فوج کے آج صبح کو فل ڈریس میں ملبوس ہوکر ہر ہائینس سکندر بیگم آف بھوپال جی، سی، ایس، آئی، کی تعظیم کے لئے موجود تھا، برانگیڈیر (جن کے ہمراہ ایک شاندار اسٹاف تھا) تقریباً ساڑھے سات بجے صبح پہنچ گئے تھے اور آٹھ بجے صبح کو اونیس ۱۹ توپ سلامی کے سر ہونے سے معلوم ہوا کہ ہر ہائینس تشریف لے آئیں۔ جب توپوں کا دھواں غائب ہو گیا تو حسب ذیل کارروائی عمل میں لائی گئی۔

افواج نہایت ہی شاندار طریقہ سے روانہ ہوئیں اور انہوں نے اپنے فرائض اس خوبی سے انجام دئے جو نہایت ہی قابل تعریف ہے جب تمام افواج نے خلوص آمیز جذبہ کر ساتھ برٹش انداز سے چیرز دیے اور عام سلامی کر چکی تو بیگم صاحبہ نے ہودج میں کھڑے ہو کر برانگیڈیر سے اون کے برانگیڈ کی تعریف میں یہ چند الفاظ فرماے:۔

"آج صبح جو کچھ میں نے دیکھا ہے اور اوس سے میرے دل میں جو معترفانہ

خیالات پیدا ہوے اون کے بیان کرنے کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے میری
جس قدر خاطر کی گئی ہے میں اوس سے بہت ہی مسرور ہوئی ہون۔ افواج
جس قدر تعریف کی مستحق ہیں میں اوس تعریف کو ادا نہیں کرسکتی لیکن گذشتہ
زمانہ کی تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی بڑی بڑی لڑنے والی
جماعتوں کا بھی انگریزی افواج سے مقابلہ نہیں ہوسکتا"

سنہ ۱۲۸۰ھ میں سعادت حج حاصل کی، اور باوجود راستہ کی سخت مشکلات کے پندرہ سو آدمی ہمراہ لیکر مکہ معظمہ گئیں، حج ادا کیا اور خدا کی نعمتوں کا شکر بجالائیں جس طرح کہ وہ ہندوستان میں بہ لحاظ اپنے نظم حکومت اور باعتبار وفاداری وخیرخواہی تاج برطانیہ سب سے ممتاز تھیں اسی طرح تمام والیان ملک میں حرم محترم میں بھی حاضر ہونے کا شرف امتیاز واولیت انہیں کو حاصل ہوا

وہ عقاید اسلام میں راسخ ومستحکم اور اعمال مذہب میں نہایت مستعد وسرگرم تھیں اون کو اصول مذہب سے واقفیت اور فروعی مسائل پر عبور تھا، علماء وفضلا کی قدردان تھیں اور شعائر اسلام کا احترام کرتی تھیں اور اتنا احترام کہ جب دھلی تشریف لے گئیں تو جامع مسجد جو پانچ سال سے بند تھی ان کی کوشش سے کھولی گئی، اور خدائے واحد ذوالجلال کی پھر تقدیس وعبادت شروع ہوئی، ان کے ہمراہ اُس زمانہ کے جو پولیٹکل ایجنٹ۔ ای۔ آر ہچینسن تھے اس واقعہ کو اپنے دوست کے خط میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۸۶۲ء کے دورہ میں جب کہ میں سیہور سے الہ آباد، بنارس، فیض آباد، لکھنؤ کان پور، دھلی، جے پور ہوکر واپس بھوپال ہوا تھا، اس زمانہ میں دہلی کی جامع مسجد اس قصور پر مسلمانوں کے لئے بند کردی گئی تھی کہ غدر ۱۸۵۷ء میں انہوں نے کچھ حصہ لیا تھا، مگر ہرہائینس نواب سکندر بیگم کی استدعا پر گورنمنٹ آف انڈیا نے نماز پڑھنے کے لئے عام طور پر مسلمانوں کو اجازت دیدی تھی، اور ہرہائینس کو اس مبارک جگہ پر عبادت کرنے کا موقع ملا تھا"

نواب سکندر بیگم ممالک یورپ کے اون سیاحوں سے جو ہندوستان آتے تھے نہایت خاطرداری اور عزت سے ملتی تھیں، چنانچہ ۱۸۶۴ء میں فرانس کا ایک فوجی افسر کپتان روز دلیٹ بطریق سیاحت ہندوستان آیا تھا اور اوس نے تقریباً تمام ہندوستان اور کل دیسی ریاستوں کی سیر کی وہاں کے حالات کو نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے یہ افسر بھوپال میں بھی کئی مہینے مقیم رہا اور یہاں کے تمام درباری اور تمدنی زندگی نیز سوسائٹی کی حالت پر ایک عجیب و غریب تبصرہ کیا ہے۔ اس نے متعدد مقامات کی نہایت دلچسپ تصویریں بھی دی ہیں جن میں بھوپال کی بھی کئی تصویریں ہیں ان تصاویر میں سب سے دلچسپ تصویر اوس دربار کی ہے جس میں نواب سکندر بیگم اس فرانسیسی سیاح کو تمغہ وخطاب عطا کر رہی ہیں یہ کتاب فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کے متعدد اڈیشن شائع کئے گئے۔ ہم نے اس کے دو اڈیشن دیکھے ہیں اور جہاں اس مصنف کی وسیع النظری کی داد دینی پڑتی ہے وہیں یہ کوتاہ نظری بھی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے اڈیشن سے یہ یادگار تصویر خارج کردی گئی ہے۔ شاید ایک مشرقی ملکہ کا کسی یورپین کو خطاب و تمغہ دینا ایک یوروپین پبلشر یا مترجم یا پرنٹر کی نظروں میں اچھا نہ معلوم ہوا ہو، بھرحال سیاح مذکور کے اوس حصۂ بھوپال میں سے ذیل کا بیان جو نواب سکندر بیگم کی متنوع قابلیتوں کا مظہر ہے اقتباساً درج کرتے ہیں۔

"ہمارے بھوپال میں وارد ہونے کے دوسرے دن ہم کو ہر ہائنس سکندر بیگم سے پرائیوٹ ملاقات کا شرف حاصل ہوا دربار سے سواری بھیجی گئی تھی کہ ہم کو موتی بنگلہ سے محل پر جو شہر کے سرے پر قلعہ کے قریب واقع ہے لے آئے دروازہ پر وزیر اعظم اور دیوان نے ہمارا استقبال کیا ہم زینے پر چڑھ کر دربار کے کمرے میں پہونچے جہاں بیگم ہماری منتظر تھیں، ہمارے پہنچنے پر وہ کھڑی ہوگئیں، ہماری طرف بڑھیں، مصافحہ کیا، اور اپنے قریب صفہ پر بیٹھ جانے کو کہا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ سکندر بیگم ہر طرح سے بہترین نمونہ ایسے ہندوستانی کا ہیں جو ہندوستان نے اس صدی میں پیدا کیا۔

بیگم صاحبہ کے ساتھ ہماری پہلی ملاقات چند گھنٹے تک جاری رہی جسکے درمیان اونہوں نے اپنی اور اپنے بزرگوں کی تاریخ نہایت جوشیلے طرز سے بیان کی اور پھر فوراً ہی ہندوستانی ریاستوں کے رسوم دربار اور سیاسی مصالح کے متعلق مجھسے سوالات کئے، ہر سوال کے بعد دوسرا سوال اس قدر تیز ہوتا کہ میں پہلے سوال کا جواب بھی پورے طور سے نہ دے پاتا اس کے بعد اپنی صاحبزادی شاہجہان بیگم سے تعارف نہ کرا سکنے پر افسوس ظاہر کیا کیونکہ اون کے خاوند نے اون کو حرم میں رکھا تھا اور پردہ کی پوری پابندی کرائی جاتی تھی اوس کے عوض میں اپنی نواسی سلطان جہاں بیگم کو بلوایا جو ایک ہشت سالہ پیاری لڑکی تھیں وہ ہماری طرف آئیں اور انگریزی طریقے سے سلام کیا اور ملیں۔ بیگم صاحبہ نے مجھے اوس وقت تک رخصت نہ ہونے دیا جب تک کہ میں نے موسم بارش کا پروگرام نہ بتلا دیا اور یہ ارادہ نہ ظاہر کر دیا کہ بھوپال میں موسم سرما میں قیام کروں جیسا کہ میں نے جیپور میں کیا تھا۔ جب اونہوں نے سنا کہ میں آپ دربار میں مقیم رہوں گا تو خواہش کی کہ زمانۂ قیام میں جو کچھ ہم کریں گے وہ ابھی طے کر لیا جاوے، یہ طے ہوا کہ ہم موتی بنگلہ میں قیام کریں گے اور بیگم صاحبہ کے مہمان ہوں گے۔

آخر کار ملازم گلاب پاش لائے اور بیگم صاحبہ نے اپنے ہاتھ سے ہمپر گلاب چھڑکا اس پہلی ملاقات کے بعد ہم مسرت اور حیرت سے بھرے ہوئے واپس آئے۔ محل[ف] میں ہمارا استقبال نہایت خلوص کے ساتھ کیا گیا ہم کو دربار ی لباس میں دیکھ کر بیگم صاحبہ بہت محظوظ ہوئیں اور فوراً شاہی زرگر کو حکم

[ف] دوسری مرتبہ کا تذکرہ ہے ۱۲

دیا کہ ہمارے لئے جوڑے تیار کرے اور اوس دن سے ہم محل کے مستقل مہمان ہو گئے
دن بھر ہم بیگم صاحبہ سے سنجیدہ مسائل پر گفتگو کرتے رہے، ممالک یورپ کی طرز حکومت
وہاں کی پیداوار، باشندوں کی مالی حالت اور رسم ورواج پر رائے زنی ہوتی
رہی، مجھے تعجب تھا کہ بیگم صاحبہ ذرا ذراسی تفصیل پر نکتہ چینی کرتیں اور ہر چیز کا اپنی
سلطنت سے موازنہ کرتیں، ان کو سیاسی مسائل سے زیادہ حفظان صحت صنعت
وحرفت اور تجارت کے مسائل سے دلچسپی تھی سیاسی سوالات انگلینڈ اور فرانس
کی حکومتوں تک محدود تھے جو سوائے ٹرکی کے جسکا حکمراں سلطان اسلام
مانا جاتا تھا دنیا میں سب قوتوں سے افضل تھیں، جب موسم اجازت دیتا بیگم صاحبہ
شہر کے خاص مقامات کے لئے گھوڑے پر سوار ہوتیں، میں اور وزیر اعظم اور
چھوٹا سا اسٹاف ہمرکاب ہوتا، پہلے ہم نے مدرسوں، شفا خانوں، اور یتیم خانوں کا
معاینہ کیا، بیگم صاحبہ نے مجھے ان مقامات کی انتظامی حالت کے معائنہ کا
حکم دیا اور میری رائے دریافت کی میں نہایت غور و خوض کے بعد رائے دیتا
میں صحیح رائے دینے کے قابل نہ تھا اور بیگم صاحبہ اپنی فطری تیزی سے اُسے پر
عمل بھی شروع کر دیتی تھیں، جب ہم اپنے معاینوں سے واپس آتے ہوئے بڑی
مسجد تک پہونچتے تو مسجد کے کوشکوں میں بیٹھ جاتے جہاں بازار نظر آتے اور
زبردست مجمع کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

بیگم صاحبہ کبھی ہم سے عجیب عجیب تفصیلیں بیان کرنے سے نہ اُکتاتیں، انھوں نے
مجھے مختلف اقوام کی شناخت بتلائی اور مختلف پیداوار کی تجارتی خاصیتیں اور
قیمتیں سمجھائیں اور اس قسم کی معلومات ہم پہونچائیں، مسجد کے ملا عموماً ہمارے
قریب آکر بیٹھ جاتے اور مذہبی مباحثے شروع کر دیتے تھے، یہ دیکھکر تعجب ہوتا تھا
کہ ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر یہ ملا کس قدر جوش کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔ بعض بعض صحیح

علم کا اظہار کرتے اور عیسائیت پر نہایت سنجیدگی سے گفتگو کرتے تھے یہ مشہور تھا کہ بیگم صاحبہ کو اس مذہب (عیسائیت) سے زبردست دلچسپی ہے بیگم صاحبہ ہم کو عموماً ان ملاؤں کے پاس اکیلا چھوڑ جاتیں جب ہم ان کے ہمراہ مسجد سے اُٹھ کر حسین خاں کے مکان پر آتے تو گفتگو جاری رہتی حسین خاں ہمارا خیر مقدم نہایت خوشی سے کرتے تھے جب ان کا نوکر ہمارے آمد کی خبر دیتا تو دروازہ تک استقبال کو آتے، ہماری ڈاڑھیوں اور کپڑوں پر گلاب پاشی کرتے پھر برآمدہ میں باغ کی طرف بٹھلاتے، قہوہ اور حقہ پیش کیا جاتا، ملا پھر مذہب اسلام کے مسائل پر مباحث شروع کر دیتے۔

غرض کہ تمام دن اس طرح سنجیدہ کاموں میں صرف ہوتا تھا لیکن شام کا وقت تفریح کے لئے مخصوص تھا۔ ہم کھانے کے بعد محل پر آتے اور ہمارے چند خاص دوست جو بیگم صاحب کے مصاحب تھے پہلی منزل کے بڑے کمرے میں بیٹھے ملتے یہ سب سنجیدہ لوگ سفید ڈاڑھیوں اور لمبے لمبے خطاب والے تھے، اس جماعت میں وزیر اعظم جو نہایت تیز عقل رکھتے تھے بیگم صاحبہ کے ماموں چند جاگیرداران ریاست اور ہمارے قابل دوست حسین خاں[1] شریک تھے، بیگم صاحبہ کے انتظار میں جو چند گھنٹے حرم میں اپنی صاحبزادی کے پاس گذارا کرتی تھیں ہم شطرنج اور چوسر کی کھیلوں میں مصروف رہتے۔

قریب آٹھ بجے فرش پر چوبدار کے نقرئی عصا کی آواز بیگم صاحبہ کی آمد کی خبر دیتی بیگم صاحبہ چند نوعمر لڑکیوں کے ساتھ جنکو انھوں نے اپنی طرح مشرقی زنانخانہ سے آزاد کر رکھا تھا تشریف لاتیں، چھوٹی پیاری بچی سلطانہ جو سونے اور چاندی میں جھلملاتی ہوتی ہم سے ملنے دوڑتی، بیگم صاحبہ کے

---

[1] بیگم صاحبہ کے پرائیویٹ سکریٹری تھے ۱۲

کمرے کے سرے پر سبز مخمل کی مسند پر جلوہ افروز ہوئیں اور ہر شخص مقررہ قاعدہ کے موافق
اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتا میری جگہ بہ حیثیت ایک مہمان کے بیگم صاحبہ کے داہنے ہاتھ پر تھی
قہوہ کے دور کے بعد شاہی حقہ لایا جاتا تھا جو اونچائی میں تین فٹ اور قیمتی جواہرات
سے جڑا ہوا تھا چلم میں گڑاکو اور خوشبودار خمیرہ کا مرکب ہوتا اور اوپر کچھ سرخ انگارے
رکھے ہوتے تھے۔
میں اپنے ناظرین سے ایک مرتبہ سے زیادہ ناچ کا تذکرہ بیان کر چکا ہوں اسلئے
پھر اس کا اعادہ نہ کروں گا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے مردوں کو وہ ناچ ناچتے ہوئے
دیکھا جو ہر جگہ عورتوں کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن یہ ناچ مجھے ایسے ملک میں دیکھکر
زیادہ تعجب نہیں ہوا جس کی حکمرانی دو نسلوں سے عورتوں کے ہاتھ میں تھی اور دو نسلوں تک
اور رہنے والی تھی یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ بیگم جو اپنے ملک کی عورتوں کو مرتفع بنانا
چاہتی تھیں مردانہ ناچ دیکھنے کا وہی حق رکھتی تھیں جو دوسرے راجہ زنانہ ناچ دیکھنے کا
رکھتے تھے۔
بیگم صاحبہ ہم کو بھوپال کے لباس میں دیکھکر خوش ہوتی ہیں اور ایک اعزازی خلعت
جس سے دربار کی شان ہوا کرتی ہے عطا کرنا چاہتی ہیں۔
مقررہ دن کی صبح کو شاہی درزی آیا اور چمکدار لباس پہنا کر دیکھا، لباس میں ریشمی
کام کا سبز ریشمیں کرتا، ارغوانی ساٹن کا رو پہلی کام کا پاجامہ، کمر بند یا پیٹی، کاشمیرہ
کی قبا اور سب سے زیادہ قیمتی سونے کا مرصع سرپیچ تھا۔
اس طرح مزین ہو کر ہم شیمبرگ اور حسین خاں گاڑی میں سوار ہوئے، سڑکوں پر لوگ
جمع ہو جاتے اور ہم کو سلام کرتے محل کے دروازہ پر بھوپال کے رؤسا کا ایک
وفد بسرکردگی دیوان ہمارا منتظر تھا۔ دیوان نے مجھے گاڑی سے اتارا اور مشرقی
طریقے سے اس طرح ہاتھ میں ہاتھ دیکر کہ گویا مجھے سہارے کی ضرورت تھی زینہ پر
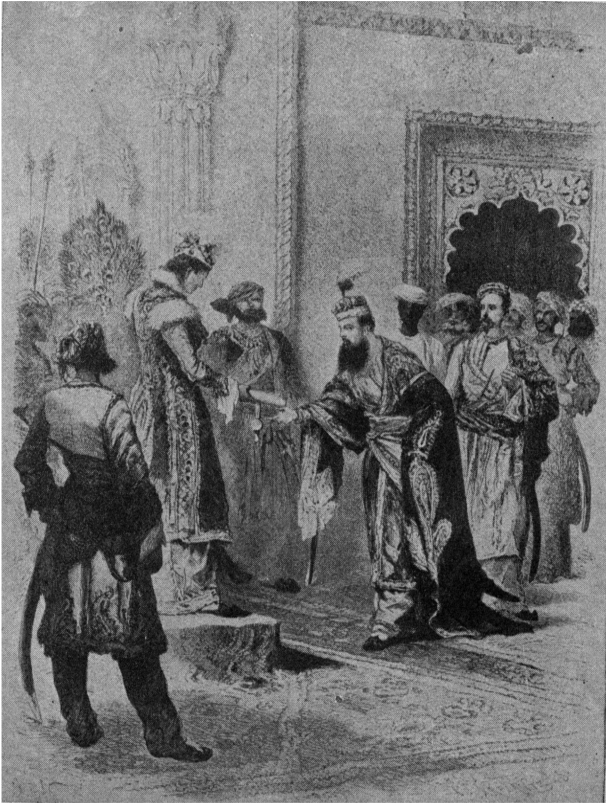
چڑھایا۔ دربار کے کمرہ میں بیگم صاحبہ اونچے تخت پر جلوہ افروز تھیں اور اُن کے شاندار درباری ارد گرد کھڑے تھے وہ شاہی لباس جو ہم لوگوں کی طرح تھا پہنے ہوئے تھیں اور سنہری کلغی جس میں چار پر تھے اور کالر اور ستارہ جو ستارۂ ہند کا نشان تھے زیب تن تھے ہم کو آتے دیکھ کر کھڑی ہوگئیں اور ایک زریں لفافہ میں بند فرمان دیکر فرمایا "خوش آمدید سردار روز لیبٹ صاحب شمشیر بہادر" میں ادب سے جھکا اور دائیں جانب اپنی جگہہ پر گیا شمیبرگ کے خیر مقدم کے بعد ہم سب لوگ بیٹھ گئے حقہ لایا گیا اور بیگم صاحبہ نے مجھے انگشتری عطا کرکے جس پر بڑا ہیرا جڑا تھا میرے پورے خطاب کو جو عطا کیا گیا تھا پھر دوہرایا۔ اس کے بعد عطر پان تقسیم کیا گیا اور ہم ان ہی رسوم کے ساتھ جو آمد کے وقت ادا کئے گئے تھے رخصت ہوئے"

نواب سکندر بیگم درحقیقت حیرت انگیز قابلیتیں رکھتی تھیں اور ایک خاص قسم کے دل و دماغ کی خاتون تھیں وہ ذہانت و فراست اور کمال قابلیت سے خواہ کسی درجہ کا قابل شخص کیوں نہ ہو اسکو متحیر کردیا کرتی تھیں اور ہر شخص کے قلب پر ان کی قابلیت کے متعلق نئے نئے نقوش کا سکہ قائم ہوجاتا تھا۔ میجر سموئیل چارٹر سیکفرسن سی بی ۱۸۵۳ء میں بھوپال ایجنسی میں پولیٹکل ایجنٹ مقرر ہوکر آئے تھے نواب سکندر بیگم اور ان میں سرکاری و غیر سرکاری طور پر متعدد ملاقاتیں ہوئی تھیں ان ملاقاتوں میں میجر صاحب موصوف پر نواب سکندر بیگم کی قابلیتوں کا جو اثر قائم ہوا اُسکو انہوں نے وقتاً فوقتاً اون پرائیویٹ خطوط میں ظاہر کیا ہے جو انگلستان کے دوستوں اور اپنے عزیزوں کو یہاں سے بھیجے تھے، چنانچہ مندرجہ بالا دعوے کی تائید میں ایک خط[ل] کا ترجمہ ہم بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"بھوپال ایک نہایت خوبصورت اور دل پسند چھوٹا سا ملک ہے اور جیسا کہ میرا خیال ہے میں اسکے جملہ حالات کو نہایت پسند کرتا ہوں، حال ہی میں مجھے یہاں کے

[ل] یہ خط میجر صاحب موصوف کی سوانح عمری سے ماخوذ ہے ۱۲

دل چسپ دربار سے آشنا ہونے کا پہلا موقع ملا۔ اور چونکہ آجکل بہ عظمہم یورپ کے دوست میرے مہمان ہیں اس ملاقات میں اور بھی لطف آیا، تمہاری اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ یہاں تین بیگمات ہیں جس میں سے کوئی پردہ نہیں کرتیں۔ یہ جملہ امور میں یورپ کی عورتوں کی طرح آزاد ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھاتیں۔ ان میں سے اول[1] نانی، دوسری والدہ[2] سلطانہ، تیسری خرد سال[3] بیگم ہیں جو مسند نشین ہیں مسند سے مراد مسند ریاست ہے جو تخت کی مترادف ہے خرد سال والیہ کی عمر ۱۵ سال کی ہے جن کی شادی کا مسئلہ ایک گتھی ہے جس کے سلجھانے میں ہم مصروف ہیں، نانی اور والدہ سلطانہ گھوڑے پر سوار ہوتی ہیں، نیزہ بازی میں ماہر ہیں اور نشانہ بازی میں کمال قدرت رکھتی ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ رکھتی تھیں کیونکہ اب تقاضائے عمر اور ہے اور ان کی عمریں ۵۳ اور ۴۳ سال ہیں والدہ سلطانہ مہم سلطنت کے نقطۂ نظر سے ایک عجیب عورت ہیں برسوں سے وہ ہر کام کو خود سرانجام دیتی ہیں ملک کا کل مالیہ بائیس لاکھ روپیہ سالانہ ہے جس میں سے نصف یعنی گیارہ لاکھ پر تصرف کا ان کو اختیار ہے۔ آٹھ برس میں انہوں نے دس لاکھ روپیہ قرض ادا کیا ہے، اپنے تمام محکمۂ ملکی کی اصلاح کی ہے، نظام فوج کو درست کیا ہے، نیا بندوبست کرایا ہے اور نیا نظام پولیس اور نظام عدالت قائم کیا ہے۔

وہ روزانہ دس بارہ گھنٹہ کام کرنے کی عادی ہیں، کوئی ضلع ایسا نہیں جہاں وہ نہیں گئی ہوں۔

افواج کی قواعد کو وہ خود دیکھتی ہیں، اور قریب قریب ہر سپاہی کے ساز و سامان اور اس کی حالت سے خود واقف ہیں ان کی جفاکشی نہایت عجیب ہے ۔ اور سیاسی قابلیت بہت بڑھی ہوئی ہے، میرے خیموں سے دو میل کے فاصلہ پر

---

[1] نواب قدسیہ بیگم ۱۲ [2] نواب سکندر بیگم [3] نواب شاہجہان بیگم ۱۲

شاہجہاں و دلڑکی جو مسند نشین ہے مجھے اپنے ہاتھی پر ملی، تمام اعلیٰ عمایدین،
وزرا، مددگار حشم و خادم ہمراہ تھے، چونکہ میں نے پہلے اطلاع دیدی تھی کہ میں
سات بجے صبح آؤں کا تمام فوج رات کے دو بجے سے موجود
تھی اور جو جوان ملکہ باوجود شدید سرد صبح ہونے کے پانچ بجے پہنچ گئی تھی
ہمراہی میں ایک اور خاتون تھیں گو کہ میں اپنے یہاں کی ڈچس آف سدرلینڈ
کا مرادف کہونگا وہ ایک نہایت خوش اخلاق ضعیف خاتون ہیں وزرائے
ریاست میں سے ایک اعلیٰ وزیر کی بیوہ ہیں، یہ وزیر اون فرانسیسی مراتب
سے ایک تھا جس کا خاندان ریاست میں عرصہ سے آباد ہو گیا تھا اس کے
بعد دو دربار منعقد ہوے۔ ایک نوجوان ملکہ کے مکان پر اور دوسرا مردوں
کے لئے میرے خیموں میں۔ بیگمات اس میں بھی پس چلمن بیٹھی ہوئی سب کچھ
دیکھ رہی تھیں۔ پھر ہم ایک بار چار پہیئے ان کے باغ میں گئے اور آتش بازی
کا تماشہ دیکھا اور گانے اور ناچنے کا لطف اٹھایا۔ سکندر بیگم (والدہ سلطانہ)
کے انداز گفتگو میں خاص شخصیت پائی جاتی ہے، وہ یورپ کی جہاندیدہ
سے جہاندیدہ عورت سے زیادہ گفتگو میں طرار ہیں، کلام میں سیاسیات
اور لوگوں کا ذکر و فکر عجیب ترکیب سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ ہماری گفتگو بادشاہ
اودھ کی چار سو پری تمثال محلات کے بارے میں پھر سالومن کے متعلق ہوئی
اور پھر سلسلہ کلام پیمائش بند و بست کی نظریات اور عملیات کی طرف منتقل
ہو گیا، ابھی میرے ناکتخدا رہنے کے راز کا ذکر تھا۔ تو ذرا سی دیر میں ناگپور
کے علاقہ کی تملیک کا۔ ابھی یہ دریافت کیا کہ میری عمر کیا ہے اور ابھی اس پر
بحث ہونے لگی کہ پانچ سال بعد سیندھیا کے موجودہ طریقہ بند و بست مالیات
کا کیا نتیجہ ہوگا۔ کبھی کشمیر اور انگلستان کا سوزن کاری میں مقابلہ تھا۔ اور

کبھی انگریزی اور رعب فوجی مشقوں کی خوبیوں کا موازنہ، گاہ درباری کورم کی شدید ترین نوعیت پر گفتگو تھی، اور لنچ کے اثنار میں آدھے گھنٹہ تک رعیت داری گسسی واری وغیرہ کے متعلق تذکرہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہم بورڈ آف ریونیو کے ممبر ہیں، میں نے اثنار گفتگو میں ذرا پرزور طریقہ سے یہ کہا کہ ہر شے کا حصر بالآخر اس بات پر ہے کہ خواہ کوئی بھی طریقہ ہو اوس کا عمل درآمد جیسا ہوگا ویسا ہی نتیجہ نکلیگا۔ گویا عمل طریقہ کی جان ہے کاش کہ تم اوس وقت موجود ہوتیں اور دیکھتیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے وزرا کی طرف دیکھا جو بہت فاصلہ پر گم سم بیٹھے تھے اور بلند آواز سے کہا کہ "صاحبو! آپ سنتے ہو یہ آپ کے متعلق ہے، عمل ہی ہر شے ہے" کاش اوس وقت تم اون کے سلام کرنے کی کیفیت دیکھتیں، یہ اور اس قسم کی گفتگو جب ہم چار پینے اور گانا سننے باغ میں گئے وہاں بھی ہوتی رہی۔ والدہ سلطانہ اپنے افسران ریاست کے انتخاب میں بلکہ الزبتھ کی طرح نہایت عمدہ مذاق کا اظہار کرتی ہیں"

نواب سکندر بیگم کی زندگی ایسے گوناگوں واقعات پر مشتمل ہے کہ جو کسی ایک انسان کی زندگی میں بہت ہی کم پیش آتے ہیں، عالم شیرخوارگی میں باپ کا انتقال، خانہ جنگیوں میں پرورش پانا، اپنے حقوق سے محرومی کا احساس، اپنے آپ کو سخت خطرات میں مبتلا پانا، شوہر سے کشیدگی، اور اپنی بیٹی کے آیندہ حقوق کی طرف سے پریشانی، بیوگی کے بعد انتزاع ریاست کا خطرہ یہ ایسے واقعات ہیں جن سے صاف لڑ اے اور قوی دل مردوں کا عہدہ برآ ہونا بھی نہایت مشکل ہے مگر ان تمام واقعات میں جو ۴۳ سال کی عمر میں رونما ہوے ہر موقع پر ان کے استقلال، بیدار مغزی اور فراست نے ساتھ دیا اور ایک ہوشیار جہازراں کی طرح سمندر کی پرشور اور پرخطر موجوں سے انھوں نے اپنے جہاز کو سلامتی

کے ساتھ ساحل پر پہنچایا، اس کے بعد وہ مختار ریاست ہوئیں، ملک کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کیا اور جو ریاست کہ مقروض تھی اور جس کا خزانہ خالی تھا اوس کو قرضہ سے سبکدوش کر کے اوس کے خزانہ کو بھر دیا، پھر اپنے نور نظر کی زندگی کو خطرات سے صاف کیا۔ غدر کے زمانے میں اپنی ریاست کو محفوظ رکھا، خود مسند نشین ریاست ہوئیں، اپنے حقوق کو حاصل کیا اور اس طریقہ پر ۱۳ سال تک اپنی کامیاب زندگی بسر کی۔ اس کے بعد زندگی کا آخری حصہ ملکی حالت سے طمانیت اوس کی سرسبزی و بہبودی کے روح افزا نظارے اور خوشی و مسرت کے چہچہوں اور نغموں میں بسر ہوا درباروں میں شرکت کی، جدید تہذیب و تمدن کی برکتوں سے فائدے حاصل کئے اور ملک کو اون سے بہرہ ور بنایا، اور آخر عمر میں قادر مطلق، اور احکم الحاکمین کے حرم محترم میں جاکر فریضۂ حج اور سجدہ شکر ادا کیا۔ غرض نواب سکندر بیگم اگر گھر کے اندر ایک سلیقہ شعار بیگم تھیں تو مسند حکومت پر ایک فرزانہ مدبر بادشاہ ثابت ہوئیں وہ جس طرح ملکی اقتصادیات کی ماہر تھیں اوسی طرح اقتصادیات خانگی میں بھی کامل تھیں۔ جس طرح بند و بست مالگذاری کا انتظام ضرب المثل ہوا اسی طرح انتظام خانہ داری بھی آجتک بھوپال میں مشہور ہے، اور فوجی مہموں کے موقع پر ایک با تدبیر سپہ سالار کے اوصاف کو بھی نمایاں کیا، جہاں اون کے سینہ میں وہ دل تھا جو زنانہ جذبات ترحم و فیاضی کا مخزن تھا وہاں اوسی دل میں خالد بن ولید اور سلطان صلاح الدین جیسے شیر دل مسلمانوں کے اوصاف بہادری بھی موجود تھے۔

غرض انہوں نے زندگی کے (۵۲) سال زمانہ کی نیرنگیوں اور گوناگوں خطرات اور کامیابیوں کے تلاطم و سکون میں بسر کر کے ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۸ء = ۱۲ رجب ۱۲۸۵ ہجری کو اس دنیای فانی سے رحلت کی۔

ان کے انتقال سے ہر جگہہ ایک صدمہ عظیم محسوس ہوا، گورنمنٹ آف انڈیا نے غیر معمولی گزٹ کے ذریعہ سے اپنے رنج و ملال کا اظہار اور اون کے محاسن ذاتی و صفاتی کا

اعتراف کیا، انگلستان، ہندوستان کے تمام اخبارات نے غم والم کے ساتھ اس سانحہ کی خبر شائع کی اوران کی قابلیتوں اور سوانح زندگی کے متعلق بڑے بڑے آرٹکل لکھے جن کو اگر اقتباساً بھی لکھا جائے تو بھی ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے لیکن اوس زمانہ کے کلکتہ کے ہندو پیٹریٹ مشہور اخبار نے جو بجائے خود ایک مختصر تذکرہ لکھا تھا جابجا سے اوس کا اقتباس ہم نقل کریں گے کیونکہ وہ نہایت پرلطف ہے اور اس میں ذات نسوانی کا ذات الرجال سے کہیں کہیں بہت دلچسپ مقابلہ ہے وہ لکھتا ہے کہ:۔

"نواب سکندر بیگم کا انتقال جو گزشتہ مہینے کی تیس تاریخ کو ہوا ہندوستان کے دیسی روسا میں سے ایک بہترین سب سے دانا، سب سے زیادہ روشن خیال اور سب سے زیادہ خوش قسمت ذات کا گذر جانا ہے۔ ہماری یاد میں کوئی ہم عصر ہندوستانی والی ملک اوس کا مقابل نہیں ہوسکتا جس میں کہ وہ صفات پائی جائیں جو نواب سکندر بیگم میں بدرجہ اتم موجود تھیں، البتہ ہندوستان کے بعض ہندوستانی بے تاج مدبر مثلاً نواب سر سالار جنگ، سر مادھو راؤ، اور سر ڈنکر راؤ ممکن ہے اُن سے مہمات ریاست کی فروعات جاننے میں بڑھے ہوئے ہوں اور بے شک وہ اول الذکر ان سے عام واقفیت اور قابلیت میں سبقت لے گئے ہیں مہاراجہ جیاجی راؤ سیندھیا ایک پیدائشی منجھے ہوئے سپاہی ہیں گو کہ وہ صرف اپنی نشست گاہ ہی میں دلاور کہلا سکتے ہیں کیونکہ قدرت نے اور اعلیٰ سیاسی قابلیت کی کمی نے ان کی مشق کو میدان پریڈ تک ہی محدود کر رکھا ہے۔ بیگم ایک حلیم مستقل مزاج عورت تھیں۔ اور پاس عزت میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھیں وہ مرحومہ رانی جھانسی کی طرح ایک مرہٹن مردنما عورت تھیں۔

مہاراجہ تکاجی راؤ ہلکر ایک اعلیٰ درجہ کے مالیات ملکی کے ماہر ہیں، اور صوبہ شمال مغربی میں مہتمم بندوبست مقرر کیا جائے تو ضرور ممتاز سمجھے جائیں لیکن وہ (نواب سکندر بیگم) ان سے

زیادہ روشن خیال مالیات ملکی کی ماہر تھیں اور گو سب والیان ریاست اپنے اپنے نظم و نسق ریاست میں لاجواب تھے مگر اون سے کوئی نہیں بڑھا کوئی دوسرے ہندوستانی والیان ملک خواہ وہ اختیارات شاہی رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں اور گو ان میں سے بعض شریفانہ صفات سے مثل مہاراجہ بیکانیر، اور مہاراؤ راجہ رام سنگھہ والی بوندی، اور مہاراج رانا جھالاوار عاری نہیں مگر ان کی برابری نہیں کر سکتے۔

ہم اس موقع پر بہت سے والیان ملک مثل مہاراجہ کشن گڈھ قرولی، مہاراؤ لچھمن سنگھہ والی بانس واڑہ، مہاراول اودے سنگھہ پرتاب گڈھ، راؤ راجہ فتح سنگھ والی کھتری، مہاراجہ کیہر سنگھہ والی پنا، سابق نواب ٹونک اور راجہ جھبوا، اور لایق وزرا مثلاً پنڈت روپ نرائن الور راؤ گنگادھر راؤ دھولپور، خان بہادر میر شہامت علی نظام وغیرہ وغیرہ کا ذکر نہیں کرتے جن کی شہرت اس وجہہ سے کہ اون کو اپنا اشتہار خود دینے کا شوق نہ تھا پولیٹکل ایجنٹوں کی رپورٹوں سے باہر نہیں نکلی یا جن کی قابلیتوں کو اس بات کا موقع نہیں ملا کہ وہ بڑی ریاستوں میں عمل میں آئیں۔ یا جنکی قابلیتوں کو کسی شدید نقص نے زائل کردیا یا جو عیش پرستی اور بے رحمی کے باعث مثل مونخ الذکر کے برٹش حکومت کے منشا اور مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہہ سے ناکامیاب رہے۔ اکثر قابل مرد حکمراں اور بہت سے ناقابل مرد حکمراں ہوتے ہیں لیکن صرف عورتیں جو حکمراں ہوتی ہیں ہمیشہ قابل ہوتی ہیں مرد اور عورت کی ذہنی اور اخلاقی مساوات کا یہ کیسا بین ثبوت ہے گو اس میں شک نہیں کہ ذہنی تفاوت کی وجہہ سے خفیف عدم مساوات بھی

ناگزیر ھے مگر یہ بات عورتوں کی تمدنی رتبہ افزائی اور تعلیم کی تائید میں کتنی بڑی دلیل ہے ، یہ ایک ثبوت اور برہان ہے جس پر کہ حکومت ہندوستان اپنے گزٹ میں مرحومہ بیگم کے متعلق ایک تعزیتی مضمون لکھتے ہوئے جس کو ہم گزشتہ اشاعت میں شائع کر چکے ہیں ، بجا طور پر لیکن ایسی زبان میں جس میں ادبی خوبی کم ہے اس امر پر زور دیتی ہے اور ہندوستان کے لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرتی ہے گو وہ خود بھی اس طرف سے بالکل غافل نہیں ہے لیکن بیگم بھوپال کو جو آزمائشیں اور مشکلیں پیش آئیں وہ صرف جنسی نہ تھیں بلکہ وہ نہایت مشکل اور دشوار تھیں لیکن وہ ان سب میں سے مردانہ وار گذر گئیں ، آگ و بات کا امتحان ہے اور جب ہم ان کو آتشیں امتحان کی قدرتی اور زمانہ کی پیدا کی ہوئی مشکلات و موانعات سے گذرتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم ایک روشن حلقہ مرحومہ کے بالائے سر ستارۂ بلندی کی طرح درخشاں پاتے ہیں جو ان کے مقابل کے اوراشخاص کے چہروں کو جن کا ذکر اوپر آچکا ہے منور نہیں کرتا ، ہم کسی طرح نواب سالار جنگ کی مشکلات کو جو سرزمین حیدرآباد میں نظام حکومت کو درہم کرنے والون اور غداروں کو خاموش کرنے میں ۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں پیش آئیں گھٹا کر دکھلانا نہیں چاہتے اور حاشا ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں کہ ان کے کارہائے نمایاں کی عظمت کو کسی طرح کم کریں لیکن بحیثیت ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی ہونے کے ظاہر ہے کہ ان کے سینہ میں فطری خواہشات کی کشمکش کہ اون کو اپنے آپ کو کس جانب شامل کرنا چاہیئے ہو ہی نہیں سکتی تھی ، علاوہ بریں بسا اوقات دربار حیدرآباد کے اون عناصر کو مغلوب کرنے میں جو دبانا چاہتے تھے اون کو کئی بار ناکامیابی ہوئی اور کوئی شبہہ نہیں ہے کہ اگر انگریزوں کا سہارا ان کو حاصل نہ ہوتا تو وہ آج عرصہ سے اس بڑی ریاست پر حکومت کرنے سے محروم ہو چکے ہوتے ، سیندھیا و ہلکر کو اپنی

سلطنت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سکندر بیگم کو تخت شاہی کی وارثہ
پیدا ہوئی تھیں، لیکن عورت ہونے کی وجہ سے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی
قسمت میں سوائے ایک موہوم نام کے سلطنت کا کچھ بھی حصہ نہ آتا وہ محض اپنے
شوہر نواب کی بیگم ہوئیں جن کو زنانخانہ میں احتیاط سے بند رکھا جاتا اور جن کی
تمام زندگی بیکار سستی اور عیش میں صرف ہوتی۔ لیکن سکندر بیگم میں ولولہ موجود
تھا اور ذاتی قابلیت کے جوہر اس کے معین تھے، اور یہ صفات اولی العزمیوں
کی پہلی نشانی ہیں اور موت ہی ان کو ان سے عاری کرتی ہے چنانچہ انہوں نے
عروج پایا اور اول خود کو خاندانی اثرات سے جو حاوی تھے اور پھر سیاسی
غلبہ سے جو دوسروں کو ان پر حاصل تھا آزاد کیا اور حکمران ماں کے قبضہ اقتدار سے
خود کو صاف نکال لیا اس کے بعد قائم مقام بیگم کا درجہ حاصل کیا اور بالآخر
ذاتی حق سے خود کو ملکہ تسلیم کرا لیا۔

ان کے ہمعصروں میں سے کسی شخص نے اس ذاتی قابلیت اور تدبر اور اس کے
دسویں حصہ صبر آزما انتظار حلم اور معاملہ فہمی سے عروج حاصل نہیں کیا ان کی تمنا لائق
توصیف تھی اور انہوں نے کبھی اپنے حق کو ہاتھ سے نہیں دیا اور جو کچھ کیا عین
دانشمندی پر مبنی تھا، ان کی حالت میں تواریخ کے مشاہیر میں سے جو اپنی پیش بینی
اور وسیع نظری کے لئے مشہور ہیں کم از کم دس میں سے نو جلدی کر جاتے اور معاملات
کا صحیح موازنہ نہ کر سکنے کی وجہ سے خود کو کسی سازش کا شکار بنا لیتے اور برٹش
حکومت یا افغان رؤسا، یا ہمسایہ طاقتوں یا ریاست بھوپال یا رعایا کے
خلاف کسی سیاسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے لیکن سکندر بیگم نے خوب جانا کہ کچھ بھی کرنے
سے سیاسی طاقت حاصل کرنے کی موہوم امید بھی جاتی رہے گی۔ سکندر بیگم نے
اپنی تقرری کے بجا ہونے کو ثابت کر دیا ان کی حکومت نہایت کامیاب

ہوئی اور دیگر ریاستہاے ہندوستانی کے لئے ایک نمونہ بنی، ان کو اس بات کا کہ برٹش حکومت ان کی جنس کی طرف سے بدگمان ہی ہمیشہ خیال بلکہ ملال تھا جس بدگمانی کی وجہ سے وہ اب تک اپنے حق سے محروم رہی تھیں اور ان کی حکومت میں علاوہ اور صفات کے ایک سب سے بڑی صفت جو کہا جاتا ہے کہ عورتوں کی حکومت میں نہیں پائی جاتی قوت کی تھی، اون کا نظم حکومت قوی بنیاد پر تھا اور اوس میں ہر پہلو سے قابلیت اور بیدار مغزی کا ثبوت ملتا تھا، کوئی محکمہ ریاست کا ایسا نہ تھا جس کے انتظام کے متعلق وہ خود کو ناقابل سمجھتی ہوں، نہ کوئی محکمہ ایسا تھا جس کے انتظام کو وہ اپنے سے بالا جانتی ہوں۔

لیکن جب وہ وقت قریب تھا کہ وہ اپنے قائم مقامی کے عہدے سے سبکدوش ہوں، قسمت نے پھر پلٹا کھایا، اور ہندوستان میں غدر ہوگیا، اور اس انقلاب اور اوس کی آگ کے فرد کرنے میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے جب اس برٹش حکومت کا قیام جس نے اس کی ہر طرح سے حق تلفی کی تھی معرض خطر میں آگیا، تمام بر اعظم ہندسرکار انگریزی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا، دھلی کا تخت جس سے کہ دوست محمد خاں بانی بھوپال کو اپنی ابتدائی کامیابی کے مواقع حاصل ہوے تھے اور جو عرصہ سے خالی تھا، اب خالی نہ رہا، بلکہ آل تیمور کا ایک شخص اس پر مسلط ہوگیا، صوبہ جات اودھ، فرخ آباد، از سر نو پیدا ہوگئے، جہانگی کی حکومت دوبارہ زندہ ہوگئی، ایک پیشوا کہیں سے پھر نمودار ہوگیا، اور ایک اعلان جنگ ہر طرف جاری ہوگیا ہندوستانی

تحریر قلمی ہر ہائینس نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین

تماشا رسیدنی دارد

جلوہ مفت است دیدنی دارد

عالم افسانہ است و باقی ہیچ

حرف ما ہم شنیدنی دارد

تحریر قلمی ہر ہائینس نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین

بتماشا رسیدنی دارد

جلوہ مفت است دیدنی دارد

عالم افسانہ ست و باقی ہیچ

حرف ما ہم شنیدنی دارد

نواب شاہجہان بیگم

۶ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۳۸ء کو قلعہ اسلام نگر میں ولادت مبارک ہوئی سرکار خلد نشین (نواب سکندر بیگم) ان کی ہر قسم کی تربیت خود ہی کرتی رہیں اگرچہ اس زمانہ میں آجکل کی طرح طریقہ تربیت نے ترقی نہیں کی تھی۔ مگر ایک تعلیم یافتہ ماں جس کو قدرت سے غیر معمولی ذہانت، استقلال و قابلیت اور بیدار مغزی کا حصہ ملا ہو جس طرح اپنی اولاد کی تربیت کرسکتی ہے، اسی طرح سرکار خلد نشین نے تربیت کی خانہ داری وغیرہ کی تعلیم اپنے ذمہ رکھی۔ کتابی اور دینی تعلیم کے لئے اُس زمانہ کے ممتاز علما کو مقرر فرمایا۔ امور ملکی کی تعلیم کے لئے خاص خاص اراکین ریاست مامور کئے اس کے علاوہ سواری اسپ، اور نشانہ بازی کی مشق بھی کرائی جاتی تھی غرض کہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے اپنی خداداد ذہانت، جودت طبع اور شوق و دلچسپی سے بہت جلد یہ کل مراحل تعلیم طے کرلئے۔

دسمبر ۱۸۴۴ء میں (نواب جہانگیر محمد خان کا انتقال ہو جانے کے بعد رسم بھوپال کے مطابق ان کی مسند نشینی بھی اسی طرح منظور کی گئی جس طرح نواب سکندر بیگم کی ہوئی تھی یعنی جسوقت ان کی شادی ہو جائیگی تو انکا شوہر رئیس ہوگا ہم مسند نشین ہوئیں۔

جب وہ سن شعور کو پہونچیں تو اُن کی شادی کے لئے بہت تلاش و جستجو اور غور و خوض کے بعد بخشی باقی محمد خان نصرت جنگ سپہ سالار ریاست کا انتخاب کیا گیا

جن مین ذاتی و موروثی طور پر رئیس و ریاست کی وفاداری کے اعلیٰ جوہر تھے۔

گورنمنٹ سے منظوری ہو جانے اور اس امر کے طے ہو جانے کے بعد کہ وہ برائے نام نواب رہین گے ۱۱ ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ کو شادی ہوئی ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ ۲ جولائی ۱۸۵۸ء روز جمعہ کو نواب سلطان جہان بیگم کی اور ۱۲ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ کو نواب سلیمان جہان بیگم کی ولادت ہوئی۔

۱۳ محرم ۱۲۸۳ھ کو نواب سلیمان جہان بیگم کا انتقال ہو گیا ۱۲۸۴ھ مین نواب امراؤ دولہ باقی محمد خان بہادر نصرت جنگ نے رحلت کی۔

۱۴ رجب ۱۲۸۵ھ کو نواب سکندر بیگم صاحبہ نے وفات پائی اور غرہ شعبان ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۸۶۸ء کو ایوان موتی محل مین نواب شاہجہان بیگم مسند آرائے ریاست ہوئین۔

نواب شاہجہان بیگم ۲۹ سال کی عمر مین بیوہ ہو چکی تھین اور ۳ سال تک بحالت بیوگی مہمات ریاست مین مصروف رہین جب وہ ڈیوک آف ایڈنبرا سے کلکتہ ملاقات کرنے گئین تو اُسوقت کے پولیٹکل ایجنٹ اور کرنل رچرڈ میڈ ایجنٹ گورنر جنرل کے مشورہ سے نکاح ثانی پر آمادہ ہو گئین کیونکہ امور حکمرانی مین ایک قابل اعتماد مشیر اور مددگار کی ضرورت تھی اور عمر کے لحاظ سے لازم تھا کہ ایسا مشیر اور مددگار شوہر ہی ہو اسلئے مولوی جمال الدین خان صاحب مدار المہام ریاست کے مشورہ سے مولوی سید صدیق[۵] حسن خان صاحب کو انتخاب کیا گیا اور ۱۷ صفر ۱۲۸۸ھ مطابق ۸ مئی ۱۸۷۱ء کو اُن سے

۵۔ نواب صدیق حسن خان بہت بڑے عالم تھے تقریباً سو سے زیادہ کتابین انکی مصنفہ اور مولفہ ہین علما کی بڑی قدر کرتے تھے انکی کوشش سے بہت سی نایاب کتابین طبع ہوئین۔ نسب مین سادات بنی فاطمہ سے تھے اُن کے جد اعلیٰ سید جلال بخاری مخدوم جہانیان جہان گشت تھے انکے دادا نواب سید اولاد علی خان بہادر انور جنگ حیدر آباد کے امیر اور جاگیر دار تھے۔

نکاح ہوا نواب شاہجہان بیگم کی سفارش و کوشش سے ان کو نواب والاجاہ امیر الملک کا خطاب اور خلعت فاخرہ سرکار انگلشیہ سے مرحمت ہوا۔ اور اُنکا مرتبہ مثل نوابان بھوپال کے تسلیم کیا گیا۔ پھر دربار دہلی کے موقع پر ۱۷ ایر سلامی کے مقرر ہوئے۔ سلخ رجب ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۸۹۰ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ اور پھر چھبیس ۲۶ سال کے بعد نواب شاہجہان بیگم دوبارہ بیوہ ہوئین۔

نواب شاہجہان بیگم اپنی ولیعہدی کے زمانہ مین اگرچہ ریاست کے مختلف کام جن کو سرکار خلد نشین تفویض فرمایا کرتین انجام دیتی تہین۔ لیکن سفر حجاز کی دوران مین وہ اُس کونسل کی مستقل صدر رہی تہین جو سرکار خلد نشین کی غیبت مین انتظام ریاست کے لئے مرتب ہوئی تھی جب وہ صدر آرای ریاست ہوئین تو ہر کام کے متعلق اُنکو تجربہ تہا اور تمام جزوی و کلی امور ریاست کا علم رکھتی تہین۔ فطرتًا بیدار مغز و رعادتًا جفاکش تہین۔ علمی قابلیت بہی کافی تہی نہایت بیدار مغزی سے حکمرانی شروع کی سرکار خلد نشین کے مختلف سفرون اور اخیر زمانہ کی ناسازی مزاج کے باعث جو کام پڑا رہ گیا اوسکا تصفیہ کیا جدید اصلاحین کین۔ ہر ضلع کے کئی دفعہ دورہ کئے بہت سے ٹیکس معاف کئے۔ قوانین مین اضافہ ہوا۔ اور اصلاح کی گئی ایک مستقل محکمہ وضع قوانین کا بنام تنظیمات شاہجہانی قائم کیا عدالتی اختیارات کی تقسیم کی گئی۔ امن و حفاظت عامہ کے متعلق وسیع انتظامات کئے گئے۔ حفظان صحت کے متعلق خاص توجہ کی۔ ہر تحصیل مین ایک ایک طبیب مقرر کیا اور حسب ضرورت ڈاکٹری شفاخانے جاری کئے۔ شہر خاص مین ایک بڑا شفاخانہ ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز کے نام سے اور عورتون کے لئے ایک مخصوص شفاخانہ لیڈی لینسڈاون کے نام سے قائم کیا۔ اور اس مین دایہ گری کی تعلیم کا بہی انتظام کیا چیچک کے ٹیکہ کا باقاعدہ انتظام فرمایا اور عام ترغیب کے لئے اُن بچون کے واسطے جو ٹیکہ لگائین انعام مقرر کیا۔ تمام رعایا کی اطمینان کی خاطر صاحبزادی بلقیس جہان بیگم

(نواسی) کے ٹیکہ لگایا جذامیون کے لئے سیہور مین ایک شفاخانہ اور مکان تیار کرایا۔ مدرسہ سلیمانیہ جو نواب سلیمان جہان بیگم صاحبہ کی یادگار تہا اوسکو ترقی دی اور ہائی اسکول بناکر کلکتہ یونیورسٹی سے ملحق کرایا۔ اپنے والد کے نام سے مدرسہ جہانگیریہ جاری کیا جسمین صرف قرآن مجید کی تعلیم ہوتی تھی۔ اور اوس کے متعلمین کے لئے وظائف مقرر کئے۔

صاحبزادی بلقیس جہان بیگم کی یادگار مین لاوارث و یتیم بچون کی پرورش و تعلیم کیلئے مدرسہ بلقیسی قائم کیا۔ مخصوص تعلیمی کتابون کے لئے مطبع شاہجہانی قائم کیا گیا۔ اس مطبع سے ایک اخبار بھی شائع ہوتا تہا، ایک نہایت رفیع الشان سرا سرکار خلد نشین کے نام سے تعمیر کرائی جو اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ ملکہ معظمہ کی جوبلی کی خوشی مین اُن حصون کے سیراب کرنے کے لئے جہان واٹر ورکس سے پانی نہین پہونچتا تہا اور قرب وجوار کے دیہات کی آب پاشی کے واسطے ایک نہر نکالی اور بہ کثرت پل۔ گہاٹ اور کنوئین بنوائے سلسلۂ تار برقی قائم کرایا۔ اور اجین، بھوپال، جہانسی اور اٹارسی کے مابین اجرائے ریلوے مین شرکت کی جس سے علاوہ سفر اور تجارت کی سہولتون کے ہر سال تین چار لاکھ روپیہ اوسطاً ریاست کو منافع ملتا ہے۔ سڑکون مین توسیع کی۔ ڈاک بنگلے تعمیر کرائے غریبون اور ناقابل کار اشخاص کی امداد (بصورت نقد وجنس) کے لئے محکمے قائم کئے۔

عمارتون سے اونکو خاص شوق تہا اور اپنے زمانہ مین بہت سی عمارتین بنوائین جن کی فہرست نہایت طولانی ہے۔ صرف بڑی بڑی عمارتون کا تذکرہ اس سلسلہ مین کیا جاتا ہے۔

شاہجہان آباد مین تاج محل، عالی منزل، اور بے نظیر اپنی اقامت وضروریات کے لئے تعمیر کرایا۔ ان کی تیاری وتکمیل پر بے دریغ روپیہ صرف ہوا۔ اور ہر حالت وحیثیت سے یہ نہایت خوب صورت اور عالی شان عمارتین تیار ہوئین۔

تاج محل حضور ممدوحہ کی سکونت کا خاص محل تھا اس کا دروازہ لداؤ کا ہے اور اسقدر چوڑا ہے کہ اس مین چوکڑی بآسانی گھوم سکتی ہے۔ اس محل مین متعدد کمرے اور ہر کمرہ مختلف رنگون سے رنگا ہوا رہتا تھا جس مین اسی کے رنگ کے مطابق فرنیچر آراستہ کیا جاتا تھا۔ اپنے اعلیٰ مذاق کے لحاظ سے اس محل مین ایک عمارت ساون بھادون کے نام سے تیار کرائی تھی جو نہایت تفریح کی جگھہ تھی۔

سلسلہ محل مین ایک پائین باغ لگایا اور اس مین دو درجے قائم کئے۔ اوپر والے درجہ مین ایک عمارت ۴۷ محراب کی عالی منزل کے نام سے موسوم ہے عمارت کے سامنے میدان ہے جو مختلف قسم کے خوشنما گملون سے آراستہ ہے ایک طرف لکڑی کی چند دکانین بنوائی گئی ہین جس مین مینا بازار لگایا جاتا تھا حصہ زیرین مین مختلف قسم کے میودن اور پھلون کے درخت ہین بیچ مین دو گول بنگلے اور شمالی جانب ایک بڑی چھت ہے

ایک سنگین فرن ہوس بھی ہے جس مین متعدد فوارے لگے ہوے ہیں۔ اور انگور کی بیل چڑھی ہوئی ہے۔ اس مین ایک گیلری اور شہ نشین بھی ہے جس پر چڑھنے کے لئے پیچ در پیچ سیڑھیان ہین یہان سے باغ اور فوارون کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

احاطہ عالی منزل سے باہر مغربی جانب اپنی دلچسپی کے لئے ایک زنانہ بازار بنوایا جس کا نام پروین بازار رکھا۔ نئی آبادی مین عام طبقہ رعایا کو بھی مکانات بنانے کی ترغیب دی زمینین عطا کین اور روپیہ کی مدد فرمائی جس سے رعایا کے مکانات کا بھی سلسلہ قائم ہوگیا۔ مغرب و شمال اور جنوب کی جانب فصیل تیار کرائی۔

ان عمارات کے قرب وجوار مین نواب منزل، بارہ محل، امیر گنج، قیصر گنج

مغل پورہ، خواص پورہ وغیرہ چند محلے ہین جن کے مکانات ایک خوش نما سلسلہ مین بنے ہوئے ہین جو اعلیٰ ارکان اور اخوان ریاست سے لیکر ہر حیثیت وطبقہ کے رہنے کے لئے موزون ہین اور وہ ہر طبقہ کی ضرورتون کو پیش نظر رکھکر بنائے گئے ہین۔

ایک بڑے رقبہ اراضی پر نور محل کی نہایت شاندار عمارت تیار کرائی جس نے شاہجہان آباد اور شہر کو بالکل ملا دیا ہے۔

اس حصہ آبادی مین مغرب کی طرف ایک چھوٹا پہاڑ واقع ہے اوسپر ایک نہایت وسیع عیدگاہ بنوائی جس مین زنانہ حصہ بھی رکھا گیا۔جہانگیر آباد مین جو نواب جہانگیر محمد خان بہادر مرحوم کی قائم کی ہوئی آبادی ہے کارخانہ جات ریاست کے مکانات تیار ہوئے اوسی کے قریب پہاڑ پر جیل کی سنگین عمارت بنی جہانگیر آباد سے نصف میل اور آگے کرنل وارڈ کے رہنے کے لئے جو یہان وزیر تھے ایک کوٹھی بنوائی گئی جس مین اب پولیٹکل افسرون اور معزز یورپین مہمانون کا قیام ہوتا ہے یہ عمارت جو لال کوٹھی کے نام سے مشہور ہے نہایت خوب صورت اور وسیع ہے۔

وکٹوریہ لانسرز کی خوش نما بارکین شاہجہان آباد کے قریب بنوائین۔
ان دونون آبادیون کو ایک بازار نے متصل کر دیا ہے ان ہی بارکون کے قریب فصیل کے اندر باڈی گارڈ کے سوارون کی لینین تھین۔

اگرچہ تقریباً تمام فرمان روایان بھوپال نے مساجد تیار کرائین۔لیکن سرکار عالیہ کی بنوائی ہوئی مسجدین سب سے زیادہ ہین۔ان مساجد مین جو سب سے زیادہ عظیم الشان وسیع، اور بلند مسجد ہے اُس کا نام تاج المساجد ہے اور یہ مسجد بالکل جامع مسجد دہلی کے نمونہ پر تعمیر کی گئی ہے۔

زنانہ مسجد کے بھی دو حصے نہایت خوب صورت ہین بھوپال اور آگرہ کا پتھر استعمال کیا گیا ہے۔ستونون اور جنگلون پر نہایت نفیس نقش ونگار ہین دالانون کے کتبے سنگ مرمر پر

سنگ موسیٰ سے پچہ کاری کرکے تیار کئے گئے ہین غرض یہ مسجد اپنے بانی کے حوصلہ اور مذہبی عظمت کی مظہر ہے۔

ڈاکخانہ کا باقاعدہ انتظام کیا جس مین ریاست کے ٹکٹ جاری تھے۔ قواعد اسلحہ نافذ ہوے۔ قیدیون کو صنعتی کام سکھانے کا بندوبست کیا گیا۔ ریاست کی ٹکسال مین انکا خاص سکہ مسکوک ہوتا تھا لیکن ۱۸۹۲ء مین جب گورنمنٹ ہند کے مشورہ اور ایما سے سکہ کا جدید انتظام ہوا تو ریاست کی دار الضرب بند ہو گئی۔ ایک کاٹن مل بھی جاری کی۔

۱۸۶۸ء سے ۱۹۰۰ء تک ریاست کو تین قحطون کا مقابلہ کرنا پڑا ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۰ء کے قحط نہایت سخت تھے ان قحطون کی مصیبت کو کم کرنے کے لئے نواب شاہجہان بیگم نے نہ صرف امدادی کام ہی جاری کئے بلکہ خزانہ سے رعایا کو مختلف صورتون مین اتنی امداد دی کہ جس کا خزانہ متحمل نہین ہو سکتا تھا۔

فوج کی اصلاح پر بھی خاص توجہ کی اور اگرچہ اُن کو بجز غدر کے حالات دیکھنے اور معلوم کرنے کے کوئی اور فوجی تجربہ نہ تھا لیکن فطری دلچسپی اور شوق نے اس صیغہ مین بھی ترقی دی۔ انھون نے فوج کی تنخواہ مین اضافہ کیا۔ باڈی گارڈ کی اصلاح کی اور اسکے لئے خوشنما وردی منتخب کی۔ عربی گھوڑے داخل کئے بیلون کے توپ خانہ کی جگہہ عمدہ قسم کے ویلر گھوڑون کا توپ خانہ بنایا۔ قلعہ فتح گڈھ مین میگزین قائم کیا۔ اُنھون نے کلکتہ کے قیام کے زمانے مین سلح خانہ کو دیکھا تھا اور بہت پسند کیا تھا۔ بھوپال آکر خود ایک اسلحہ خانہ قائم کیا اُس مین قسم قسم کے اسلحہ نہایت قرینہ سے رکھوائے۔

ملکی اور جنگی فوج کو جداگانہ حصوںمین تقسیم کرکے اُنکے علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کئے۔ فوجی لائنون کی تجدید کی۔ فوج مین بالکل معمولی قسم کا باجہ تھا اس کی جگہہ عمدہ بینڈ رائج کیا فوج کی پنشن کا قاعدہ مقرر کیا۔ ضعیف اور ناقص الاعضا سپاہیون کی پرورش کا خاص

انتظام فرمایا۔

۱۸۸۵ء مین جب لارڈ رابرٹس کمانڈر انچیف بھوپال تشریف لائی تو فوج کا معائنہ کرکے بہت خوش ہوے اور بہت تعریف کی۔

۱۸۹۰ء مین پانچ سو سوارون کا امپریل سروس ٹروپ قائم کیا جو نہایت اعلیٰ درجہ کے سازوسامان سے مرتب کیا گیا۔

امور مذہبی کا ایک جدید محکمہ قائم کیا۔ کئی لاکھ روپیہ صرف کرکے شہر کی اکثر مسجدون کو پختہ کرا دیا۔ ملک محروسہ کی ہر ایک مسجد مین امام موذن، جاروب کش مقرر ہوے جو پنج وقتہ اذان وجماعت کے اہتمام رکھنے کے ذمہ دار قرار دیے گئے۔ روشنی اور جانمازون کا اور جاڑون مین گرم پانی کے واسطے ہر مسجد مین لکڑی فراہم کئے جانیکا انتظام کیا شہر کی تمام مساجد کی نگرانی کے لئے ایک افسر کا مہتمم مساجد کے نام سے اور ضروری عملہ کا تقرر عمل مین آیا ماہ صیام مین جو حفاظ کہ تراویح مین کلام مجید ختم کرین اُنکو انعام اور حاضرین کو شیرینی اور کھانا تقسیم کیا جانا۔ اور دیگر تمام مصارف کا جو مساجد کے لئے ضروری ہین ریاست سے عطا کیا جانا منظور فرمایا۔ سرکار خلد نشین کے زمانہ سے حرمین شریفین مین غربا کو کچھ امدادی وظائف دیے جاتے تھے ان مین اس قدر توسیع کی کہ ان کے انتظام کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کرنے کی ضرورت ہوئی اور ہر سال ایک قافلہ سرکاری خرچ سے جانے لگا۔

حصول ثواب ورد بلا کے لئے ایک ختم خانہ قائم کیا جس مین متعدد اشخاص محض اس لئے ملازم رکھے گئے کہ وہ اوقات معینہ پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہین اور احادیث نبوی کا ورد رکھین مسند آرائی ریاست سے قبل سرکار خلد نشین کے ساتھ جبل پور، الہ آباد، اور آگرہ کے دربارون مین شرکت کی تھی اور ہندوستان کے مختلف شہرونکی سیر کرکے بہت سی نئی باتین اور تجربات حاصل کئے تھے۔ اس کے بعد کلکتہ مین

THE SHAH JEHAN BEGUM.

ڈیوک آف ایڈنبرا اور گورنر جنرل سے ملنے تشریف لے گئین - اور کلکتہ کے عجائب وغرائب کا ملاحظہ کیا۔ ۱۸۷۲ء مین لارڈ نارتھ بروک سے بمبئی مین ملاقات کی اس موقع پر ایک بڑا دربار عطا خطابات کا منعقد ہونے والا تھا۔ اس دربار مین اُن کو بھی جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دیا گیا تھا۔ بمبئی سے سورت اور احمد آباد تشریف لے گئین اور وہان کی یادگارون کو دیکھا۔ ۱۸۷۵ء مین ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز (ہز امپریل مجسٹی کنگ ایڈورڈ) سے کلکتہ مین ملاقات کی اور ان کے استقبال مین شریک ہوئین۔ ملاقات کے موقع پر تحائف کا بھی تبادلہ ہوا۔ ان تحائف مین خود سکندر ممدوحہ کی دستکاری کی بھی بعض اشیاے نادرہ تہین -

۱۸۷۶ء مین دربار قیصری کی شرکت کی غرض سے دہلی تشریف لے گئین - چونکہ اس زمانہ مین پردہ مین رہتی تہین اس استقبال مین شرکت سے مستثنےٰ فرمائی گئین - ملاقات کے موقع پر لارڈ لٹن نے تاج ہند کا تمغہ اور ایک نشان دیا جو ملکہ معظمہ نے نواب شاہجہان بیگم کو مرحمت فرمایا تھا۔ اس موقع پر لارڈ لٹن نے ایک مختصر تقریر کی جس مین کہا کہ -

> "یہ نشان اور تمغہ آپ کو دیتے ہوے مین بہت مسرور ہون اور امید ہے کہ آپ اس کی عزت کرین گی - اور آپ اور آپ کے جانشین بطور یادگار دوستی قیصرہ ہند رکھین گے - اور آپ ان کو ایک یادگار اس دربار شاہنشاہی کی جس مین ملکہ انگلستان وہندوستان نے خطاب قیصرۂ ہند اختیار کیا ہے تصور کرتی رہین گی اور جب کبھی یہ نشان کھولا جائیگا تو تخت انگلستان اور آپ کے راسخ العقیدت اور شاہی خاندان مین جو رابطہ اتحاد ہی صرف وہی آپ کو یاد نہین آئیگا بلکہ یہ بات بھی یاد آئیگی کہ دولت علیہ انگلشیہ کی عین تمنا ہے کہ آپ کا خاندان ہمیشہ طاقتور، اقبال مند اور قائم رہے "

اسی تقریر مین نواب صدیق حسن خان کی سلامی و استقبال کے متعلق بھی اعلان کیا
سنہ ۱۸۸۲ء عالیہ کو علیا حضرت قیصرہ ہند کی طرف سے ایک کرچ معہ لوازمہ کے عطا کی گئی۔ جو جھنڈا
کہ اس موقع پر عطا ہوا تہا اس کے پھریرہ پر حضور ممدوحہ کی استدعا سے قلعہ فتحگڈہ کے ایک
برج کی شکل بھی بنادی گئی جو خاندان بھوپال کی قوت و عظمت کی ایک یادگار ہے۔

سنہ ۱۸۸۲ء مین لارڈ رپن کے زمانہ مین پھر کلکتہ کا سفر کیا۔ اور پچیس دن تک قیام رہا
پھر سنہ ۱۸۹۳ء مین شملہ اور سنہ ۱۸۹۵ء مین کانپور مین لارڈ لینسڈون سے پرائیوٹ ملاقاتین ہوئین
سنہ ۱۸۸۹ء مین لارڈ رابرٹس کمانڈر انچیف عساکر ہند اور سنہ ۱۸۹۱ء مین لارڈ لینسڈون
ویسرائے ہند بھوپال مین آئے ریاست کو یہ پہلا موقع ویسرائے کی مہمانداری کا تھا
اس موقع پر اگرچہ نواب صدیق حسن خان کے انتقال کا صدمہ تازہ تھا تاہم نواب شاہجہان
بیگم نے بڑے حوصلہ مندی اور بڑے اعلی پیمانہ پر استقبال اور مہمانداری کا انتظام کیا
اس کے علاوہ شہر کی آرائش و پیراستگی ایسے سلیقہ اور نفاست سے کی گئی تھی جو اپنی
نظیر آپ ہی تھی۔ اسٹیٹ ڈنر مین نواب شاہجہان بیگم نے اپنی تقریر مین نہایت فصاحت
اور جوش مسرت کے ساتھ ویسرائے ہند کا خیر مقدم کیا اور جام صحت کی تحریک کی
لارڈ لینسڈون نے اپنی جوابی تقریر مین نواب شاہجہان بیگم کی بیدار مغزی اور ریاست
بھوپال کی وفاداری وغیرہ کا تذکرہ کیا۔

پھر سنہ ۱۸۹۲ء مین لارڈ لینسڈون اسٹیشن سے گذرتے ہوئے چند گھنٹون کے لئے
مہمان ہوئے سنہ ۱۸۹۵ء مین لارڈ ایلگن اور سنہ ۱۸۹۹ء مین لارڈ کرزن مہمان ریاست ہوئی
حسب سابق ان کی مہمانداری کا انتظام ہوا معمول کے مطابق ڈنر پر تقریرین ہوئین اگرچہ
اُن تمام تقریرون مین قابلیت و بیدار مغزی اور ہمدردی رعایا کا اعتراف ہے لیکن
اس موقع پر لارڈ کرزن کی تقریر کا وہ حصہ خاص طور پر درج کیا جاتا ہے جس مین شکریہ
مہمانداری اور اوصاف ذاتی کے بیان کرنے کے ساتھ حکومت نسوان کے متعلق اظہار

خیال کیا ہے۔

ویو یور ہائینس لیڈیز و جنٹلمین ! سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کو جن کی مہمانی کی مسرت آج کی رات ہم سب کو حاصل ہے فصیح البیانی کی جو صفت نمایان قدرت سے عطا ہوئی ہے وہ ان کی فیاضانہ مہمان نوازی کی صفت سے کچھ کم نہین ہے انھون نے میری اور لیڈی کرزن کے جام تندرستی تجویز فرمائے مین جن محبت آمیز الفاظ کا استعمال فرمایا ہے وہ ایک ممتاز ہندوستانی ریاست مین ہمارے پہلے پہل سرکاری دورہ کرنے کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

مجھے اس بات کے خیال کرنے سے بہت اطمینان ہوتا ہے کہ جس خاص ریاست نے ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے اوس کی فرمان روا وہ رئیسہ ہین جنھون نے اُس خاندانی روش کے برقرار رکھنے کے علاوہ جو تاج برطانیہ کے ساتھ ان کی والدہ ماجدہ کے وفادارانہ برتاؤ سے ممتاز ہو گئی ہے۔ اپنے تیس سال سے زائد کے زمانہ حکومت مین بہ لحاظ ایک ایسے طرز انتظام کے شہرت حاصل کی ہے جو روشن خیالی اور خلق اللہ کی بہی خواہی پر مبنی ہی۔ اگر اتفاقات مشیت سے فرائض حکمرانی ایک عورت کے ہاتھ مین آجائین تو یہ کوئی ضروری اور لازمی بات نہین ہی کہ عنان حکومت ضعیف و متلون مزاج اشخاص کے سپرد ہو جاے اس امر کا ثبوت ہمارے اپنے پیارے بادشاہ حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دامت سلطنتہا کے حالات زندگی سے مل سکتا ہے اور نہ ہم ایسے نادر حالات حالات کا نمونہ اگرچہ اوس سے کسی قدر مختصر درجہ پر ہو ان دونو بیگمات کے حالات مین جن دونون نے نصف صدی سے زیادہ ریاست بھوپال پر حکومت کی ہے پانے سے ناکام رہ سکتے ہین۔

سرکار عالیہ کی والدہ ماجدہ جیسا کہ مین کہہ چکا ہون نہ تنہا اپنی وفاداری

گورنمنٹ کے لحاظ سے مشہور نہیں بلکہ وہ ایک قابل حکمران کی حیثیت سے ممتاز رہی ہیں۔

اسیطرح بیگم صاحبہ حال کا زمانہ حکومت انتظامی تدبیر اور ذاتی فیاضی کے بہت سے

کاموں کے لیے یادگار رہیگا علاوہ اس کے اس تقریر سے جو انھوں نے ابھی

فرمائی ہے مین یہ نتیجہ نہایت مسرت سے استنباط کرتا ہوں کہ ان کو اپنی رعایا کی فلاح

وبہبودی سے جو سرگرم دلچسپی رہی ہے وہ کچھ ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ اب بھی ان کی

فائدہ رسانی کی تجاویز سوچتی اور ان پر عمل کرتی رہتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو

اُن کی ریاست کی خوشحالی کا سبب ہوگی۔"

اگرچہ ہمیشہ سلطنت ہند کی تمام قائم مقاموں پولیٹکل ایجنٹوں نے وبیسرایان ہند تک نے نواب شاہجہان

بیگم کی وفاداری اور قابلیتوں کی اعتراف کیا ہے اور نواب شاہجہان بیگم نے مدت العمر سلطنت برطانیہ

اور ذات شاہی کی وفاداری وعقیدت مین اپنے عمل ہی خلوص وصدق کا اظہار کیا

لیکن ۱۸۸۵ء سے ۱۸۸۹ء تک ایسا زمانہ گذرا جس مین نواب شاہجہان بیگم اور اُس زمانہ کی ایجنٹ گورنر جنرل

سر لیپل گریفن مین سخت کشیدگی پیدا ہوگئی اور اسکا اثر ریاست اور گورنمنٹ کی تعلقات پر پڑا۔ اور ریاست مین گورنمنٹ

کی ایک عرصہ تک مداخلت رہی۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ عقد کی بعد نواب صدیق حسن خان کو روز بروز امور ریاست مین

دخل و اقتدار ہوتا گیا لیکن وہ سیاست اور حکومت کا دماغ نہین رکھتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا بددل

ہوئی، انتظام ملک مین خرابی پڑی، اعزا و اراکین ریاست سے بگاڑ ہوا۔ ماں (نواب شاہجہان بیگم) بیٹی (نواب

سلطان جہان بیگم) مین کشیدگی ہوئی اور نواب شاہجہان بیگم اُن تمام مسرتون سے جو اولاد کی ذات سے وابستہ

ہوتی ہین محروم ہوگئین۔ رفتہ رفتہ ایجنسی در زیڈنسی سے بھی تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ اُنکی تصنیفات مین سے

بعض کتابوں کے اندر کچھہ ایسے بیانات درج تھے جن کو سیاست ملکی کے خلاف سمجھا گیا۔

بالآخر گورنمنٹ نے ان تمام امور پر توجہ کی اور وزیر ہند کی منظوری سے یہ حکم

صادر کیا کہ :-

"بوجہ بدانتظامی بھوپال و ظلم کے جو ریاست کی رعایا پر بوجہ مداخلت صدیق حسن خان شوہر

بیگم صاحبہ کے ہوا ہے (اول) یہ کہ خطاب نواب والاجاہ امیرالملک
واپس لے لیا گیا اور منسوخ ہوگیا (دوم) یہ کہ سلامی ۱۷ ضرب
توپ کی جو سرکار انگریزی کے علاقہ مین اُن کو ملتی تھی وہ موقوف
ومنسوخ ہوئی (سوم) یہ کہ محمد صدیق حسن خان کو صریح یا غیر صریح،
علانیہ یا مخفی طریق سے مداخلت کرنا منع ہے اور اگر بعد سنائے جانے
ان احکام کے وہ صریح یا غیر صریح علانیہ یا مخفی طریق سے مداخلت کرینگے
تو اوس کے نتیجے اُن کے حق مین سنگین ہون گے (چہارم) جناب بیگم صاحبہ کو
ایما ہوا ہے کہ وہ ایک جوابدہ اور لئیق مدار المہام مقرر فرمائین کہ جسکو
جناب نائب السلطنت بہادر پسند فرمائین"

اس حکم سے نواب شاہجہان بیگم کو سخت رنج وملال ہوا اور اُنھون نے
نہایت حوصلہ، دلیری اور قابل مثال عزم کے ساتھ اس حکم کے خلاف کوشش شروع کی
لیکن جو لوگ کہ دیسی ریاستون اور گورنمنٹ کے تعلقات سے واقف ہین وہ
اچھی طرح سمجھ سکتے ہین کہ اُس زمانے مین کسی ایجنٹ گورنر جنرل کی کارروائی کے
خلاف کسی رئیس کا کامیاب ہونا کس قدر ناممکن تھا نواب شاہجہان بیگم نے نواب
صدیق حسن خان کی حمایت مین اپنے پورے اقتدار اور اثر ہی سے نہین بلکہ دلائل
اور براہین اور کاغذات سرکاری سے بھی مدد لی لیکن اُن کو پوری کامیابی نہین ہوئی
تاہم وہ اس حد تک کامیاب ہوئین کہ سرکاری تحریرون مین مولوی صدیق حسن خان
کے نام کے ساتھ "نواب صاحب مرحوم شوہر رئیسہ لکھا جانا منظور رہا" اس مین
شک نہین کہ خواہ بجا حمایت ہو یا بیجا نواب شاہجہان بیگم نے ان کوششون مین
زنانہ استقلال اور شوہر کی محبت کی ایک حیرت انگیز مثال دنیا کے سامنے پیش کی۔
وزیر با اختیار کے تقرر کے بعد نواب شاہجہان بیگم شکستہ دل ہوگئی نہین
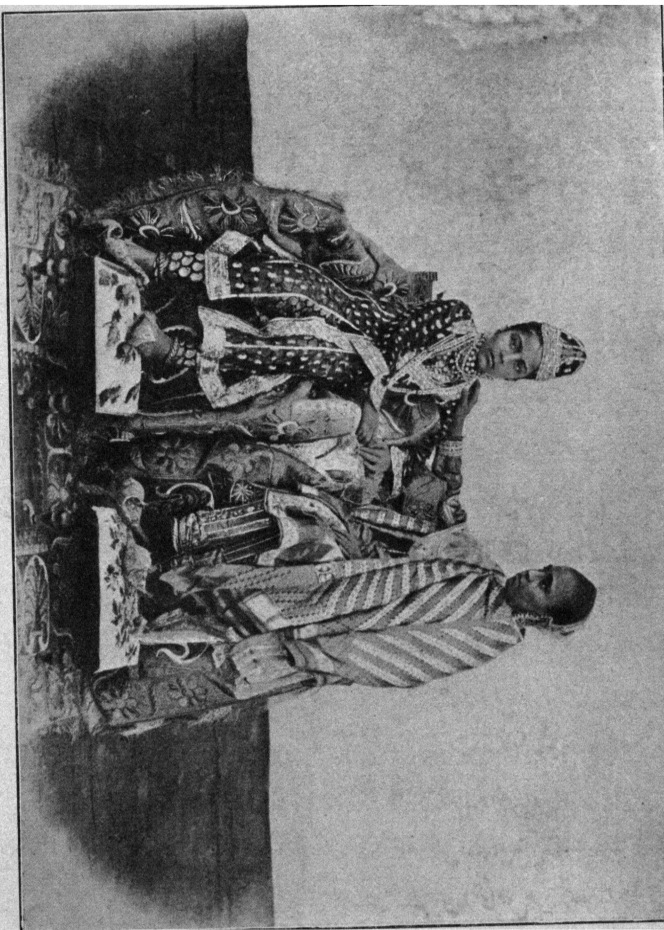
THE SULTAN JEHAN BEGUM. THE SHAH JEHAN BEGUM.

اور انھون نے وزیر ریاست پر بہت زیادہ اعتماد کر لیا تھا۔ کرنل وارڈ کے بعد منشی امتیاز علی خان صاحب وکیل لکھنؤ وزیر مقرر ہوئے لیکن ان کے زمانہ مین ریاست کو ہر حیثیت سے نہایت سخت نقصانات پہونچے۔ خصوصاً مالگذاری مین بہت کمی ہو گئی رعایا پر مختلف صورتون مین تباہیان آئین۔ دوسری طرف وزیر کی یہ سازش بھی بہت کارگر ثابت ہوئی کہ نواب شاہجہان بیگم ملک کے اصلی حالت سے ناواقف رہین لیکن جب اُن کو اصلی حالات پر آگاہی ہوئی اور قریب تھا کہ وہ وزارت کی کارروائیون پر کوئی توجہ کرین تو اس عرصہ مین وزیر کا انتقال ہو گیا ان کے بعد مولوی عبد الجبار خان۔ سی، آئی۔ ای۔ وزیر ریاست مقرر ہوے اور اُن کے تقرر کے بعد اصلاحات شروع ہوئین۔

نواب شاہجہان بیگم کے تذکرہ مین ایک افسوس ناک واقعہ اُس کشیدگی کا ہے جو اُن کے اور نواب سلطان جہان بیگم کے درمیان ۲۷ سال تک رہی اس کشیدگی کے اسباب مین بڑا حصہ اُن اشخاص کا تھا جن کو دنیا کی ہر چیز اپنے ہی لئے مطلوب ہوتی ہے اور جو حقدارون کے حقوق کو طرح طرح کے حیلون اور فریبون سے پامال کر ڈالتے ہین اور اپنے حصول منفعت کے لئے کسی اخلاق اور کسی قانون کی پابند نہین ہوتے۔ نہ آخرت کا خوف رکھتے ہین۔ نہ دنیا کی شرم۔ ایسے اشخاص کا ایک گروہ جس مین مرد عورت دونون شامل ہین، نواب شاہجہان بیگم کا حاشیہ نشین تھا۔ اور ان مین سے اکثر کو اون کے مزاج مین پورا رسوخ واثر حاصل تھا۔ سب سے زیادہ اثر نواب صدیق حسن کا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہ تھی کیونکہ ہر ملک مین سوتیلے مان باپ کے جو اثرات ہوتے ہین وہ دنیا سے پوشیدہ نہین ہین اور ہر کوشش اور ہر سعی جو رنج وغصہ کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے لئے انسانی امکان مین ہو سکتی ہے نہایت مستعدی کے ساتھ عمل مین لائی جاتی تھی اور اگرچہ ان اشخاص مین ہر شخص کی

اغراض مختلف تھین لیکن اس مقصد مین ہمیشہ سب متحد ہو جاتے تھے کیونکہ ان کی منفعت محض اس رنجش کے قیام ہی پر منحصر تھی ورنہ جو فوائد ان کو حاصل تھے وہ نواب سلطان جہان بیگم اور اُن کی اولاد کی طرف منتقل ہو جاتے۔ اس زمانہ کشید گی مین بہت سے اہم واقعات پیش آتے رہے جن سے مان بیٹی کی زندگی تلخی اور افسوس وحسرت مین بسر ہوئی۔ مگر باوجود اس غم وغصہ اور رنج وملال کے پھر بھی نواب شاہجہان بیگم کا دل صفا منزل بیٹی کی محبت سے خالی نہ تھا۔

تقریبات اور جشنون کے موقعون پر وہ صرف بیٹی کی یاد اور تصور سے افسردہ ہو جاتی تھین اور اکثر عین وقت پر افسردگی کے ساتھ یہ کہکر کہ" اوس سے پیاس نہین بجھتی" اٹھ جاتین انھون نے اپنی نواسی صاحبزادی بلقیس جہان بیگم (مرحومہ) کو ولادت کے وقت ہی سے پالا تھا۔ اور اُن ہی کی ذات نواب شاہجہان بیگم کی آرزون اور تمنائون کی مرکز رہی وہ اون کو سفر وحضر مین اپنے ساتھ رکھتی تھین لیکن صاحبزادی صاحبہ بھی اپنے انتقال سے چند مہینون پہلے جدا ہو چکی تھین۔

کرنل وارڈ جو ان دنون ریاست کے وزیر تھے اپنی ایک تحریر [1] مین اس واقعہ کو اس طرح لکھتے ہین کہ۔

> اگرچہ بیگم اور ولیعہد کے درمیان سخت نا اتفاقی سے علحدگی تھی لیکن بلقیس جہان بیگم اپنی نانی بیگم صاحب کے پاس رہتی تھین اُن کے ساتھ بیگم صاحبہ کو بہت اُنس تھا وہ اس وقت سن بلوغ کو پہونچ گئی تھین صدیق حسن خان نے چاہا کہ انکا نکاح اپنے پسر علی حسن خان کے ساتھ کردین لیکن اس خبر کو ان کی والدین نے بھی سن لیا اور کسی حیلہ سے انکو اپنے محل مین بلا لیا اور پھر بیگم صاحبہ کے پاس نہ جانے دیا بیگم صاحبہ نے

---

[1] پانیر ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۵ء

مجھکو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو بلقیس کو لاؤ اور اگر فوج کی ضرورت ہو تو لیجاؤ ورنہ میری زیست محال ہے۔ اگرچہ مین نے اس کام مین بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اگر اس وقت اس ریاست مین انگریز وزیر نہ ہوتا تو بڑے کشت وخون کی نوبت آتی مجھسے رنجیدگی پیدا ہوئی اور میرے معاملات مین پیچیدگی پڑ گئی مگر مجھکو بیگم صاحبہ سے کچھ رنج نہوا اس لئے کہ بیگم صاحبہ کو نواسی کی مفارقت کی وجہ سے بہت صدمہ تھا میری طرف سے اُن پر اس بات کا کچھ الزام نہین پھر مین نے اصلاح وصفائی کی کوشش کی مگر محل والون نے اسطرح بیگم صاحبہ کے کان بھرے کہ یہ صلح صدیق حسن خان کے حق مین سم قاتل اور زہر ہلاہل ہوگی۔

حیات درکنار بعد ممات بھی بیگم صاحبہ کو بلقیس جہان کی صورت دیکھنا نصیب نہوئی اور میری تمام کوششین بیکار گئین بلقیس جہان کی وفات سے پیشتر ایک روز سلطان جہان بیگم اپنی والدہ کے پاس گئین لیکن رسائی نہ ہوئی اور دروازہ ہی سے واپس آئین اب بلقیس جہان بیگم بیمار ہوئین بہت کچھ علاج کیا گیا کوئی تدبیر فائدہ بخش نہوئی آخر وہ مرحومہ مرگئی بیگم صاحبہ نے جس وقت خبر مرگ نواسی کی سنی ان کی حالت غیر ہوگئی"

نواب شاہجہان بیگم نہایت فیاض رحم دل اور منکسر المزاج تھین ان کا سلیقہ اور مذاق طبیعت نہایت اعلیٰ قسم کا تھا تقریبات اور جشنون کی نہایت شائق تھین اعزا کی تقریبات عموماً اپنے محل مین اور اپنے انتظام سے کیا کرتی تھین رمضان المبارک مین شام کیوقت دل بہلانیکے لئے انہون نے شاہجہان آباد میتا

ایک مینا بازار قائم کیا تہا جسکے لئے پروین منزل کے نام سے ایک سنگین عمارت
بنائی تھی شمال وجنوب مین ذخیرہ سامان کے لئے حجرہ بنائے گئے تہے اور لکڑی کی
دُکانین تیار کی گئی تہین جن پر اعلیٰ قسم کا وارنش کیا گیا تہا تین لاکہ روپیہ کے صرفہ سے
یہ عمارت تیار ہوئی تہی اس بازار مین تمام دوکاندار عورتین ہی ہوا کرتی تہین ہر سال
لاکہون روپیہ کا سامان فروخت ہوجاتا تہا۔ اتفاق سے اس بازار مین آگ لگی
اور باوجود بے انتہا کوشش کے نہ بجھی ایک لاکہ روپیہ کے قریب مال تجارت کا
نقصان ہوا مگر اس نقصان کا کل روپیہ نواب شاہجہان بیگم نے عطا فرمایا۔
انھون نے اپنے زمانہ حکومت مین سب سے پہلا جشن نواب سلطان جہان بیگم
کے تشریح کا کیا تقریباً تین مہینہ تک اس جشن کی مصروفیت رہی تمام رعایا ملک محروسہ
کی دعوتین ہوئین خلعت عنایت کئے گئے شہر اور گرد نواح اور ایجنسی حدود ایجنسی کے
عہدہ دارون اور دیگر یورپین لیڈیز اور جنٹلمینون کی خاص طور پر دعوت ہوئی
چالیس رات تک روشنی وآتشبازی کا سلسلہ قائم رہا بڑی بڑی مجلسین آراستہ
وپیراستہ ہوئین امرا اور جاگیرداران ریاست نے بہی اس جشن مین اپنی طرف سے
تقریبین کین۔ دوسرا جشن تاج محل کی تیاری یا افتتاح کا ہوا یہ محل ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۰۱ھ
کو بنکر تیار ہوا تمام اعلیٰ و ادنےٰ ملازمین اور کل جاگیرداران کو خلعت فاخرہ عطا فرمائے
دہوم دہام سے دعوتین کین جن قیمتی ظروف مین کھانے بھیجے گئے وہ بہی مہمانون
کے ہی حصہ مین آئے غرض کہ کوئی قوم بہی آپ کے خوان کرم سے محروم نہین رہی
ہر قوم کی عورتون کو خلعت و دعوت کے علاوہ ہر قسم کا مرصع طلائی اور نقرئی زیور
بہی عطا ہوا اس جشن کے صرفہ کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک
رنگریز نے جسکو ضروری کپڑون کے رنگنے کا ٹھیکہ دیا گیا تہا اجرت کے دس ہزار روپیہ
حاصل کئے تہے۔

تیسرا جشن میاں قدرت محمد خان (مرحوم) کی بسم اللہ کا تھا آرائش شہر اور چراغان کا خاص اہتمام تھا عام خلعتوں اور دعوتوں کا تو کوئی اندازہ نہیں صرف اُن شعرا کو ہی بیس ہزار روپیہ دیے گئے تھے جنھوں نے قصائد تہنیت پیش کیے تھے۔

چوتھا جشن باغ نشاط افزا میں گلابی جشن کے نام سے کیا گیا تھا۔ اس جشن کی یہ خصوصیت تھی کہ تمام بڑے بڑے تختوں میں گلاب کے پھول نظر فریبی کے ساتھ دماغوں کو معطر کر رہے تھے باغ کے ہر درخت کو مصنوعی پھول پتوں سے گلاب ہی کا درخت بنا دیا گیا تھا شرکائے جشن گلابی پوشاک پہنے ہوئے تھا کوٹھیاں اور بارہ دری تک گلابی رنگ کی تھیں غرض ہر طرف گلاب ہی گلاب کھلا ہوا تھا ان کی یہ فیاضیاں ان جشنوں اور دربار کے متوسلین ہی تک محدود نہ تھیں بلکہ ہر موقع پر ان کا جلوہ نظر آتا تھا۔ مثلاً انھوں نے بمبئی و کلکتہ کے ہسپتالوں جنگ فرانس و جرمنی کے مجروحین اور جنگ افغانستان کے مقتولین کی بیواؤں کی فنڈوں میں بھی گرانقدر چندے عطا فرمائے

جنگ کریمیا کے مجروحین عساکر عثمانیہ کی امداد[علیہ] بعد میں ایک لاکھ روپیہ مرحمت کیا آئرلینڈ مدراس گوالیار و حصص ہند کے قحطوں میں وقتاً فوقتاً بیش قرار رقمیں عنایت کیں۔

نواب شاہجہان بیگم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ علم کی قدرشناس تھیں اور علمی کاموں میں بھی ایسی ہی فراخ دلی کیساتھ حصہ لیتی تھیں مطبع شاہجہانی سے لاکھوں قرآن مجید طبع کرا کر مفت تقسیم کرائے۔

نیل الاوطار، فتح البیان، تفسیر ابن کثیر، روضۃ الندیہ، نزل الابرار، جلاء العینین، فتح الباری۔ جو نہایت نایاب کتابیں تھیں ان کے طبع و اشاعت میں زر کثیر صرف فرمایا

---

۵۱ اس امداد کے شکریہ میں شہنشاہ فرانس نے تمغہ اور خط بھیجا۔

۵۲ سلطان المعظم نے تمغہ مجیدی درجہ اول عطا کیا اور اس کے ساتھ فرمان بھیجا

سائنٹفک سوسائٹی علیگڑھ کی سرپرست تھین۔ کالج کی مسجد کو بھی دس ہزار روپیہ عطا فرمائے۔ خود بھی مصنفہ تھین۔ تہذیب النسوان خزینۃ اللغات ان کی مشہور تصانیف ہین ایک اور مذہبی کتاب بھی تصنیف فرما رہی تھین لیکن وہ پوری نہ ہوسکی وہ شاعرہ بھی تھین تاجور اور شیرین تخلص کرتی تھین۔ مثنوی صدق البیان، تاج الکلام، اور دیوان شیرین ان کی شاعری کی یادگار رہین۔

ان تینون کتابون کے متعلق ہز ہائینس سرکار عالیہ نے حیات شاہجہانی مین تحریر فرمایا ہے۔ "اُن کے دو مطبوعہ دیوانون مین کچھ غزلین وغیرہ ان کی ہین اس مین شک نہین کہ وہ شاعرہ تھین لیکن نہ ایسی فرصت تھی اور نہ طبیعت کا یہ رنگ تھا کہ ایک ایسے عامیانہ مذاق مین جو ان دیوانون مین جا بجا پایا جاتا ہے وہ شعر و سخن کہتین۔ ان کی تہذیب کا معیار نہایت اعلیٰ تھا۔ ان کے ہر فعل و قول مین کامل متانت بھری ہوئی تھی۔ وہ کوئی صوفیانہ بات کبھی منھ سے نہین نکالتی تھین۔ یہ صحیح ہے اور بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ بعض درباری لوگون نے جو رسوخ پا گئے تھے ان کے نام سے ایسی غزلون اور اشعار کو مستزاد کر کے طبع کرایا اور سرکار عالیہ نے اپنی خلقی مروت و چشم پوشی سے خاموشی اختیار کی یا ان کے ملاحظہ مین دیوان پیش نہ ہوئے"

سنہ ۱۹۰۱ء مین ان کو مرض سرطان ہوا جو بائین رخسار کے اندر نمودار ہوا اور گیارہ ماہ سخت تکلیف مین مبتلا رہین۔

اس علالت کے دوران مین جب کہ ان کو اپنی زندگی سے مایوسی پیدا ہو چلی تھی انھون نے اپنی رعایا کے نام ایک حسرت انگیز اعلان شائع کیا۔ اس اعلان سے جہان اُن کی اور بہت سی صفات پر روشنی پڑتی ہے وہان یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُن کو حقوق العباد کا کس قدر خیال تھا اور رعایا کے حقوق کو کس قدر اہم جانتی تھین۔ اشتہار کا

مضمون حسب ذیل ہے۔

اعلان

وزیر صاحب ریاست کو معلوم ہو کہ مجھکو قریب ہشت ماہ سے جو مرض ہے
اس مین ابھی تک کچھ کمی نہین اس لئے آپ شہر اور مضافات مین ملازمین
ور رعایا برایا وغیرہ کو اس بات کا اعلان کردین کہ اس مدت مین و سہ سال مین
اگر مجھ سے احیاناً کسی پر کچھ جبر و ظلم ہو گیا ہو تو وہ للہ معاف کرے اور
میری صحت کے واسطے سب دعا کرین۔ مورخہ ۱۲ شوال ۱۳۱۸ھ

یہ غالباً پہلی مثال ہے کہ کسی حکمران نے اس طرح اپنی رعایا سے عام معافی کی استدعا کی ہو جس وقت اشتہار جاری ہوا اور مناظر عام پر چسپان کیا گیا اور لوگون نے پڑھا تو اسوقت لوگون کے دلون پر جو اثر تھا وہ کسی طرح تحریر مین نہین آسکتا۔ ہر دل بے چین تھا اور ہر آنکھ اشکبار تھی اور لوگ اُن کی صحت کی دعائین مانگ رہے تھے لیکن موت کا وقت آچکا تھا ۲ صفر ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۰۱ء دن کو بارہ بجکر ۵ منٹ پر ۶۳ سال کی عمر مین رحلت فرمائی اور چار بجے اسلامی سادگی کے ساتھ باغ نشاط افزا مین دفن کی گئین اس حادثہ عظمیٰ پر تمام ملک پر افسوس و رنج چھا گیا اور ۲۰ جون کو گورنمنٹ آف انڈیا کا غیر معمولی گزٹ شائع ہوا جس مین ہز اکسلنسی لارڈ کرزن نے مندرجہ ذیل الفاظ مین اپنے افسوس کو ظاہر کیا تھا۔

"حضور وائسراے و گورنر جنرل کشور ہند کو با جلاس کونسل نہایت افسوس
کیساتھ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہر ہائنیس نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیہ بھوپال
رئیس ولا و اعظم طبقہ اعلاے ستارہ ہند، و ممبر شاہنشاہی سلسلہ کروان آف انڈیا
نے انتقال فرمایا آپ ۳۳ برسون کے عرصہ مین جو ان کے دوران حکمرانی مین

صرف ہوئے۔ انہون نے اپنے نامور پیشرو ہر ہائینس نواب سکندر بیگم صاحبہ
کی رفتار اختیار کر کے پوری قابلیت سے قدم بقدم تقلید کی انہون نے
اپنے ملک کا انتظام نمایان لیاقت اور کامیابی کیساتھ کیا۔

نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کا نام فیاضی اور رحم دلی مین مشہور ہے
انہون نے اپنے خاندان کی مسلسل وفاداری کو جو شاہنشاہی مقاصد
کے لئے جوش اور ہمدردی کے ظاہر کرنے مین ہمیشہ ممتاز رہا ہے عملی اور برقرار رکھا۔

نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کی وفات نے رعایاے بھوپال کے سر سے
ایک منصف مزاج، اور رحم دل حکمران کو اٹھا لیا، اور تاج برطانیہ کا ایک
بڑا وفادار اور ماتحت ممبر جاتا رہا۔"

حصۂ دوم

حالات

علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاجِ ہند

جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای وجی، بی، ای،

فرماں روائے بھوپال دام اقبالہا

atest Portrait of H. H. the Begum of Bhopal

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواب سلطان جہان بیگم اَدَامَ اللہُ مُلکَھَا وَاِقبَالَھَا

عام حالات

(ولادت سے ولیعہدی تک)

ولادت ہر ہائینس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج ہند جی، بی، ای، جی، سی، ایس، آئی و جی، سی آئی، ای، فرمانروائے بھوپال دام ملکہا ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ = ۹ جولائی ۱۸۵۸ء کو دار الریاست بھوپال کے ایوان موتی محل میں پیدا ہوئیں۔

ہر ہائینس سلسلۂ فرمانروایان بھوپال میں گیارھویں فرمانروا اور سلسلۂ فرمانروا بیگمات میں چوتھی اور اس سلسلۃ الذہب میں دسویں بیگم ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت تمام خاندان اور ملک کے لئے ایک برکت ثابت ہوئی۔ اختتام غدر کے بعد نواب سکندر بیگم نے جو تنبیہی مہم گڈھی آنبا پانی پر بھیجی تھی اور غیر معمولی طور پر اُس کے نتیجہ میں دیر ہو رہی تھی وہ مہم فتح و نصرت کے ساتھ واپس آئی اور یہ حصۂ ملک ولادت کے بعد ہی آپ کی جاگیر میں دیدیا گیا۔

۱۲۷۵ھ میں نواب سکندر بیگم نے اپنے حقوق میں کامیابی حاصل کی اور وہ مسند نشین ہوئیں اور آئندہ کے لئے مسند نشینی کا قاعدہ منضبط ہو گیا غدمات غدر کے صلہ میں ملک محروسہ میں بیرسیہ کا اضافہ ہوا نواب سکندر بیگم اُس فطری محبت سے جو ایک نانی کو نواسی کے ساتھ ہوتی ہے اور اُن برکات کے باعث جن سے ایک خاص قسم کی محبت خود بخود پیدا ہوتی ہے ہر ہائینس کو نہایت عزیز رکھتی تھیں اور سرمایۂ زندگی سمجھتی تھیں۔

تعلیم و تربیت اشخاص کے سوانح اور حالات نے اس امر کو بالبداہت ثابت کر دیا ہے کہ جو انسان آسمان عزت و اقتدار پر آفتاب بن کر چمکتا ہے اور جو دنیا کا مشہور ترین شخص بننے والا ہوتا ہے اُس کے لئے ابتدا ہی سے ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جو اُس کی شہرت اور عزت اور اقتدار کی مخفی قوتوں کی نشو و نما کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر ہائینس کی تعلیم و تربیت کے لئے سرکار خلد نشین کا جن کی فراست و بیدار مغزی، استقلال و حمیت، تدبیر و بیداری اور اعلیٰ قابلیتوں کا اعتراف اس برّاعظم کے ہر ایک

مؤرخ اور سلطنتِ برطانیہ کے ہر ایک مدبر کو ہے بذات خود آمادہ ہونا منجملہ اُن اسباب کے ایک عظیم الشان سبب ہے۔

سرکارِ خلد نشین نے ولادت کے چند ماہ بعد ہی ہر ہائینس کی پرورش اپنی خاص نگرانی میں لی اور غذا سواری، مقامات ہوا خوری وغیرہ کا ایک دستور العمل بنایا اور جب تعلیم کا وقت آیا تو تعلیم کے ہر جزیہ اور کلیہ کو خود ہی قائم کیا۔ حتیٰ کہ تعلیم کا ضابطہ بھی خود معین کیا۔

اردو، فارسی، عربی، انگریزی کے منتخب اساتذہ مقرر کئے۔ دستکاری کی تعلیم کے لئے ہوشیار مغلانیاں مامور کی گئیں۔ شہسواری اور نشانہ بازی کے لئے بھی باکمال تعلیم دینے والے معین ہوئے۔

غرض تعلیم کا جہاں یہ مقصد تھا کہ ایک حکمران کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہو اُن کی تکمیل ہو جائے وہاں اس مقصد سے بھی کبھی ذہن خالی نہیں رہا کہ جنس نسوان کی بھی وہ تمام خوبیاں مجتمع ہوں جو واجبات و فرائض منزلی میں ہر درجہ اور حیثیت کی عورتوں کے لئے ضروری ہیں۔ اسی کے ساتھ اصول مذہب کی عظمت اور فرائض مذہب کی پاسداری جو بمقابلہ تعلیم کے مثال و تربیت سے زیادہ دل نشین ہوتی ہے کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دی اور اس کا درس بذات خاص اپنے ذمہ رکھا۔

سرکار خلد نشین انگریزی سے ناواقف تھیں اس لئے اس تعلیم کا اندازہ ترقی نہیں کر سکتی تھیں اس کے واسطے اُنھوں نے یہ التزام رکھا تھا کہ یورپین احباب کو ہر ہائینس کا امتحان لواتیں اور اُن سے رفتارِ ترقی کا اطمینان کرتیں۔

ہر ہائینس کی عمر (۱۰) ہی سال کی تھی اور اس سلسلۂ تعلیم کو پانچ ہی برس گذرے تھے کہ ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ کو سرکار خلد نشین کا انتقال ہو گیا اور تعلیم کا یہ سلسلہ جو سرکار خلد نشین نے قائم کیا تھا منقطع ہو کر دوسرا سلسلہ شروع ہوا۔

سرکار عالیہ فرماتی ہیں کہ:۔

"تعلیم کا جو نظام معین تھا اس میں درہمی و برہمی ہو گئی۔ خوشخطی کی مشق بالکل جاتی رہی۔ اگرچہ قرآن مجید (۱۱) سال ہی کی عمر میں ختم ہو چکا تھا مگر دَور کرتی تھی اور مولوی جمال الدین خاں صاحب بہادر مدار المہام ایک گھنٹہ ترجمہ و تفسیر پڑھاتے تھے۔ مولوی محمد ایوب صاحب بھی ایک گھنٹہ

تعلیم فارسی دیتے تھے۔ دو گھنٹے تعلیم انگریزی ہوتی تھی۔ اسی کے ساتھ میری روبکاری میں صدور احکام کے لئے وہ کاغذات بھی پیش ہوتے تھے جن کی نسبت سرکار خلد مکان کا خاص حکم ہوتا تھا" (تزک سلطانی)

ولی عہدی | نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین کے انتقال کے بعد جب نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ خلد مکان فرمانروائے ریاست ہوئیں تو ہر ہائینس باقاعدہ ولی عہد ریاست تسلیم کی گئیں۔ مراسم صدر نشینی و ولی عہدی ادا کرنے کے لئے ایجنٹ نواب گورنر جنرل بہادر نے بھوپال میں دربار منعقد کیا حسب معمول تقریریں ہوئیں اور ضابطہ کی تمام کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ جب ولی عہدی کا اعلان ہوا تو ہر ہائینس نے اُس کے شکریہ میں ایک موزوں تقریر فرمائی۔ تاریخ عالم میں شاید ہی کوئی ایسی مثال ملے گی کہ ایک یازدہ سالہ شاہزادی نے کسی دربار عام میں اس طرح متانت کے ساتھ بغیر کسی جھجک کے تقریر کی ہو جس نے تمام حاضرین کی زبانوں سے بے اختیار احسنت و مرحبا کے نعرے بلند کرا دیے۔

شادی | ہر ہائینس کی شادی اگرچہ سرکار خلد نشین کے بعد ہوئی لیکن بر کا انتخاب خود سرکار خلد نشین نے ہی فرمایا تھا چنانچہ بہت تلاش و تحقیق اور غور کے بعد دربار آگرہ کے موقع پر نواب احمد علیخاں صاحب بہادر کو منتخب کیا تھا جن کا معزز اور ممتاز خاندان جلال آباد ضلع مظفر نگر میں مشہور اور سلسلۂ نسب خاندان بھوپال سے ملتا تھا۔ اُن کو تعلیم و تربیت کے غرض سے بھوپال لے آئیں۔ چنانچہ شادی کے وقت تک اُن کی باقاعدہ تعلیم و تربیت جاری رہی۔ ۲۳۔ ذیحجہ ۱۲۹۲ھ کو نہایت دھوم دھام اور شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ یہ مبارک عقد ہوا اور نواب صاحب ممدوح کے نام کے ساتھ "نظیر الدولہ سلطان دولہ" کے خطاب کا ریاست کی طرف سے اضافہ ہوا۔

نواب صاحب بہادر نہایت دلیر و شجاع، خلیق و مدبر، فرزانہ و ہوشمند، وجیہ و خوش شمائل تھے اور اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے ہر طرح اُس فخر کے اہل تھے جو ہر ہائنس کے شوہر ہونے کی حیثیت سے اُن کو حاصل ہوا

اولاد | ہر ہائینس کے پانچ اولادیں ہوئیں۔

(۱) صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم صاحبہ ۔ ولادت ۲۴ ۔ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ = ۲۵ اکتوبر ۱۸۷۵ء

(۲) میجر نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر ۔ ولادت ۱۷ ۔ ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ = ۳ ۔ دسمبر ۱۸۷۶ء ۔

(۳) نوابزادہ میجر جنرل حافظ محمد عبید اللہ خانصاحب بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ولادت ۷ ۔ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ = ۲ ۔ نومبر ۱۸۷۸ء

(۴) صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ ولادت ۲۵ ۔ شعبان ۱۲۹۷ھ = ۔ اگست ۱۸۸۰ء

(۵) نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خانصاحب بہادر بی اے ۔ ولادت ۸ ۔ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ = ۹ ۔ ستمبر ۱۸۹۴ء

زمانۂ ولیعہدی کے اشغال | زمانہ ولیعہدی میں ہر ہائنس بچوں کی تربیت جاگیر و محل کے انتظامات اور مطالعۂ کتب میں اپنے اوقات گرامی صرف فرمایا کرتی تھیں ۔ اس زمانہ میں ہر قسم کی ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ۔ اخبارات و رسائل بھی نظر انور سے گذرتے رہتے تھے ۔ کشیدہ و سوزن کاری بھی اشغال میں داخل تھی ۔

فرماں روائی و ملکداری

مسند نشینی | جس وقت نواب شاہجہان بیگم کی خبر انتقال ہر ہائنس کو پہنچی تو آپ فوراً تاج محل میں تشریف لے گئیں وہیں اور اُسی وقت منجانب گورنمنٹ اطلاع آئی کہ وہ باضابطہ رئیسۂ بھوپال تسلیم کر لی گئیں ۔

دو ہفتہ کے بعد دربار صدارت منعقد ہوا اور ۱۷ ۔ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ کو آنریبل میجر میڈ صاحب ایجنٹ نواب گورنر جنرل بہادر سنٹرل انڈیا نے بھوپال میں رسم صدر نشینی ادا فرمائی ۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے نواب احمد علیخاں بہادر کے خطاب "احتشام الملک عالیجاہ" کا اعلان کیا ۔

پہلے حضور ویسراے کا خریطہ سنایا گیا ۔ اور پھر آنریبل میجر میڈ نے تقریر کی جس میں ہر ہائنس کی ذات مبارک سے یہ امید وابستہ کی تھی کہ :-

"آج آپ اپنے بزرگوں کی مسند پر متمکن ہوئی ہیں گو مجھکو امید نہیں ہے کہ آپ کو داد شجاعت نمایاں کرنے کے اس قسم کے مواقع دستیاب ہو سکیں جیسے کہ آپ کے متقدمین سے بعض کو ملے ہیں ، یعنی وزیر محمد خاں صاحب کی طرح شہر پناہ بھوپال سے باغیوں کی یورش کو فرو کرنا ، یا مشہور زمان آپکی نانی نواب سکندر بیگم صاحبہ کی طرح خود لشکر کا ساتھ دینا جیسا کہ ۱۸۵۷ء کے مفسدۂ عظیم میں اُنہوں نے کیا تاہم ریاست کی حکمرانی میں بھی آپ کو ایک وسیع میدان اُن نیک اوصاف کے کام میں لانے کا دستیاب ہوگا ۔ جو میرا خیال

[illegible]

کرتا ہوں آپکو آپکے متقدمین سے ملے ہیں، گذشتہ سالوں میں قحط اور وبا سے آپکی رعایا بہت کو سخت صدمہ
پہنچا ہے اور حال کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست کی آبادی میں سے تقریباً ۳۰ فیصدی چلے گئے ہیں
اور زمین مزروعہ تقریباً ایک ثلث غیر آباد ہو گئی ہے۔ اگر درحقیقت یہ اندازہ درست ہے تو اس میں
کلام نہیں کہ منجملہ اور مشکلات کے یہ بھی ضرور ہے کہ ریاست کی آمدنی میں بہت کچھ نقصان ہوا ہے، یہ
آپ کا حصہ ہوگا کہ مدبرانہ تدابیر سے اس آبادی کو پورا کر کے ریاست کے محاصل کو درست کریں
گورنمنٹ عالیہ اور ریاست کے باہمی تعلقات کی بابت فرماں روائے بھوپال کے روبرو
زیادہ ضرورت گفتگو کی نہیں معلوم ہوتی، جس دن سے گورنمنٹ عالیہ ہند کے تعلقات
سنٹرل انڈیا کے رؤساء کے ساتھ شروع ہوئے اسی دن سے رؤسائے بھوپال خلوص دل و عقیدت
سے اپنے عہد و پیمان پر ثابت قدم رہنے کے واسطے مشہور رہے۔ اور مجھکو کامل اعتماد ہے کہ آپ بھی حسن
عقیدت اور وفاداری کے اُس بلند پایہ شہرہ کو جو آپ کو بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے خود
بے داغ قائم رکھکر اپنے متاخرین کے واسطے اُسی حالت میں ودیعت کریں گی میں آپکو آپکی مسند نشینی
پر میں خلوص دل سے گورنمنٹ ہند کی طرف سے اور تمام میم صاحبات و انگریز صاحبان موجودہ
دربار کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے مبارکباد کہتا ہوں اور ہم سبھوں کی عین تمنا
ہے کہ انشاء اللہ آپ آئندہ کامیاب اور اقبال مند رئیسہ ہوں، خدا کرے قدسیہ بیگم
صاحبہ کی طرح آپ عمر دراز پاویں اور شہرت و اقبال مندی میں نواب سکندر بیگم صاحبہ
اور شاہجہاں بیگم صاحبہ کی آپ ہم پایہ ہوں،،

اس تقریر کے بعد ہر ہائنس نے ایستادہ ہو کر اپنی تقریر شروع کی جس میں پہلے اپنی والدۂ
ماجدہ کے انتقال کا رنج و افسوس تھا بعدہ ملک معظم قیصر ہند کی ممنونیت اور میجر میڈ کا شکریہ تھا پھر ریاست
کی سقیم حالت کا سرسری تذکرہ کر کے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری اور رعایا کی بہبودی و فلاح میں
ثابت قدم رہنے کی خداوند کریم سے امداد و اعانت کی دعا تھی۔

ریاست کی حالت | اس وقت ریاست کی جو سقیم حالت تھی اُس کا اندازہ میجر میڈ کی تقریر کے
ساتھ ہر ہائنس کی تقریر کے ان جملوں کو ملا کر کرنا چاہئے کہ:۔

مالی حالت ریاست کی موجودہ چند درچند نہایت قابل توجہ ہے اور رعایا میں فلاس و نادھندی سرایت کر گئی ہے اگرچہ اس میں مجھے بہت ہی مشکلات کا سامنا ہوگا کیونکہ اُفتادہ زمینوں کا از سرنو آباد ہونا خصوصاً ایسی حالت میں کہ تقریباً ایک ثلث مردم شماری گھٹ گئی ہو بالعزور ایک اہم کام ہے مگر جس احکم الحاکمین نے اپنے ملک اور اپنی مخلوق کی حفاظت میرے سپرد کی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہر کام میں میرا معین و مددگار ہوگا"

انتظام ملک

غرض ہر ہائنس نے ہمت و استقلال محنت و سرگرمی، قابلیت و بیدار مغزی کے ساتھ ان ہی رنج آمیز دنوں میں کام شروع کر دیا۔ تمام دفاتر ریاست کا بنفس نفیس معائنہ فرمایا اور ہر صیغہ کے کام سے واقفیت تامہ حاصل کی۔ چونکہ وزیر ریاست مولوی عبدالجبار خاں صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای بوجہ ضعیف العمری مستعفی ہوگئے تھے اس لئے ریاست کے نظم و نسق کو براہ راست اپنے دست مبارک میں لیا اور بجائے وزیر ریاست کے دو اعلیٰ عہدہ دار معین المہام اور نصیر المہام مقرر کئے۔

کسی ملک کی حالت کا اندازہ کرتے وقت سب سے پہلے مالگذاری و خزانہ، ٹیکس، حالت مزارعین عدالت و پولیس۔ امور رفاہ عام پر نظر پڑتی ہے اور پھر اُن مصارف پر غور کیا جاتا ہے جو اس تمدنی حالت کے پیدا کرنے یا رکھنے یا اُس کو ترقی دینے میں ہوتے ہیں۔

فوج بھی ملک کی تمدنی حالت و ترقی کا ایک آئینہ ہوتی ہے جس میں فرمانروائے وقت کی سپاہیانہ اولی العزمی منعکس ہوتی ہے۔

بندوبست | تمدنی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے جن چیزوں کو مندرجہ بالا سطور میں ظاہر کیا گیا ہے اُن میں سب سے اول مالی حالت قابل لحاظ ہے اور مالی حالت کا انحصار ہمیشہ مالگذاری اور ٹیکسوں کے عمدہ انتظام پر ہوتا ہے۔ اور مالگذاری کا عمدہ انتظام بندوبست کی خوبی پر منحصر ہے۔

سرکار عالیہ نے انتظام بندوبست پر بہت کچھ غور فرمانے کے بعد مسند نشینی کے تیسرے سال

پنجسالہ بندوبست فرمادیا۔ اور پھر اونیس سالہ بندوبست کیا گیا۔ یہ بندوبست ایسے عمدہ اصول پر ہوا کہ عام طور پر رعایا نے پسند کیا اور ترقیِ زراعت، کاشتکاروں کے سرمایۂ محنت اور مستاجروں کی حالت اور ریاست کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔

انتظامِ مالگذاری　سال مسندنشینی میں کل مطالبۂ مالگذاری ۲۸-لاکھ تھا مگر ۱۸ لاکھ سے زائد وصول نہ تھی لیکن بندوبستِ نوزدہ سالہ میں ۳۵ لاکھ ۵۹ ہزار ۹ سو ۷۳ روپئے مطالبہ قرار پایا جملہ انتظام لگان و مالگذاری قوانین و قواعد کے تحت میں لائے گئے۔ بندوبست کے وقت کوئی موضع نہ تھا جس کی مستاجری کے لئے کئی کئی شخص خواہشمند نہ ہوں۔ اس بندوبست سے پہلے وصول مالگذاری میں دربار کو اور وصولی لگان میں مستاجرین کو ہمیشہ دقتیں پیش آتی تھیں۔ اور لگان ومالگذاری کی ایک کثیر مقدار بقایا میں رہ جاتی تھی۔ لیکن اب اوقات و تواریخ معینہ پر بغیر دقت لگان ومالگذاری داخل ہوتی ہے۔

معافیِ بقایا　بقایا کا بہت بڑا حصہ بھی رعایا کو معاف فرمادیا۔ اور اس طرح بندوبست کے وقت تقریباً کل ریاست بقایا سے پاک اور تمام رعایا اس بارگراں سے سبکدوش ہوگئی۔ بندوبست کے ساتھ ہی ساتھ آمدنی کے دوسرے صیغوں کی بھی اصلاح فرمائی اور سب کو ضوابطِ قواعد اور قوانین کے تحت میں رکھا اور ایسے تمام ٹیکس منسوخ کئے جن کو رعایا کے لئے تکلیف دہ تصور فرمایا۔

اصلاحِ خزانہ　آمدنی کے بالمقابل ضروری مصارف اور خزانہ کی حالت ہمیشہ قابلِ لحاظ ہوتی ہے۔ سرکار عالیہ نے خزانہ کو بالکل خالی پایا تھا اور اتنی بڑی ریاست کے خزانہ میں بہت ہی قلیل مقدار موجود تھی جس کی نسبت سرکار عالیہ جلد اول گوہرِ اقبال میں تحریر فرماتی ہیں کہ:-

"میری مسندنشینی کے وقت جو کاغذات واصلباقی دیکھے گئے تو معلوم ہوا کہ سال تمام کی کل آمدنی ۱۸ لاکھ رہ گئی۔ خزانہ میں صرف ۴ ہزار روپیہ موجود تھا تنخواہ ملازمین کا صرفہ دو لاکھ روپیہ ماہوار تھا۔ ربیع الاول کی تنخواہ تقسیم ہونے میں دس پندرہ دن باقی تھے اور کوئی سبیل روپئے کے وصول ہونے کی نظر نہ آتی تھی"

حقیقت میں سرکار عالیہ کو جو پریشانی تھی اُس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو ہر وقت اُن کے تردد کو دیکھکر بےچین رہتے تھے۔ اور اس کے نسبت تو کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ جبکہ ریاست بے انتہا اصلاحات کی محتاج تھی۔ قحط سالیوں کا مقابلہ ہوچکا تھا تو خزانہ میں روپیہ کی کس قدر اور کیسی ضرورت تھی۔

ہر زمانہ اور ہر ملک میں کسی ریاست کے انتظامات کی درستی اور اصلاحات اور اُس کی ترقی و بہبودی کے لئے اور خصوصاً اس زمانہ تہذیب و شائستگی میں جبکہ زندگی کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ روپیہ کی اُسی قدر ضرورت ہے جس قدر جسم انسان کے لئے خون کی۔ بغیر روپیہ کے حقیقت یہ ہے کہ پُرانے نظامات کو قائم رکھنا بھی سخت دشوار رہتا ہے۔ اِن صورتوں میں مقدم فکر فنانس کی حالت درست کرنے کی ہوتی ہے۔

سرکار عالیہ اس نازک موقع پر اگرچہ متردد تھیں لیکن اُنھوں نے بے مثل ہمت اور مافوق العادت استقلال سے کام لیا اور خزانہ کی حالت درست کرنے کی طرف توجہ فرمائی اور اس توجہ کا بہت جلد کامیاب نتیجہ بھی نکلا۔

میں اس عنوان پر زیادہ بحث نہیں کروں گا اور صرف اسی قدر لکھنا کافی سمجھوں گا کہ جس طرح حضور ممدوحہ نے خزانہ کے معمور کرنے پر توجہ کی اسی طرح اصلاحی اور ضروری مصارف میں دریغ نہیں کیا۔ اور خزانہ کی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کہ باوجود اُن تمام مشکلات کے جو درپیش تھیں بغیر کسی قرض کے سرکار عالیہ نے ہر معاملہ میں جو ضروری تھا فیاضی کے ساتھ روپیہ صرف کیا اور اپنے خاندان کی تقریبات کے مصارف کا کوئی بار خزانۂ ریاست پر نہیں ڈالا بلکہ اپنی ڈیوڑھی سے وہ مصارف ادا کئے۔ خدا کا شکر ہے کہ سرکار عالیہ کی کوششوں میں برکت ہوئی اور اب ریاست کی فنانشل حالت نہایت عمدہ ہے۔

قوانین یہ امر کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے کہ حقوق کے تعین و تلافی، امن عامہ اور انسداد جرائم کے لئے قوانین، عدالت، پولیس اور جیل کے وجود کی اہم ترین ضرورت ہے اور

جس قدر قوانین عمدہ اور مکمل ہوں گے اور ان صیغوں میں اصلاحات و ترقیاں ہوں گی اُسی قدر رعایا کو اپنے اور حکومت کے حقوق کی واقفیت و تمیز اور امن و آسائش نصیب ہوگی۔ سرکار عالیہ نے اس ضرورت اور اس اصول کو بہت اچھی طرح محسوس فرمایا اور وضع قوانین کے متعلق خاص توجہ فرمائی اور اس وقت حضور عالیہ کے عہد معدلت مہد میں تمام ضروری قوانین و قواعد نافذ ہیں۔

قانون کا اصل منشا یہ ہے کہ عدالت اور مدنیتِ فاضلہ کو حصول انصاف کے آسان ترین ذرائع کے ساتھ قائم کیا جائے۔ اسی وجہ سے ہر ہائینس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی قوانین و ضوابط کی اصلاح و اجرا کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ خاص اسی مقصد سے قدیم محکمہ کو جو تنظیمات کے نام سے موسوم تھا باقاعدہ طور پر قائم کیا جس میں ارکانِ ریاست کے مشورے اور غور و بحث کے بعد قوانین مرتب کئے جاتے ہیں۔ یہ قوانین منظوری کے لئے ہر ہائینس کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ ہر ہائینس حسب موقع اگر ضرورت متصور ہو تو اُس میں تغیر و تبدل فرماتی ہیں اور بعض قابل اصلاح امور کی ترمیم کر دیتی ہیں یا ایسا ہوتا ہے کہ اعتراضات فرما کر پھر بحث و تدقیق اور نظر ثانی کے لئے واپس فرما دیتی ہیں اور جب وہ ہر طریقہ سے مکمل ہو جاتے ہیں تب نافذ ہوتے ہیں۔

اس وقت تک جس قدر قوانین نافذ ہو چکے ہیں اور جن پر ریاست میں عمل درآمد ہے وہ تمام تر ہر ہائینس کی نظر اصلاح کا نتیجہ ہیں۔ جن لوگوں کو فنِ قانون کی نزاکتوں اور مشکلات کا علم ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وضع و تصنیف کی تمام شاخوں میں اس سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہیں لیکن چونکہ ہر ہائینس مثل اپنی گوناگوں قابلیتوں کے بہ حیثیت ایک مقنن فرمانروا کے بھی درجۂ خاص رکھتی ہیں اس لئے وہ اس راہ کی تمام مشکلات اور صعوبات پر حاوی ہیں۔ وہ جس طرح ایک اعلیٰ درجہ کی فرمانروا، ایک مدبر، ایک منتظم، ایک نگراں کار اور ایک جج ہیں اُسی طرح مقنن اور واضع قانون بھی ہیں۔ فطرت کی فیاضی جب کسی پر مبذول ہوتی ہے تو وہ ایک دماغ میں متعدد دماغوں کے جوہر پیدا کر دیتی ہے۔

عدالتیں | قوانین کے ساتھ عدالتوں اور وکیلوں کی تہذیب و اصلاح پر بھی توجہ فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بھوپال کی عدالتوں کا وقار خاص طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود حضور ممدوحہ بہ نفس نفیس عدالت کا کام کرتی ہیں اور آپ کی عدالت آخری اپیل کی عدالت ہے۔ غالباً ہر ہائینس ہی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ایک جج اور عدالت کے مرکزِ اعلیٰ کی صورت میں اپنے آپ کو نمایاں کیا ہے اور پھر اس کے فرائض کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیے ہیں۔ آپ کے فیصلے بطور نظائر ریاست کی عدالتوں کی رہنمائی کے لئے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

پولیس | پولیس کی تنظیم پر بھی توجہ مبذول ہوئی اور اس جمعیت کو رفتہ رفتہ اس درجہ پر پہنچا دیا کہ ممالک متحدہ کے انسپکٹر جنرل پولیس نے اس کی نسبت یہ ریمارک تحریر کیا ہے کہ:-

"اُن کی صورت ظاہری دیکھکر میں خیال کرتا ہوں کہ کسی دیسی ریاست کی اس سے بہتر پولیس اب تک میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ جو کچھ اب دیکھنے میں آیا میں اُس کو دیکھکر حیران رہ گیا اور ترقی یافتہ دیسی ریاستوں کی پولیس کی بابت میرا خیال ہی بدل گیا۔"

بعض یورپین افسروں نے تو یہ ریمارک کیا کہ:-

"ریاست بھوپال کی پولیس تمام ریاست ہائے ہندوستان کی پولیس سے برتر ہے۔"

جیل | جیل کی بھی اصلاح ہوئی۔ قیدیوں کو کام سکھانے کے لئے متعدد کارخانے جاری ہیں قالین، دریاں، تولئے نہایت عمدہ تیار ہوتے ہیں دستی کرگھوں پر مختلف وضعوں کے ریشمی کپڑے موزے، بنیان، بنے جاتے ہیں۔ باغبانی کا کام سکھایا جاتا ہے۔

تعلیم | بھوپال میں ہر ہائینس کی صدر نشینی سے قبل تعلیم انگریزی سے جو وحشت و نفرت تھی اب محض ہر ہائینس کی مختلف تدابیر اور شغف تعلیمی کی بدولت اُس کا ایک چوتھائی اثر بھی باقی نہیں رہا ہے۔ بھوپال کے مدرسوں میں ہر طبقے کے طالب علم نظر آنے لگے ہیں اور باشندوں میں تعلیمی ضرورت کا احساس پیدا ہو چلا ہے۔ یہ سب ہر ہائینس کے ذات خاص کی ترغیب و تحریص کا نتیجہ با ہرہ ہے۔ اسی سلسلہ میں جاگیرداران و اخوان ریاست کو تعلیم پر مائل کرنے میں خاص کوششیں عمل میں لائیں اور

اُن کو ہر موقع پر تعلیم کی نصیحتیں کیں اور عطیات و انعامات اور عطائے اخراجات کے ذریعہ سے اُن کی تالیفِ قلب کی اور ایسے ذرائع بھی اختیار کئے جن سے ایک حد تک حصول تعلیم کیلئے وہ مجبور بھی ہو گئی خود اپنے فرزند اصغر کو اسی لئے اسکول میں داخل کیا کہ وہ عام طبقاتِ رعا کے لئے نمونہ ہوں۔ غرض اس پندرہ سال کے عرصہ میں جب سے کہ ہر ہائینس نے توجہ کی یہ نخل بسعی و کوشش روز بروز نشو نما پاتا گیا۔ اور اب الحمدللہ کہ اس میں گل و ثمر آ رہے ہیں۔

وظائف و امدادِ تعلیم ہر ہائینس نے یہ دیکھکر کہ راہِ تعلیم میں افلاس و غربت ایک سنگ راہ ہے غربا اور غیر مستطیع حصۂ رعایا کو بہ کثرت وظائف عطا فرمائے اور دیگر مختلف طریقوں سے امدادیں مرحمت کیں تاکہ ابتدائی تعلیم بہ آسانی حاصل کر سکیں۔ اسی طرح انٹرنس پاس کرنے کے بعد جو طلبا اعلیٰ تعلیم کے لئے جائیں یا صنعت و حرفت کی کسی شاخ کو اختیار کریں اُن کے لئے معقول وظائف کئے ہیں جو ہر سال صدہا نادار طلبا کی تعلیم کے کفیل ہیں۔

مذہبی تعلیم تعلیم مذہبی کے لئے بھی ایک جداگانہ مدرسہ ہے جس کے لئے طلبا کو وظائف عطا کئے جاتے ہیں۔ اور دستار بندی کا باقاعدہ جلسہ منعقد ہو کر فارغ التحصیل طالب علموں کو دستارِ فضیلت اور سند دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کا خاص خیال ہے اور یہ امر مدنظر رہتا ہے کہ ترتیل و صحت کے ساتھ پڑھایا جائے۔ اس لئے مدرسۂ حفاظ قائم فرمایا ہے جس میں صحت و ترتیل کے ساتھ تجوید و قراءت بھی سکھائی جاتی ہے۔

مدرسۂ طبیہ آصفیہ ہر ہائینس طبِ یونانی کی بہت بڑی مربی اور حامی ہیں۔ تمام ریاست میں یونانی شفاخانے جاری ہیں لیکن ہر ہائینس کی اصلاح پسند طبیعت اس شاخ میں بھی ترقی کی جانب مائل ہے اور ایک مدرسہ "طبیہ آصفیہ" صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ کے نام نامی سے موسوم کر کے جاری فرمایا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ طبِ یونانی کے ساتھ سرجری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اور اس طرح اُس نمایاں نقص کا ایک حد تک علاج کیا گیا ہے جس نے طبِ یونانی کو باوجود بہترین علاج ہونے کے جدید فنونِ طبیہ کے مقابلہ میں کمزور کر دیا ہے۔

ہر ہائینس نے گذشتہ عرصہ کی توجہ کے نتائج پر غور کرنے کے بعد اب آغاز ۱۹۱۸ء میں نہایت فیاضی سے تعلیمی اسکیم کی توسیع فرمائی ہے اور بلدۂ خاص میں جبری تعلیم کا قانون نافذ فرمایا ہے۔

کتب خانۂ حمیدیہ | ابتداءً سرکار خلد نشین کے زمانے میں یہ لائبریری قائم ہوئی تھی جو ایک مدرسے کی شاخ تھی اور اُس میں نہایت نادر و نایاب کتابیں جمع تھیں لیکن سرکار خلد مکان کے آخری زمانے میں کتابوں کی بڑی تعداد مختلف طریقوں سے تباہ ہو گئی اور لائبریری صرف چند معمولی کتابوں کا مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ اب سرکار عالیہ نے اُس کو از سر نو مرتب فرما کر ایک مستقل عملہ اور بجٹ معین فرمایا ہے۔ ہر سال مفید اور کار آمد کتابوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے لئے ایک نہایت شاندار اور وسیع عمارت جداگانہ تیار ہو گئی ہے۔ یہ لائبریری نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بالقابہ کے نام سے موسوم ہے اور ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ وِیسرائے ہند نے اس کا افتتاح کیا تھا۔

میوزیم | نومبر ۱۹۰۹ء میں ہز امپیریل مجسٹی ایڈورڈ ہفتم کے اسم گرامی سے موسوم کرکے ایک میوزیم قائم کیا گیا اور ہز اکسلنسی لارڈ منٹو سابق وِیسرائے ہند نے اس کا افتتاح فرمایا۔ یہ سنگ سُرخ کی ایک نہایت خوبصورت عمارت ہے جو لیڈی لینسڈوں ہسپتال کے قریب سڑک پر واقع ہے۔ اس عمارت میں علاوہ اور اشیائے نادرہ کے شجاعانِ ریاست کے استعمالی اسلحہ جس میں بڑا حصہ ریاست کی قدیم ساخت کا ہے قابل دید ہے۔ اس کا باغ بھی بہت ہی دلچسپ ہے اور ہفتہ میں دو دن تفریح عامہ کے لئے اس میں بینڈ بجتا رہتا ہے۔

میونسپلٹی | اگرچہ میونسپلٹی کے حقوق ایسے قصبوں یا شہروں میں دیے جاتے ہیں جہاں کے باشندوں میں اشاعت تعلیم و لیاقت نے لوکل سیلف گورنمنٹ کی پوری صلاحیت پیدا کر دی ہو لیکن ہر ہائینس نے محض اس لئے کہ یہاں کے باشندوں میں کام کرنے کا شوق پیدا ہو اور اُن کو آہستہ آہستہ ایک متمدن شہری بنایا جائے اہل شہر کو میونسپلٹی کے حقوق عطا فرمائے ہیں۔ اس کے قواعد و ضوابط مکمل ہیں اس کے زیر انتظام صیغہ حفظانِ صحت، روشنی

شوارع بلدہ کی درستی، ذباحی، آب رسانی وغیرہ ہے۔ عموماً اس کے اخراجات کا بہت بڑا حصہ خزانۂ شاہی سے مرحمت فرمایا جاتا ہے خاص میونسپل کی آمدنی بہت کم ہے اور ایسے وسیع انتظامات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ ان آخری سالوں میں جب سے کہ اس کا انتظام نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بی اے کے دستِ مبارک میں تفویض کیا گیا ہے۔ میونسپل نے ایک خاص وقعت حاصل کرلی ہے اور اس کی منفعت کے نمایاں نتائج محسوس ہونے لگے ہیں۔

حفظانِ صحت پر خاص توجہ ہے اور اس صیغہ کے تعلیم یافتہ اشخاص نگراں افسر ہیں گھروں کے اندر تک کی صفائی معائنہ کرنے کے لئے زنانہ اسٹاف ہے۔

تمام گلی کوچوں کی رہگذروں کو پختہ کیا گیا ہے لاکھوں روپیہ سے ڈرینج کی تعمیر ہو رہی ہے۔ جا بجا خوشنما پارک بنائے گئے ہیں۔ شہر اور بیرون شہر کے قدرتی مناظر کو انسانی صنعت سے نہایت نظر فریب بنایا گیا ہے اور حصۂ شاہجہاں آباد میں تو جہاں درجہ بدرجہ نشیب و فراز ہیں تین سڑکیں اوران سڑکوں کے درمیان میں جو تالاب ہیں اُن میں ایک عجیب دلفریبی پیدا کردی گئی ہے۔

برقی روشنی | ۱۹۰۹ء سے برقی روشنی کا بھی بلدہ میں انتظام کیا گیا ہے خاص خاص سڑکوں اور تمام محلات و عمارات سرکاری میں اب بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ ارادہ تھا کہ تمام شہر میں برقی روشنی کی جائے لیکن انجن میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ تمام شہر کی روشنی کے لئے کفایت کرسکے اس لئے ایک نیا انجن اور انگلستان میں تیار کرایا گیا لیکن وہ فوجی ضروریات کے لئے گورنمنٹ کو سپرد کردیا گیا۔ اب بعد جنگ جدید انجن جو تمام شہر کو کافی روشنی پہنچاسکے نصب کیا جائے گا۔

شفاخانہ جات | ریاست بھوپال میں بزمانۂ سرکار خلد نشین یونانی شفاخانے اور بہ عہد سرکار خلد مکان ڈاکٹری شفاخانے قائم ہوئے۔ ان دونوں محکمات طبی پر ہمیشہ نہایت فیاضی کے ساتھ روپیہ صرف کیا گیا۔ لیکن زمانے کی روز افزوں ضرورتوں سے اصلاح و ترقی کی بہت احتیاج تھی۔ سرکار عالیہ نے ان دونوں صیغوں میں نمایاں اصلاحات کیں۔

مدرسۂ طبیہ کے تعلیم یافتہ شہر و مفصلات میں مقرر کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹری شفاخانوں

کی تعداد میں بھی اضافہ فرمایا ہے اور شہر کے بڑے شفا خانے پرنس آف ویلز ہسپتال میں بھی توسیع فرما دی ہے۔

۱۸۹۲ء میں سرکار خلد مکان نے لیڈی لینسڈون ہاسپٹل قائم فرمایا تھا جس میں دایہ گری کی تعلیم کا بھی ساتھ ہی ساتھ انتظام ہوا تھا۔ سرکار عالیہ نے اس ہسپتال کی اصلاح اور ترقی کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ دایہ گری کی تعلیم کو وسعت دی، نرسنگ اسکول جاری کیا جس میں طالبات کو وظائف دیے جاتے ہیں۔ اور پھر ایک انفنیٹ ہوم (دار الاطفال) کا اضافہ فرمایا تعلیم پانے والی عورتوں کے وظائف بھی مقرر فرمائے اور اُن دائیوں کو جنہوں نے کوئی سند حاصل نہ کی ہو تنبیہ کر کے بذریعہ حکم مشتہرہ کے اپنا پیشہ کرنے کی ممانعت کر دی۔

تعمیرات ہر ہائینس کی خاص دلچسپی کی چیزوں میں سے صیغۂ تعمیرات بھی ہے جس کا اُن کو ہمیشہ سے شوق رہا ہے۔ ہر ہائینس کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جس چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اُس میں ایک صاحبِ فن کا درجہ جب تک حاصل نہیں ہوتا قناعت نہیں فرماتیں۔

تعمیرات کے شوق نے انجینئرنگ ورک کی طرف اُنھیں توجہ دلائی اور اب اس میں اس درجہ صحیح واقفیت پیدا کر لی ہے کہ ایک اچھے انجینئر کی طرح بڑی بڑی عمارتوں کے نقشوں کو تنقید سے ملاحظہ فرماتی ہیں اُن کے حسن و قبح کو محسوس کر کے غلطیوں کی اصلاح کرتی ہیں اور بعض اوقات عمارتوں کے خود ہی خاکے بناتی ہیں۔

فنِ تعمیر میں خوش مذاقی نہایت نازک اور مشکل چیز ہے اور واقفیت و کمال کے ساتھ مذاق صحیح کا پیدا کرنا بغیر مناسبت طبعی کے ممکن نہیں۔

ہر ہائینس کو تعمیرات میں جو صحیح اور اعلیٰ مذاق حاصل ہے اس کا اندازہ ان رفیع الشان اور دلفریب عمارتوں کی بیرونی و اندرونی تقسیم سے کیا جا سکتا ہے جو اُن کے دور حکومت کی یادگار ہیں۔ اور جو شہر کی رونق کو دوبالا کر رہی ہیں۔ زمانۂ ولیعہدی میں ایوان صدر منزل اور باغ حیاتِ افزا کی تعمیر ہر ہائینس کی خوش مذاقی اور واقفیتِ فن کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے

صدر نشین ہونے کے بعد متعدد عمارتیں جدید ہوئیں جن میں احمد آباد کی تعمیر تو ایک مستقل آبادی ہے، جو نواب احتشام الملک بہادر (جنّت آرامگاہ) کے نام نامی سے موسوم ہے۔ اور جس کی عمارتیں خاص طور پر نوابزادہ حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر کے واسطے تیار کی گئی ہیں اور اپنے دلچسپ اور نظر افروز منظر کے لحاظ سے بے نظیر ہیں۔ ان عمارتوں کو قدرتی طور پر مقام بھی ایسا دلچسپ ملا ہے جس نے ان کی رعنائی کو دوبالا کر دیا ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی کی سطح پر ایک کوٹھی تعمیر کی گئی ہے اور اُس کے نیچے جانب جنوب بھوپال کا مشہور صاف و شفاف تالاب ہے، مغرب کی جانب دور تک نشیب میں مسطح میدان ہے۔ شمال میں پہاڑیاں ہیں جن کے نیچے ایک سڑک ہے جس پر بجلی کی روشنی عجب جگمگاہٹ پیدا کرتی ہے۔ شام کو وہ سُہانا وقت جب آفتاب اپنی آخری کرنوں کے ساتھ اظہار ادب کرتا ہوا گوشہ مغرب میں جاتا ہے تو یہ عمارتیں ایک نہایت دلکش نظارہ پیدا کرتی ہیں۔

شاہجہاں آباد اور احمد آباد کے مابین جنرل کورٹ، ریونیو کورٹ، کتب خانہ حمیدیہ دفتر انجینیری اور متعدد بنگلوں کا سماں بھی دلکش ہے۔ ان عمارتوں کے علاوہ ایک بلند پہاڑی پر منزل قران السعدین اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ لائبریری سے آگے بڑھ کر الگزنڈرا ہائی اسکول کی عمارت کا سلسلہ ملتا ہے یہ عمارت پہلے بے نظیر کے نام سے موسوم تھی جس کو نواب شاہجہان بیگم صاحبہ (خلد مکان) نے تعمیر کرایا تھا لیکن ہر ہائینس نے اب اُس میں ترمیمات کر کے اسکول کے لئے نہایت مناسب و موزوں بنا دیا ہے۔

اسی سلسلہ میں سڑک کے کنارے تاج المساجد کے احاطہ میں دار الشفقت (یتیم خانہ) اور مدرسہ حفاظ کی بھی آمنے سامنے سنگین و خوشنما عمارتیں ہیں۔

شہر کے مشرقی حصہ میں (جو شہر اور جہانگیر آباد کے درمیان ہے) اسٹیشن کی سڑک پر ایڈورڈ میوزیم کی عمارت سنگ سُرخ سے بنائی گئی ہے۔ یہ عمارت بھی بھوپال کی قابل دید عمارتوں میں سے ہے اور اپنی متعدد خوبیوں کے لحاظ سے نہایت شاندار ہے اس کے

متعلق ایک وسیع احاطہ اور ایک پارک بھی بنا دیا گیا ہے جہاں شام کے وقت نہایت دلفریبی ہوتی ہے۔

پریڈ گراؤنڈ پر پہاڑی کے نیچے ملیٹری کلب ہے۔ جو نظروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

قلعہ کہنہ کے نیچے تالاب کے کنارے پر عہدہ داروں کیلئے آرام دہ بنگلے تعمیر ہوئے ہیں جو خوش منظری اور موقع کے لحاظ سے بہت دل آویز مقام بن گیا ہے۔

جہانگیر آباد کے اُس حصہ پر جہاں گیسٹ ہاؤس اور لال کوٹھی ہے "منٹو ہال" کی اور قلعۂ فتحگڈھ کے پاس ہاسپٹل کی عمارتیں اور متعدد بنگلے وغیرہ آج کل زیر تعمیر ہیں اسی طرح مفصلات میں بھی ضروری عمارتیں تیار ہو رہی ہیں۔ ان سب اعلیٰ عمارتوں کے نقشے خود ہر ہائینس کے اعلیٰ مشوروں سے مکمل ہوئے ہیں۔

فوج | ہر ہائینس نے فوج کی اعلیٰ تربیت اور زمانۂ حال کے مطابق اصلاح کرنے میں اپنی توجہ روزِ صدر نشینی سے ہی مبذول فرمائی۔ اول اول چند خفیف تبدیلیاں اور ابتدائی اصلاحات کیں لیکن فوراً ہی کامل اصلاحات کی بنیاد بھی قائم کر دی یعنی اپنے فرزند گرامی نوابزادہ حافظ میجر جنرل حاجی محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی کو عساکر ریاست کے عہدۂ والا رو میں داخل کیا اور حضور ممدوح نے اپنے ذاتی شوق اور اپنی شفیق والدہ کی مرضی کے مطابق چند ہی دنوں میں ایک اولی العزم سپاہی کی طرح سپاہیانہ محنت کے ساتھ فوجی تعلیم و تربیت حاصل کر لی اور متعدد مینوورس[1] میں اپنی فوج کے ساتھ شریک ہو کر حصہ لیا۔ اور آغاز کار میں ہی وہ ہمت و سعی کی کہ برٹش فوجی افسروں نے ان کی محنت و جفاکشی اور رجمنٹ اور بریگیڈ و ڈیوٹی کی قواعد میں دلچسپی لینے کا اعتراف کیا اور اس امر پر حیرت ظاہر کی کہ کیونکر اس قلیل عرصہ میں انہوں نے اتنی تعلیم حاصل کر لی۔ جب نوابزادۂ ممدوح الشان پوری تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تو اُن کو سپہ سالار ریاست مقرر کیا گیا۔ اور اُن کی امداد سے تمام اصلاحات عمل میں آئیں

---

[1] آزمائشی لڑائیاں ۱۲

تھوڑے ہی عرصہ میں سپہ سالار ریاست کی نگرانی اور ہر ہائینس کی توجہ سے عمدہ نتائج بھی نکلنے لگے۔ جن کی تمام فوجی افسروں نے داد دی اور تحسین کی۔ لارڈ کچنر نے اپنی ۱۹۰۶ء کی تقریر میں کہا کہ۔

"سرکار عالیہ کی فوج کا معائنہ کرنے سے مجھکو نہایت درجہ خوشی ہوئی اور اعلیٰ درجہ کی رپوٹیں جو قبل اس کے مجھے پہونچی تھیں میں اُن کی ذاتی طور پر تصدیق کرتا ہوں سرکار عالیہ اپنے سپاہیوں کی بہتری و عمدگی میں جو نہایت دلچسپی لیتی ہیں اور جو عمدہ نگرانی اور کمانڈ آپ کے صاحبزادے کرنل عبید اللہ خاں کرتے ہیں۔ اس سے نہایت ہی قابل اطمینان نتیجہ پیدا ہوا جو ہم نے آج صبح کو پریڈ پر دیکھا"

لارڈ منٹو نے فرمایا کہ:-

یوُر ہائینس کیا میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آپ کے مفتخر او ر دلاور خاندان کا جوش سپاہگری خود آپ کو پوری طور پر ودیعت ہوا ہے۔ یور ہائنس اپنے امپیریل سروس ٹروپس کی اس آراستگی پر بجا ناز فرما سکتی ہیں جو ان کو اب حاصل ہوئی ہے اور جس کی تکمیل آپ کے صاحبزادے کرنل عبید اللہ خاں کی سرگرمی کا نتیجہ ہے مجھے اس امر پر ناز ہے کہ وہ میرے ایڈیکانگ ہیں"

پھر دربار دہلی ۱۹۱۱ء کے موقع پر جب ہز امپیریل مجسٹی نے فوج کا ریویو فرمایا تھا تو میجر ڈرمینڈ انسپکٹر جنرل نے حسب ذیل چٹھی بھیجی تھی:-

میرے معزز دوست!

میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ یور ہائنس کے لانسرز نے بموقع دربار تاجپوشی دہلی نہایت عمدہ کام انجام دیا ہے اور ان سب نے اپنے اپنے مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں نہایت سرگرمی اور اطاعت کا اظہار کیا ہے۔ اور ریویو کے روز ان کی وجاہت شاندار تھی اور وہ سرکار عالیہ کے صاحبزادہ کی کمانڈ میں جس شان کے ساتھ مارچ کرتے تھے کہ بالعموم تماشائیوں اور ماہران فن فوج نے نہایت تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھا

اور جو فیاضانہ پیغام ملک معظم نے فوج کو دیا تھا اس میں امپیریل سروس ٹروپس بھی شامل ہے
ملک معظم نے آپ کے افسروں کو باریابی عطا کی اور اُن کی عمدہ وجاہت کو دیکھکر اظہار خوشنودی
فرمایا۔ جو بڑی کامیابی آپ کو دہلی میں اپنی فوج بھیجنے سے حاصل ہوئی اُس کی مبارکباد آپ کو دیتا ہوں
آپ کا سچا دوست ڈرمنڈ

سنہ ۱۹۱۳ء میں ہز اکسلنسی لارڈ ہارڈنگ نے اپنی تقریر میں ارشاد کیا۔[۱]
"آپ کی امپیریل سروس ٹروپس اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ حفاظتِ سلطنت کے واسطے
ریاست بھوپال حصہ لینے کو تیار ہے۔ لارڈ کچنر نے ان کی قابلیت کی حد درجہ تعریف کی ہے"
غرض ہر موقع پر فوج اور سپہ سالار فوج کی تعریف ہوئی ہے۔ ہر ہائینس خود بھی کبھی کبھی فوجی ریویو
کو ملاحظہ فرماتی ہیں۔ اور ایک نقّادِ فوجی کی طرح ہر جزئیہ فوج کو معائنہ فرماتی ہیں۔
اس زمانۂ جنگ میں امپیریل سروس گریزن ڈیوٹی کو ایسے عمدہ طریقہ پر انجام دے رہی ہیں
کہ ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ نے اسٹیٹ ڈنر میں اس کی تعریف کی۔

ریاست میں دورے ہر ہائینس نے گذشتہ عرصہ میں کل ممالکِ محروسہ کا متعدد مرتبہ دورہ فرمایا
ہے اور ان کے دورِ حکومت میں یہ دورے نہایت مہتم بالشان ہیں جو نہایت سادگی کے
ساتھ کئے جاتے ہیں اگرچہ عام طور پر سرکاری دوروں میں رعایا کو تکلیف ہوتی ہے لیکن ہر ہائینس
کے دورے اس قدر مختصر اور سادہ ہوتے ہیں کہ رعایا کو مطلق تکلیف نہیں ہوتی۔ ہر ہائینس
جس وقت ایک کیمپ سے دوسرے کیمپ کو روانہ ہوتی ہیں تو ہر گاؤں کی سرحد پر دیہاتی عورتیں
بچوں سمیت گھڑے میں پانی بھر کر اور اُس پر کلس رکھکر حاضر ہوتی ہیں اور جس وقت ہر ہائینس کی سواری
نظر آتی ہے تو گانا شروع کرتی ہیں ہر ہائینس قریب پہنچتی ہیں تو سواری رُک جاتی ہے اور چوبدار
ہر ہائینس کے حکم سے کچھ زر نقد اُس کلس میں ڈالتا ہے اگرچہ اکثر ایک کیمپ کا دوسرے کیمپ تک
دس سولہ میل کا فاصلہ ہوتا ہے لیکن ہر ہائینس کیمپ میں پہنچتے ہی اجلاس شروع فرمادیتی

---

[۱] ہز اکسلنسی کی پوری تقریر آئندہ صفحات میں درج ہے ۱۲

ہیں اور اسی اثنا میں داد خواہ وغیرہ بھی حاضر ہو جاتے ہیں بالمشافہ اُن سے حالات سُنتی ہیں اور بعض اوقات فی الفور تحقیقات کئے جانے اور نتیجہ پیش ہونے کے احکام صادر کرتی ہیں۔

زراعت پیشہ لوگ جوق جوق سلام اور عرض و معروض کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ ہر ہائینس نہایت اخلاق کے ساتھ سب کا سلام لیتی ہیں۔ اُن سے باتیں کرتی ہیں اور وہ لوگ ایک عجیب سرور وانبساط میں محو ہو کر جاتے ہیں دن میں کسی وقت قریب کے دیہات کی عورتیں جمع ہو کر سراپردۂ شاہی میں باریاب سلام ہوتی ہیں۔ ہر ہائینس تمام عورتوں سے نہایت خندہ پیشانی اور شفقت سے پیش آتی ہیں اُن کے خانگی حالات سُنتی ہیں۔ اور پھر ان کو انعام واکرام مرحمت فرماتی ہیں۔

طریق کار فرمائی علیا حضرت کا طریق کار فرمائی ایک بڑا وسیع مضمون ہے جو اس مختصر تذکرے میں ادا نہیں ہو سکتا لیکن اگر اس کو بیان نہ کیا جائے تو کتاب تشنہ رہتی ہے اس لئے مختصراً بیان کرنا ضروری ہے۔

مختلف صیغوں کے مختلف سکرٹیری ہیں جن کے شعبوں میں متعلقہ دفاتر سے کاغذات آتے ہیں۔ ان کاغذات کا احتیاط کے ساتھ خلاصہ تیار کیا جاتا ہے اور اس طرح ہر روز ایک بڑی تعداد کاغذات کی روبکاری میں پیش ہوتی ہے۔ عموماً صبح کا وقت ان کاغذات کے ملاحظہ کا ہوتا ہے۔ حضور ممدوحہ ان کاغذات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے قلم سے احکام تحریر فرماتی ہیں ایسے احکام اکثر اوقات ایک مختصر توقیع کی شکل میں ہوتے ہیں اور بعض اوقات طولانی بھی ہو جاتے ہیں اور تمام جزئیات پر حاوی ہوتے ہیں۔ ملاحظہ طلب کاغذات پر فلیگ (نشان) لگا دیا جاتا ہے۔ اور علیا حضرت جب ضرورت سمجھتی ہیں تو اُن ہی کاغذات کو نہیں بلکہ مسل کے ہر ایک کاغذ کو ملاحظہ فرما لیتی ہیں۔

علیا حضرت کی توقیعات نہایت دلچسپ اور اخلاقی و ادبی حیثیت سے نہایت کامل ہوتی ہیں مثال کیلئے ہم ذیل میں چند توقیعات نقل کرتے ہیں جس سے علیا حضرت کے طریقہ اصلاح کا بھی اندازہ ہوگا۔

(۱) ایک درخواست امداد مصارف شادی پر امداد عطا فرماتے ہوئے محکمۂ شریعت کو توجہ دلاتی ہیں کہ قبل ازیں بھوپال میں

مہر معجل کا حکم جاری ہوگیا تھا اس پر عملدر آمد بھی متعارفہ رفتہ یہ رسم یہاں سے اُٹھ گئی مہر معجل سنت ہے اگر یہ طریقہ جاری ہے تو مناسب ہے لیکن اسکے ساتھ دو باتوں پر غور کرنا چاہئے ایک مہر کا حیثیت شوہر پر باندھنا دوسرے جو دختر کے والدین غریب ہیں ان کو نصف مہر پہلے دلوا دینا تاکہ وہ جہیز تیار کر سکیں، یہ ہماری تجویز ہے اس پر قاضی صاحب مفتی صاحب مع ممبرانِ مجلس علما غور کرکے اپنی تجویز سے مطلع کریں۔

(۲) دوسری درخواست پر توقیع فرمائی کہ "١٠ روپیہ دیا جائے بدعنایت، اور لکھا جائے کہ یہ امر غور طلب ہے کہ ہم مسلمانوں میں یہ تقریبات جس سے نہ دین کا فائدہ اور نہ دنیا کا نہ جن پر صرف کیا جاتا ہے ان کا فائدہ ہے۔ یہ رسومات ترک کرکے روپیہ ایسے کاموں میں لگایا جائے جو دین میں کام آوے یا دنیا میں۔ ہندوؤں نے بہت سی ایسی سبھائیں قائم کرکے ایسی لغویات کو روکا ہے لیکن حیف بر مسلمانان کہ اس کی جانب کسی کی نظر نہیں۔" (۳) ایک درخواست اجازتِ قیام رباط مکہ معظمہ پر توقیع فرمائی "رباط مساکین کے واسطے ہے آپ مسکین نہیں ہیں"

اگر کسی معاملہ میں کوئی امر دریافت طلب ہوتا ہے تو اُس کو بالمشافہ پیش کرنے کا حکم دیا جاتا ہے خاص خاص معاملات جو اہم ہوتے ہیں ارکینِ ریاست بالمشافہ پیش کرتے ہیں اُن پر تبادلۂ خیالات ہوتا ہے، اس کے بعد احکام صادر کئے جاتے ہیں۔

پھر تمام احکام ایک مقررہ شکل میں علیا حضرت کے سکریٹریٹ سے جاری ہوتے ہیں۔

تبادلۂ خیالات میں اقتدارِ شاہانہ سے نہیں بلکہ دلائل و براہین کی بنا پر عموماً علیا حضرت کی رائے غالب رہتی ہے اور جب کبھی علیا حضرت کے دلائل و براہین بمقابلہ ارکینِ ریاست کی رائے کے ضعیف ثابت ہوتے ہیں تو علیا حضرت کو اس کے اعتراف اور اپنی رائے کی واپسی میں مطلق تامل نہیں ہوتا مگر ایسے اتفاقات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

علیا حضرت جب کسی معاملہ پر تبادلۂ خیالات اور بحث فرماتی ہیں تو اُس وقت عورت اور مرد کی دماغی قابلیتوں کے توازن کا نہایت نادر موقع حاصل ہوتا ہے۔

ایسے اوقات میں مباحثہ کا لہجہ اس قدر متین، سنجیدہ اور دوسروں کے لئے حوصلہ افزا ہوتا ہے

کہ آزادیٔ بحث میں مطلق فرق نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود کسی اصلاح کے متعلق اپنا نوٹ تحریر فرما کر بھیج دیتی ہیں اور تبادلۂ خیالات کے لئے یا کسی معاملہ کی تفصیلات سمجھنے کے لئے عہدہ دار متعلقہ یا چند اراکین کو طلب فرما لیتی ہیں۔

ایک واحد ذات کے لئے گوناگوں اور نوع بہ نوع کاموں کا ہجوم اور یکے بعد دیگرے ان کی پیشی جس قدر دلچسپ نظارہ ہے وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ علیا حضرت کاغذات ملاحظہ فرما رہی ہیں تھوڑی ہی دیر میں کمرۂ اجلاس میں تشریف لائیں اور ریونیو اور فنانس کے معاملات پر اراکین ریاست سے بحث شروع ہو گئی یا کسی پولیٹیکل معاملات پر تبادلۂ خیالات شروع ہو گیا اگر صاحب پولیٹیکل ایجنٹ یا اور کوئی پولیٹیکل یا فوجی عہدہ دار آ گیا تو اُن سے ملاقات کی۔ اور مختلف معاملات پر گفتگو چھڑ گئی۔

علیا حضرت کی سیاستِ ملکی کے متعلق صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جذباتِ ترحم سیاست پر غالب آ جاتے ہیں مگر اُسی حد تک جہاں تک کہ اشخاص اور دربار کا تعلق ہوتا ہے اور اصولِ انصاف و تلافیٔ حقوق العباد پر اس کا اثر نہ ہو۔

عدالتی فیصلوں کا اپیل بہ نفسِ نفیس سماعت فرماتی ہیں مسل مقدمات کے مالۂ و ماعلیہ پر بہ رائے العین واقفیت حاصل کرتی ہیں اور پھر آخری فیصلہ کے متعلق نوٹ تحریر فرما دیتی ہیں جو فیصلہ کی شکل میں مرتب ہو کر پھر ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوتا ہے اور امضائے شاہی سے مزین ہونے کے بعد شائع کیا جاتا ہے۔

اگرچہ علیا حضرت تمام قانونی فیصلے صادر فرماتی ہیں اور قانونی باریکیوں پر پوری توجہ رہتی ہے لیکن کئی مرتبہ ارشاد فرمایا ہے کہ فیصلہ کا حقیقی لطف تو یہ ہے کہ فریقین سامنے موجود ہوں بالمشافہ دونوں کی سُن کر اور اسی وقت جو ضروری شہادت ہو وہ سماعت کر کے زبانی فیصلہ صادر کر دیا جائے۔

ہر مرحلۂ احکام میں علیا حضرت کا حافظہ اور ذہانت بہت ہی معین و مددگار رہتا ہے کیونکہ کوئی

معاملہ جو ایک مرتبہ نظرِ اقدس یا سمعِ ہمایوں سے گذر جائے وہ نقش کالحجر ہو جاتا ہے اور ہر معاملہ پیش ہوتے ہی ذہنِ رسا اس کی علت غائی کو معلوم کر لیتا ہے۔

دربار

بھوپال میں اکثر دربار "قصر سلطانی" یا کوٹھی "راحت منزل" میں منعقد ہوتے ہیں مگر جب کسی بڑی تقریب پر عظیم الشان دربار کا انعقاد ہوتا ہے تو عموماً "صدر منزل" کا وسیع اور رفیع الشان ایوان منتخب کیا جاتا ہے۔

ہر ہائینس نے ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء میں ایک عظیم الشان دربار ایوانِ صدر منزل میں منعقد فرمایا تھا جس میں تقریباً شہر کے ہر طبقہ کے معززین و اعیان جمع ہوئے تھے اور اپنے اثر اور عظمت کے لحاظ سے یہ دربار ریاست بھوپال کا ایک قابلِ یادگار منظر تھا۔ اگرچہ اُس کی عظمت و جلال کی تصویر لفظوں میں نہیں کھینچ سکتی تاہم اپنے شکستہ قلم سے خاکے کی ٹیڑھی سیدھی لکیریں کھینچ کر اس امر کی کوشش کروں گا کہ ناظرین کسی طرح ہلکی سی جھلک دیکھ سکیں اور شاید اس طرح ناظرین کی آنکھوں میں دربارِ سلطانی کی تصویر پھر جائے۔

اب ذرا آنکھیں بند کر کے سب سے پہلے چشمِ تصور کو وا کیجئے اور دیکھئے کہ ایوان میں دو وسیع و بلند دالان ہیں دونوں دالان بدرجۂ غایت آراستہ و پیراستہ کئے گئے ہیں اور تمام آرائش میں مذاقِ صحیح کی جلوہ گری ہے شرکاء دربار کے لئے نہایت خوبصورت اور نفیس کرسیوں کی قطاریں اس ترتیب سے مرتب ہیں کہ اُن پر بیٹھنے والوں کے چہرے تخت کی طرف رہتے ہیں اور جن کی یکساں وضع اور مسلسل سلسلہ کو سرسری نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت باقاعدہ اور منتظم فوج کے دستے دو رویہ کھڑے ہیں۔ اب ذرا آگے بڑھئے تو دالان کے سرے پر ایک خوشنما تخت ہے اور تخت پر ایک مرصع طلائی کرسی رکھی ہے۔ اس طلائی کرسی کے پیچھے چار خوبصورت چھوٹی کرسیاں نظر آتی ہیں جس سے یقین ہوتا ہے کہ

آفقِ جلالت و مرتبت پر مہرِ منور کے ساتھ ساتھ ستارے بھی چمکیں گے۔
چبوترہ پر مع بینڈ کے گارڈ آف آنر صف بستہ کھڑا ہے اندر تمام سول اور ملیٹری آفیسر اپنی اپنی وردیاں اور پُرشوکت لباس پہنے ہوئے موکبِ سلطانی کے لئے چشم براہ ہیں اور سامنے گیلری میں ہائی اسکول کی اعلیٰ جماعتوں کے طلبا کی صف مؤدب بیٹھی ہے۔ دربار کے کل حصوں میں ہر چیز پر سادگی برس رہی ہے۔ باوجود اس سادگی کے یہ ایوان وقار و عظمت اور جاہ جلال کی تصویر ہے اور چاروں طرف ایک مؤدب خاموشی چھائی ہوئی ہے اور آخر اس پُرعظمت خاموشی اور سکون کا خاتمہ ہر ہائینس کی یکایک تشریف آوری پر ہوتا ہے جو ٹھیک وقت پر بایں صورت پُرجلال جلوہ افروز ہوتی ہیں کہ فرقِ مبارک پر ایک تاج نما ٹوپی ہے۔ روئے انور زیرِ نقاب ہے جس میں جمالِ شاہی مستور ہے جسم اقدس پر ایک کشادہ اور عریض برقع ہے جس کے دامن گون کی طرح زمین بوس ہوتے جاتے ہیں۔
ہر ہائینس کے جلوہ افروز ہوتے ہی تمام مجمع سرِ قدِ تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلامی کے لئے گارڈ آف آنر میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور بینڈ نغمۂ مسرت شروع کر دیتا ہے
ہر ہائینس چند لمحہ کے لئے رُکتی ہیں اور فوجی انداز سے دست ہمایوں پیشانی اقدس تک جاتا ہے گویا اُن کی سلامی کو قبول فرماتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ تخت شاہی کی طرف حاضرین کا سلام لیتی ہوئی بڑھتی ہیں اور اپنی طلائی کرسی پر رونق افروز ہوتی ہیں۔
ہر ہائینس کے پیچھے نواب ولیعہد صاحب بہادر اور نوابزادہ بریگیڈیر جنرل حاجی حافظ محمد عبیداللہ خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی کمانڈر انچیف افواج بھوپال کے خورد سال صاحبزادوں کے چہرے گویا ماہِ چہاردہم کے ہالۂ ستاروں کا جلوہ ہے جو چھوٹی چھوٹی کرچیں سنبھالے ہوئے عقب میں فوجی اسٹاف کو لئے ہوئے اور ہر ہائینس کی گون کو اُٹھائے ہوئے اس طرح آرہے ہیں کہ چہروں پر چشم بد دور صغر سنی کی سادگی اور قدرتی معصومیت کے ساتھ ساتھ سپاہیانہ بہادری کی بھی جلوہ آرائی ہے۔ اور رفتار متانت و تمکین کے ساتھ وقار و عظمت

کی ایک دل فریب مثال ہے۔

ہر ہائینس کے رونق افروز ہونے کے بعد صاحبزادگان عالی مرتبت بھی عقب میں اپنی اپنی کرسیوں پر جلوہ فرماں ہوتے ہیں۔ چند منٹ تک ایک پُر اثر خاموشی سی طاری ہوجاتی ہے۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ہر ہائینس کھڑی ہوتی ہیں اور اپنی دل آویز و قار اثر تقریر شروع کرتی ہیں اگرچہ دربار کی آرائش و تزئین اور شان و شوکت کی صحیح تصویر کھینچنا مشکل تھی تاہم راقم کے ٹوٹے پھوٹے قلم نے ایک دھندلا سا نقشہ صفحۂ کاغذ پر کھینچ ڈالا مگر نطق شاہی کی نسبت راقم اگر کچھ لکھنا چاہے تو کیا لکھے۔ ہر ہائینس کے انداز تقریر کی متانت و سنجیدگی اور لطافت ایک ایسی ناممکن التعبیر کیفیت ہے کہ اُس کا نقشہ کھینچنے کے لئے راقم کے پاس کوئی ایسا سامان نہیں ہے جس سے ناظرین کو اس منظر کا مشاہدہ کرا سکے بہر حال یہ تقریر جب شرو محویت کے ہجوم میں ختم ہوگئی تو اعیان وارکان ریاست کے مجمع میں نذر پیش کرنے کے لئے حرکت ہوئی۔ سب سے پہلے علیا حضرت کے والا مرتبت نور العین بڑھے۔ ان کے بعد اعیان خاص اور پھر علی الترتیب تمام سول و فوجی عہدہ دار اور وابستگان دولت نے نذریں پیش کیں اور خلعت قبول سے سرفراز ہوئے۔

جب نذریں پیش ہوچکیں تو ہر ہائینس جس طرح تشریف لائی تھیں اُسی طرح تشریف لے گئیں اور اس طرح یہ شاندار اور دلفریب منظر ختم ہوا۔

ایک زنانہ دربار

ناظرین نے ہر ہائینس کے اُس طریق دربار کو تو معائنہ کر لیا جو آفیشل دربار کی حیثیت میں تھا اب ہم ایسے دربار کی سیر کراتے ہیں جس میں صرف عورتیں ہی شریک تھیں اور جو خالص زنانہ دربار تھا یہ دربار اپنی عظمت و نوعیت کے لحاظ اور مقصد کی عمدگی و اہمیت کے خیال سے ایک ایسا دربار تھا جس کی مثال صرف ہر ہائینس ہی کی روشن ضمیری اور ذات اقدس سے اور ہر ہائینس ہی کے دور حکومت میں قائم ہوتی ہے۔ کاش اس دربار کا منظر کسی قابل خاتون کے ہاتھ سے کھینچا جاتا تو زیادہ پُر لطف ہوتا۔

چند سال ہوئے کہ ہر ہائینس نے بہ نفسِ نفیس مدرسۂ سلطانیہ کی متعلمات کا امتحان لیا امتحان کے بعد ہر ہائینس نے یہ دربار منعقد کیا جس میں کامیاب لڑکیوں کو انعام تقسیم فرمایا۔ اس دربار کی ایک روئداد مرتب کی گئی تھی جس کے واقعات ہم اُس روئداد سے اقتباس کر کے پیش کرتے ہیں:—

ایوانِ صدر منزل اگرچہ ہمیشہ آراستہ رہتا ہے لیکن اُس روز خاص طور پر آراستگی کی گئی تھی۔ شہ نشین اور وسیع دالانوں میں کارچوبی فرش اور بیش بہا قالین بچھے ہوئے تھے۔ تلے شہ نشین میں ہر ہائینس کی طلائی کرسی تھی اور اُس کے برابر دونوں طرف جناب قیصر دولہن صاحبہ (بیگم صاحبہ عزیزہ نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر ولیعہد ریاست) اور جناب شہریار دولہن صاحبہ (بیگم صاحبہ نوابزادہ حاجی حافظ جنرل محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی کمانڈر انچیف افواج ریاست) کی نفیس کرسیاں تھیں۔ پیچھے ایک مکلف صوفہ پر شاہ بانو صاحبہ (بیگم صاحبہ نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بی اے) و صاحبزادی عابدہ (جہاں بیگم کی نشست تھی اور یہی دونوں اس وقت سرکارِ عالیہ کی "میڈ آف آنر" تھیں۔ برابر والی شہ نشین کی محرابوں میں یورپین لیڈیز کے لئے اور دالانوں میں دیگر معزز خواتین کے لئے ... اور گیلری میں مدرسہ کی لڑکیوں کے واسطے نہایت قرینہ سے کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔

شہ نشین اور صدر دالانوں میں اور سہ دریوں کی کرسیوں پر مخملی غاشیے جن پر سنہری کام تھا پڑے ہوئے جگمگا رہے تھے۔ مشرقی جانب کے دالانوں میں ہر ہائینس کی جانب سے نہایت تکلف کے ساتھ ریفرشمنٹ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور انواع و اقسام کے تازہ فواکہ اور ہندوستانی و انگریزی مٹھائیاں میزوں پر چنی گئی تھیں۔

مدرسہ کی مہتممہ کی طرف سے قریب پانسو کے انویٹیشن کارڈ ارکین و دیگر معززین عہدہ داران کی خواتین اور یورپین لیڈیز کے نام جاری کئے گئے تھے اور ہر ہائینس نے مہمانوں کی آمد و رفت کے لئے ریاست کی بگھیاں و دوسری سواریاں عطا فرمائی تھیں۔

وقت معینہ پر چار بجے ہر ہائینس شاہانہ لباس اور جی، سی، آئی، ای، کی (روب) اور تمغہ سے مزین ہو کر نہایت عظمت شان سے تشریف فرما ہوئیں۔ اور بینڈ نے (جو صدر دروازہ کی بیرونی گیلری میں قائم کیا گیا تھا) سلامی ادا کی۔

اس جلسہ سے پیشتر اور کسی بی بی نے سوائے محل کی بی بیوں کے حضور عالیہ کا لباس ان بیگمانہ نہ دیکھا تھا اور اکثر بی بیاں ہر ہائینس کو اس لباس میں دیکھنے کی متمنی تھیں۔ اس موقع پر ہر ہائینس کے اس لباس میں جلوہ افروز ہونے سے اور بھی اشتیاق بڑھ گیا تھا حتیٰ کہ جو بی بیاں اخیر صفوں میں بیٹھی تھیں۔ انھوں نے اختتام کارروائی جلسہ پر لیڈی سپرنٹنڈنٹ سے درخواست کی کہ وہ ہر ہائینس سے ہماری خواہش کا اظہار کریں تاکہ ہم ان کو اس لباس میں اچھی طرح دیکھ لیں۔

ہر ہائینس جب اپنی کرسی پر متمکن ہوئیں تو مہتممہ صاحبہ نے اجازت حاصل کر کے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ سنائی۔ رپورٹ ختم ہونے کے بعد ہر ہائینس نے کرسی سے ایستادہ ہو کر اپنی مشہور فصاحت کے ساتھ ایک نہایت مختصر تقریر فرمائی۔ پھر فاطمہ سلطان صاحبہ نے حضور ممدوحہ کی اسپیچ حاضرین کو سنائی جس کو حضور ممدوحہ بسبب ناسازی مزاج زبان فیض ترجمان سے ارشاد نہ فرما سکیں۔

اسپیچ ختم ہونے کے بعد مہتممہ مدرسہ نے انعام پانے والی لڑکیوں کو نمبروار ہر ہائینس کے حضور میں پیش کیا۔ اور ہر ہائینس نے اپنے دست مبارک سے انعام مرحمت فرمایا۔

بعد تقسیم انعام کے ہر ہائینس محل کے دوسرے حصہ میں تشریف لے گئیں۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے معمولی اور سادہ لباس میں ریفرشمنٹ روم میں مہمانوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور ہر ایک مہمان سے عطوفت شاہانہ اور الطاف خسروانہ کا برتاؤ فرماتی رہیں اور نہایت شگفتہ دلی اور اخلاق کے ساتھ اُن سے ملیں۔ تمام مہمان حضور ممدوحہ کے گرد ہوشی نہایت مسرت اور خلوص و شکر گذاری کے ساتھ جمع تھے۔ اس موقع پر بھی ہر ہائینس

کی گفتگو اور بات چیت کا زیادہ تر حصہ لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق تھا۔

منظرِ عید

جمعہ کی نماز عموماً مسجد آصفیہ میں ادا فرماتی ہیں جو ایوانِ صدر منزل کے بیرونی حصہ میں ہر ہائینس نے تعمیر کرائی ہے لیکن عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ میں تشریف لاتی ہیں جو شاہجہان آباد میں ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ اس عیدگاہ کے دو حصے ہیں ایک زنانہ اور ایک مردانہ۔ ان دونوں حصوں میں عید کے دن ایک پُر اثر اور شاندار مجمع ہوتا ہے ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستوں میں صرف بھوپال ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ عید کا دن والیٔ ریاست کی شرکت اور ایک اسلامی دارالامارت کی دینی شان و شوکت کا پُر عظمت منظر بن جاتا ہے۔

ہر ہائینس اکثر نماز سے کچھ دیر پہلے ایک نہایت نفیس بند گاڑی میں جس پر ہلالی نشان ہوتا ہے تشریف لاتی ہیں۔ پہلے اردلی میں باڈی گارڈ اپنی خوشنما وردی میں ملبوس ہوتا تھا مگر اب موٹر میں سوار ہوتی ہیں۔ دروازہ بیت العیدین پر افواج ریاست میں سے بینڈ کی کمپنی اور چیدہ رسالے صف بستہ سڑک پر ایستادہ رہتے ہیں اور بھوپال کی کل مسلمان آبادی عیدگاہ میں جمع ہو کر ایک طرف اپنے مالک حقیقی کے آگے سر بسجدہ ہوتی اور دوسری طرف اپنے شفیق فرماں روا کی عقیدت و محبت کی تصویر بن جاتی ہے۔

زنانہ حصہ میں مستوراتِ شہر جمع ہوتی ہیں ہر ہائینس یوں تو ہمیشہ ہی سادہ لباس زیب تن فرماتی ہیں لیکن عیدین کے موقع پر اُس میں بہت زیادہ سادگی ہوتی ہے۔ گاڑی سے اُتر کر اپنی جگہ تشریف لے جاتی ہیں اور کچھ دیر نمازیوں کا انتظار فرماتی ہیں اور یہ انتظار عموماً تسبیح و تہلیل میں صرف کیا جاتا ہے۔ خطبہ کے بعد اعزازِ عید میں توپیں سر ہوتی ہیں اور سب سے پہلے ہر ہائینس سوار ہو کر رخصت فرمائے قصر الامارت ہوتی ہیں۔ لیکن اُس جگہ سے جہاں ہر ہائینس نماز ادا کرتی ہیں دروازہ تک عورتوں کا مشتاقانہ ہجوم مصافحہ اور دست بوسی کے لئے اسلامی

وقت معینہ پر چار بجے ہر ہائینس شاہانہ لباس اور جی، سی، آئی، ای، کی (ر و ب) اور تمغہ سے مزین ہو کر نہایت عظمت و شان سے تشریف فرما ہوئیں۔ اور بریگیڈ نے (جو صدر دروازہ کی بیرونی گیلری میں قائم کیا گیا تھا) سلامی ادا کی۔

اس جلسہ سے پیشتر اور کسی بی بی نے سوائے محل کی بی بیوں کے حضور عالیہ کا لباس ان سلکینا نہ دیکھا تھا اور اکثر بی بیاں ہر ہائینس کو اس لباس میں دیکھنے کی متمنی تھیں۔ اس موقع پر ہر ہائینس کے اس لباس میں جلوہ افروز ہونے سے اور بھی اشتیاق بڑھ گیا تھا حتّٰی کہ جو بی بیاں اخیر صفوں میں بیٹھی تھیں۔ انھوں نے اختتام کارروائی جلسہ پر لیڈی سپرنٹنڈنٹ سے درخواست کی کہ وہ ہر ہائینس سے ہماری خواہش کا اظہار کریں تاکہ ہم اُن کو اس لباس میں اچھی طرح دیکھ لیں۔

ہر ہائینس جب اپنی کرسی پر متمکن ہوئیں تو مہتممہ صاحبہ نے اجازت حاصل کر کے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ سنائی۔ رپورٹ ختم ہونے کے بعد ہر ہائینس نے کرسی سے ایستادہ ہو کر اپنی مشہور فصاحت کے ساتھ ایک نہایت مختصر تقریر فرمائی۔ پھر فاطمہ سلطان صاحبہ نے حضور نفقتہم الیہا کی اسپیچ حاضرین کو سنائی جس کو حضور ممدوحہ بسبب ناسازی مزاج زبان فیض ترجمان سے ارشاد نہ فرما سکیں۔

اسپیچ ختم ہونے کے بعد مہتممہ مدرسہ نے انعام پانے والی لڑکیوں کو نمبروار ہر ہائینس کے حضور میں پیش کیا۔ اور ہر ہائینس نے اپنے دست مبارک سے انعام مرحمت فرمایا۔

بعد تقسیم انعام کے ہر ہائینس محل کے دوسرے حصہ میں تشریف لے گئیں۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے معمولی اور سادہ لباس میں ریفرشمنٹ روم میں مہمانوں کے ساتھ ملنے کو آئیں اور ہر ایک مہمان سے عطوفت شاہانہ اور الطاف خسروانہ کا برتاؤ فرماتی رہیں اور نہایت شگفتہ دلی اور اخلاق کے ساتھ اُن سے ملیں۔ تمام مہمان حضور ممدوحہ کے گرد ہوشِ انبساط و مسرت اور خلوص و شکر گذاری کے ساتھ جمع تھے۔ اس موقع پر بھی ہر ہائینس

کی گفتگو اور بات چیت کا زیادہ تر حصہ لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق تھا۔"

منظرِ عید

جمعہ کی نماز عموماً مسجد آصفیہ میں ادا فرماتی ہیں جو ایوانِ صدر منزل کے بیرونی حصہ میں ہر ہائنس نے تعمیر کرائی ہے لیکن عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ میں تشریف لاتی ہیں جو شاہجہان آباد میں ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ اس عیدگاہ کے دو حصے ہیں ایک زنانہ اور ایک مردانہ۔ ان دونوں حصوں میں عید کے دن ایک پُر اثر اور شاندار مجمع ہوتا ہے ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستوں میں صرف بھوپال ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ عید کا دن والیٔ ریاست کی شرکت اور ایک اسلامی دارالامارت کی دینی شان و شوکت کا پُر عظمت منظر بن جاتا ہے۔

ہر ہائنس اکثر نماز سے کچھ دیر پہلے ایک نہایت نفیس بند گاڑی میں جس میں چار گھوڑے جُتے ہوتے ہیں تشریف لاتی ہیں۔ پہلے اردلی میں باڈی گارڈ اپنی خوشنما وردی میں ملبوس ہوتا تھا مگر اب موٹر میں سوار ہوتی ہیں۔ دروازہ بیت العیدین پر افواجِ ریاست میں سے بینڈ کی کمپنی اور چیدہ رسالے صف بستہ سڑک پر ایستادہ رہتے ہیں اور بھوپال کی کل مسلمان آبادی عیدگاہ میں جمع ہو کر ایک طرف اپنے مالکِ حقیقی کے آگے سر بسجدہ ہوتی اور دوسری طرف اپنے شفیق فرماں روا کی عقیدت و محبت کی تصویر بن جاتی ہے۔

زنانہ حصہ میں مستوراتِ شہر جمع ہوتی ہیں ہر ہائنس یوں تو ہمیشہ ہی سادہ لباس زیبِ تن فرماتی ہیں لیکن عیدین کے موقع پر اُس میں بہت زیادہ سادگی ہوتی ہے۔ گاڑی سے اتر کر اپنی جگہ تشریف لے جاتی ہیں اور کچھ دیر نمازیوں کا انتظار فرماتی ہیں اور یہ انتظار عموماً تسبیح و تہلیل میں صرف کیا جاتا ہے۔ خطبہ کے بعد اعزازِ عید میں توپیں سر ہوتی ہیں اور سب سے پہلے ہر ہائنس سوار ہو کر رخصت فرمائے قصر الامارت ہوتی ہیں۔ لیکن اُس جگہ سے جہاں ہر ہائنس نماز ادا کرتی ہیں دروازہ تک عورتوں کا مشتاقانہ ہجوم مصافحہ اور دست بوسی کے لئے اسلامی

شانِ مساوات کا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ ہر ہائینس نہایت شفقت و اطمینان کے ساتھ ہر عورت سے معانقہ فرماتی ہیں عید کی مبارکباد دیتی اور قبول فرماتی ہیں۔ اس تھوڑے سے وقفہ میں جوان، بوڑھے، بچے عجب جوش و مسرت کے ساتھ پہاڑی سڑک کے کناروں پر صف بستہ ہو جاتے ہیں۔ سواری نہایت آہستہ آہستہ جاتی ہے اور تمام لوگ نہایت ادب کے ساتھ غلغلۂ سلام و نیاز بلند کرتے ہیں۔

عید الضحےٰ کے دن بعد نماز و خطبہ عیدگاہ میں اتنا وقفہ فرماتی ہیں کہ زنانہ حصہ کے دروازے کے قریب قربانی ہو جائے۔

ویسرایان اور دیگر جلیل القدر برٹش

افسروں کی مہمانداری

ہر ہائینس کے عہد حکومت میں اس وقت تک علاوہ صاحبان ایجنٹ گورنر جنرل اور سکریٹریان گورنمنٹ اور دیگر ممتاز یورپین لیڈیز اور جنٹلمینوں کے ہز اکسلنسی لارڈ منٹو اور لیڈی منٹو ہز اکسلنسی لارڈ ہارڈنگ اور لیڈی ہارڈنگ لارڈ کچنر سر او مور کریے کمانڈر انچیف افواج ہند بمبئی کے سابق مشہور گورنر لارڈ سیڈنہم صوبہ جات متحدہ کے لفٹنٹ گورنر سر جان ہیوٹ اور سر جیمس مسٹن اور لیڈی مسٹن اور آنریبل مسٹر مانٹیگو وزیر ہند بھی بھوپال میں تشریف فرما ہوئے ہیں اور ہر ہائینس نے نہایت فیاضانہ طور پر سب کی مہمانداری کی ہے۔ چونکہ ویسرایان ہند اور سپہ سالاران اعظم کی آمد سرکاری طور پر ہوتی ہے اس لئے استقبال وغیرہ اُس شان و پیمانہ کے ساتھ ہوتا جو ایسے موقعوں پر عموماً ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اور ملاقاتوں میں بھی قواعد و ضوابط کی پابندی رہتی ہے۔ لیکن لیڈیز کے ساتھ بے تکلفانہ ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کو بہ لحاظ جنسیت فطری طور پر جو ایک خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ اس سے ان کی ملاقاتیں اور بھی پر لطف ہو جاتی ہیں پھر کلب کے جلسے اور مدارس نسوان کے معائنے تو ان کے قیام بھوپال کا ایک ناقابل فراموش نظارہ ہو جاتا ہے

ہر ریاست میں ویسرائے ہند کی آمد کے موقع پر ایک ضابطہ کا دربار رئیس کے محل پر ہوا کرتا ہے جس میں سرداران وارکان ریاست بھی باریاب کئے جاتے ہیں اس دربار میں از روے ضابطہ لیڈیز شریک نہیں ہوتیں لیکن جب بھوپال میں لارڈ منٹو تشریف لائے اور یہ دربار ایوان صدر منزل میں منعقد ہوا تو ہر اکسلنسی لیڈی منٹو کو اس کے دیکھنے کا کمال اشتیاق تھا کیونکہ درحقیقت مشرق و مغرب میں یہ بالکل نئی قسم کا سماں تھا کہ ایک فرماں روا بیگم کی ملک معظم کے قائم مقام کے ساتھ شاہی ضوابط دربار کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے۔

ان کا یہ اشتیاق اس طرح پورا کیا گیا کہ محل پر ویسرائے کی آمد کے قبل وہ مع چند اور یورپین لیڈیز کے تشریف لائیں اور گیلری میں اُن کی نشست کا انتظام کیا گیا جس وقت یہ دربار ہوا تو ہر اکسلنسی اور تمام لیڈیز محو نظارہ و حیرت تھیں کہ کیسی شائستگی و متانت سے ایک مشرقی حکمران بیگم نے مغربی مراسم دربار کو ادا کیا۔

والیانِ ملک کے ساتھ مراسم

ہر ہائینس نے ایک موقع پر سلطنتِ برطانیہ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

اُس وسیع خطۂ ہند کو برٹش اقتدار و حکومت سے جس قدر گراں قدر فوائد حاصل ہوئے ہیں اُن میں سب سے زیادہ حصہ ہندوستانی ریاستوں کو ملا ہے اور ان کے لئے ایک ایسا حصار امن قائم ہو گیا ہے جس میں اور کسی بیرونی خطرہ کا گذر ہی نہیں ہو سکتا اور ہر وقت کے اندیشے جو مفسد جاعتوں اور طاقتور ہمسایوں سے رہتے تھے گویا صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئے ہیں"

ہر ہائینس کا یہ اعتراف ایک حقیقتِ کامل پر مبنی ہے اور کوئی شک نہیں کہ عہد برطانوی میں فرماں روایانِ ریاست نہایت امن و آزادی کے ساتھ بسر کرتے ہیں سیر و سیاحت کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کے اقتدار سے اندیشناک ہو اور مشتبہ نظروں سے دیکھا جائے۔ آپس میں ملتے جلتے اور ارتباط رکھتے ہیں۔

غدر کے بعد الہ آباد اور آگرہ میں جو دربار ہوئے اُن میں رؤسا و والیانِ ہند کو پہلی مرتبہ

HER HIGHNESS THE BEGUM OF BHOPAL.

سکون و اطمینان قلب کے ساتھ آپس میں ملاقاتوں کا موقع ملا۔ نواب سکندر بیگم بھی ان دربار وں میں بڑے اعزاز و افتخار اور تزک و احتشام کے ساتھ شریک ہوئیں اور مختلف اوقات میں بہت سے رؤسا سے ملاقاتیں کیں آمد و رفت میں جے پور، گوالیار، ریوان، دتیا وغیرہ میں بھی گذر ہوا اور وہاں کے رؤسا نے اپنی اپنی ریاستوں میں ان کا بہت احترام کے ساتھ استقبال کیا خصوصاً مہاراجگان گوالیار و جے پور نے تو انتہائی درجہ پر انتظامات کئے تھے۔

نواب شاہ جہاں بیگم سے بھی بعض والیان ملک سے درباروں کے موقعوں پر ملاقاتیں ہوئیں لیکن رؤساء بھوپال سے مہاراجگان جے پور، گوالیار اور پٹیالہ کے ساتھ خاص عزیزانہ مراسم قائم ہو گئے۔ اب ہر ہائینس کے زمانہ میں ان تعلقات نے بہت وسعت اختیار کر لی ہے اس ۱۱ سال میں درباروں اور کانفرنسوں وغیرہ کے باعث بارہا بغیر تکلفات کے سب سے ملنے کا اتفاق، مختلف معاملات پر خیالات کا تبادلہ اور دونوں جانب سے اتحاد و ارتباط دلی کا اظہار ہوا۔

یوں تو سب ہی سے ایسے مراسم ہیں لیکن مہاراجگان گوالیار، پٹیالہ، بیکانیر، جام نگر، کپورتھلہ و بڑودہ، نواب صاحبان بہادر مالیرکوٹلہ، ہز اگزالٹڈ نظام سے بہت ہی خاص مراسم ہیں۔ مہاراجگان گوالیار، جام نگر، کپورتھلہ، ولیعہد میسور اور اعلیٰ حضرت نظام ہر ہائینس کے مہمان بھی ہو چکے ہیں۔ ہر ہائینس بھی دو مرتبہ گوالیار میں اور ایک مرتبہ حیدر آباد میں مہمان ہوئی ہیں تقریباً سب مہارانیوں اور بیگمات سے بھی عزیزانہ بے تکلفی کے ساتھ ملاقات اور مراسم ہیں۔

خطابات | ہر ہائینس کی ان ممتاز قابلیتوں کے اعتراف میں جو نظم و نسق ملکی میں نمایاں ہوئیں سنہ ۱۹۰۴ء میں ہز امپیریل مجسٹی کنگ ایڈورڈ ہفتم نے خطاب جی، سی، آئی، ای، سے ممتاز فرمایا اور اس خطاب کا تمغہ ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز (شہنشاہ جارج پنجم قیصر ہند) نے اندور میں اپنے دست مبارک سے عطا کیا۔

جنوری سنہ ۱۹۱۱ء میں پھر شہنشاہ ممدوح نے جی، سی، ایس، آئی کا خطاب عطا کیا۔

پھر سنہ ۱۹۱۱ء میں اعلیحضرت شہنشاہ معظم جارج پنجم نے دربار کے موقع پر سی، آئی (تاج ہند) کا اور سنہ ۱۹۱۸ء میں جی، بی، ای کا خطاب دیا۔ آخر الذکر خطاب فوجی اعزاز کا ہے اور ان امداد کے صلہ میں عطا ہوا ہے جو ہر ہائینس نے موجودہ زمانۂ جنگ میں سلطنت برطانیہ کو دی ہیں۔

دنیا کے حصہ میں ان تمام اعزازات و خطابات کے لحاظ سے شاید ہی کوئی خاتون حضور ممدوحہ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح حضور ممدوحہ اپنے کمالات و فضائل کے لحاظ سے فرد فرید ہیں اسی طرح اپنی شہرت و عظمت اور اعزاز و احترام کے اعتبار سے یگانۂ روزگار ہیں۔

نظم و نسقِ حکومت کے متعلق مدبرین سلطنتِ ہند کی رائیں

ہر حکمران اور فرماں روائے ملک کی لائف میں سب سے شاندار حصہ ملک کا بہترین نظم و نسق ہوتا ہے اور اسکا اندازہ مدبرین ملک کے اعتراف اور رعایا کی شکر گذاری اور خوشحالی سے کیا جاتا ہے ہندوستان میں جو خود مختار رؤسا ہیں وہ بذریعۂ عہود و مواثیق کے برطانیہ کی شاہی گورنمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور برطانیہ کی شاہی گورنمنٹ اپنے قائم مقاموں کے ذریعہ سے رؤسا کے نظم و نسق کی نگران اور مشیر رہتی ہے اور یہ ہی عہدہ دار نظام حکومت کے ہر کلیہ و جزئیہ کو نظرِ تنقید سے دیکھتے ہیں۔ اور ان ہی کی رائیں رؤسا ہند کے نظم و نسق اور تدبیر مملکت و قابلیتِ فرماں روائی کا بہترین موازنہ ہیں پس ہر ہائینس کی اُن قابلیتوں اور اُن قابلیتوں کے نتائج کے متعلق اُن ممتاز مدبرین کے ارشادات کا اقتباس درج کر دینا کافی ہے ان اقتباسات سے جہاں ہر ہائینس کی صفتِ حکمرانی کی اعلیٰ شہادتیں نظر سے گذرتی ہیں وہاں حضور ممدوحہ کے اُن نوع بنوع اور گوناگوں اوصافِ جمیلہ کا بھی اعتراف ہوتا ہے جو نہ صرف خواتین اسلام کے بلکہ کل مشرقی خواتین کے لئے اور خود دنیا کے مشرقی حصہ کے لئے مایۂ ناز ہیں۔

آنریبل میجر ڈیلی[1] "علاوہ اس کے کہ مجھے اُس موروثی دوستی کا فخر حاصل ہے جس کی طرف

سرکار عالیہ نے اپنی نہایت مہربانی سے اشارہ فرمایا ہے۔ دوسرے وجوہات بھی ہیں جن کے باعث بھوپال تمام انگریزی قوم کے لئے حد درجہ کی دلچسپی اس وجہ سے رکھتا ہے کہ تقریباً چار پشتوں سے اس ریاست کے نظم و نسق کو زنانہ فرمانرواؤں نے نہایت قابلیت اور عمدگی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ جب ہم اپنے ملک (انگلستان) کی ملکہ ایلیتھزبیتھ این اور وکٹوریہ کی حکومتوں پر نظر کرتے ہیں تو ہم کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُس ریاست کے کارنامے کس قدر شاندار ہوں گے جس کی حکمران ایک ایسی خاتون ہے جو مثل سرکار عالیہ کے اس سے واقف ہے کہ جو وفاداری اور خیرخواہی کے خیالات اس کی رعایا کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں۔ اُن کا بہترین استعمال کس طرح ہونا چاہئے جو شخص سرکار عالیہ کے مرتبہ پر ہو میرے نزدیک اُس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی حوصلہ اور آرزو نہیں ہو سکتی کہ تاریخ میں اس کا نام وکٹوریہ آف بھوپال کی صورت میں تحریر کیا جائے "

(۲)
آنریبل مسٹر ڈیلی "میں چند موقعوں پر ہر ہائینس کے جام صحت نوش کرنے کی عزت حاصل کر چکا ہوں اور ان کی صحت کا جام نوش کرنے کا کام ایسا ہے جس کو میں نہایت خوشی سے کرتا ہوں کیونکہ جیسا میرا تجربہ ہے اُسی طرح ہر شخص کو جس کو ہر ہائینس کی شناسائی کی عزت حاصل ہے یہ تجربہ ہے کہ جس قدر حالات اُس شخص کو ہر ہائینس کے معلوم ہوتے جائیں گے اُسی قدر اُس کے دل میں ہر ہائینس کی جانب سے دو طرح پر عزت بڑھتی جائیگی۔ ایک اس بات کی کہ اس شخص کو معلوم ہوگا کہ یہ ایک ایسی عالیشان خاتون ہیں جن میں تمام اوصاف حمیدہ جو مستورات کے واسطے زیبا ہیں بھرے ہوئے ہیں اور دوسری عزت اس بات سے ہوگی کہ وہ بہ حیثیت رئیس کے ایسی ہیں جو قابلیت اور محنت میں اپنے مقابلہ کے جملہ رؤسا سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ حالانکہ مردوں کو مخاوکر میں زیادہ قوی کہا جاتا ہے جس کی میری رائے میں کافی وجہ نہیں ہے "

(۳)
لارڈ کچنر "میں سرکار عالیہ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ میں بھوپال کی بابت نہایت ہی خوشگوار خیالات اپنے ساتھ لیجاؤں گا جو نہ صرف ملک اور دارالسلطنت ہی کے متعلق ہوں گے بلکہ جلیل القدر رئیس کے متعلق بھی ہوں گے جو نہایت قابلیت سے ریاست پر حکمرانی کرتا ہے "

(۴)
ارل آف منٹو وائسرائے ہند | "آپ کی توجہ فقط انتظام افواج کی طرف ہی مبذول نہیں ہے بلکہ آپ کے اعلیٰ منتظم ملک ہونے کی شہرت نہایت بجا ہے امور ریاست میں آپ کے ان اعلیٰ خیالات کا جو آپنے نواب نصراللہ خاں کے ذہن نشین کئے ہیں یہ نتیجہ ہوا کہ انہوں نے آپ کو قابل امداد دی آپ کی ترقیِ تعلیم خاصکر رؤسا ہند کی اعلیٰ تعلیم سے دلچسپی آپکی تعلیم مذہبی کا احساس، آپ کی علیگڈھ کالج اور دیگر تعلیم گاہوں کو امداد، آپ کی اپنی جنس کی تعلیم سے گہری ہمدردی آپکا اپنے ہم مذہب غرباؤں کے ساتھ شاہانہ کرم اور فیاضی اور آپکا یہ اصول کہ اعلیٰ و مبتدا ران ملک عوام الناس کے کاموں میں زیادہ نمایاں حصہ لے کر آئندہ ریاست کی امداد کا باعث ہوں یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ایک بڑے فرماں روا کے فرائض کی بیش قیمت نظیر ہیں۔ اور جن کا عملدرآمد آئندہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی بھی امداد و تائید کا باعث ہوگا۔"

(۵)
آنریبل مسٹر اوڈوائر[1] | "یہ ایک بڑی خوشی اور بڑا فخر ہے کہ میں نے ایک ایسے حکمراں سے ملاقات کی جس کی شہرت تمام سلطنتِ ہند میں پھیلی ہوئی ہے اور اس خوشنما شہر اور اُس کے دلکش نواح کو دیکھا جس کو یور ہائینس کی خوش مذاقی اور امور عامہ میں دلچسپی نے اس قدر آراستہ کر دیا ہے میں یور ہائینس کی زبانی یہ سُن کر بہت خوش ہوا کہ امسال بہت اچھی فصل کی امید ہے اور میں بھروسا کرتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی اچھے موسم رہیں گے جس سے دس سال پہلے کی قحط کی تلافی ہو جائیگی۔ جو کچھ کہ یور ہائینس نے مجھ سے کہا ہے اس سے مجھے یہ بھی علم ہوا کہ ریاست کی مالی حالت روز بروز بہتر ہوتی جاتی ہے اور یہاں کا انتظام آپ کے لایق حکام مال و عدالت اور خود یور ہائینس کی سخت نگرانی سے بڑی قابلیت اور خوبی سے ہو رہا ہے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میری پہلی مرتبہ کی سیر بھوپال کے وقت مجھکو موقع ملا کہ میں یور ہائینس کو خطاب جی، سی، ایس، آئی کی سند جس کا نشان یور ہائینس کو گذشتہ مہینے میں وائسرائے بہادر نے عطا کیا تھا اور اُس شاندار اور بجا خطاب پر مبارکباد دوں جو شہنشاہ ایڈورڈ آنجہانی نے یور ہائینس کی دیرینہ وفاداری

---

[1] سر مائیکل اوڈوائر لفٹنٹ گورنر پنجاب

اور ادائگی فرائض اور پبلک کاموں میں دلچسپی لینے کے صلہ میں عطا کیا تھا۔ یہ ایسی صفتیں ہیں جن میں ایک صدی کے قریب سے بیگماتِ بھوپال ممتاز رہی ہیں لیکن ان کو یور ہائینس نے ایسے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اب ان سے بڑھنا تو کجا۔ ان کی برابری بھی بہت مشکل ہے۔"

پھر دوبارہ فرماتے ہیں کہ:-

"حضرات جن واقعات کا کہ میں نے مجملاً خاکہ کھینچا ہے ایسے ہیں جس پر ہر فرماں روا خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں ناز کرے گا۔ لیکن ہر ہائینس اپنی اس نام آوری پر اکتفا کرنا نہیں چاہتیں اور اپنی کوششوں کو فقط اپنی رعایا کی ترقی کے لئے محدود کرنا نہیں چاہتیں بلکہ اپنی ریاست کے باہر بھی جو کوئی تحریک دربارہ رفاہِ عام ہوتی ہے اُس کی اعانت و امداد فرماتی ہیں چنانچہ اس کی ایک عمدہ اور قابل یادگار نظیر ان کی وہ ہمت افزا اعانت ہے جو اُنہوں نے ہندوستان میں اسلامی یونیورسٹی کے قائم کرنے کے لئے فرمائی ہے یہ ایک ایسی اسکیم ہے جس کی تکمیل کی صورت اب نظر آنے لگی ہے اور جس وقت یہ اچھے پیمانہ پر قائم ہو جائیگی تو ہم کو یقین ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسی تعلیم گاہ ہو گی جو غرناطہ اور قرطبہ کی شان کو دوبارہ زندہ کرے گی بیان کرنے کی مجھکو کوئی ضرورت نہیں کہ ہر ہائینس نے تخت اور سلطنتِ برطانیہ کے حق میں اپنا فرض کس طرح ادا کیا میرے لئے اس کا اظہار باعثِ مسرت ہے کہ رؤسا بھوپال کی وفا شعاری ضرب المثل ہے۔"

لارڈ ہارڈنگ ویسرائے ہند[6] | "سکندر بیگم صاحبہ کی اولاد جن سے کہ اُن کے خوشنما دار السلطنت میں اس وقت مجھکو ملنے کا افتخار حاصل ہوا ہے قدم بہ قدم اپنے نامور مورث کے ہیں اور اپنے خیر خواہانہ کارناموں کو انہوں نے بدستور قائم رکھا ہے بلکہ اپنی رعایا کی اصلاح میں انہوں نے جو فکریں کی ہیں وہ مزید ہو گئی ہیں یور ہائینس کو جی، سی، آئی، ای، جی، سی، ایس، آئی کے خطابوں کا افتخار حاصل ہے اور سال گذشتہ میں خود شہنشاہ معظم نے دہلی میں آپ کو تمغہ کراؤن آف انڈیا عطا فرمایا ہے۔ یہ شہنشاہ معظم کی دوستی اور لحاظ کی نشانیاں ہیں اور آپ کے عمدہ نظم و نسق کا اعتراف ہے اندرونی انتظاماتِ ملکی میں بھی یور ہائینس کا نام ویسا ہی مشہور ہے جیسی کہ آپ کی خیر خواہیِ تاج و تخت، آپ نے اپنی ریاست اور رعایا کے

فائدہ کے واسطے اُن وسیع معلومات کے نتائج کو وقف کر دیا ہے جو آپ نے انگلستان اور دیگر وسیع ممالک یورپ اور ایشیا میں سفر کرنے سے حاصل کئے ہیں اور جن کی زندہ شہادت وہ کتاب موجود ہے جو حال میں آپ نے شائع کی ہے نظم و نسق ملک کی اصلاح میں جو جو ترقیاں زمانۂ حال میں کی گئی ہیں اُن کا اعادہ چنداں ضروری نہیں ہے مگر دو خاص مہتم بالشان امور کا ذکر کرنا ضروری ہے جس سے کہ یور ہائینس نے ایک نظیر درخشاں قائم کر دی ہے میرا اشارہ اُن احکام کی طرف ہے جو ترقی تعلیم نسوان کے متعلق آپ نے جاری فرمائے ہیں اور اُس دلچسپی کی جانب ہے جو اہم مسئلہ تعلیم اعلیٰ رؤسا و سرداران کی بابت آپ نے لی ہے۔ بعض حصہ جات ہند میں تعلیم نسوان کا اس قدر کم انتظام کیا گیا ہے کہ بعض اوقات یہ امر قریب قریب فراموش کر دیا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں کی مائیں ہیں۔ ایک خطرناک تعداد میں ہر سال بچوں کا ملک میں ضائع ہونا اور ہر طبقہ کی عورتوں کا تعلیم سے معرا ہونا یہ عام طور پر سب کو معلوم ہے اور مجھے اُس کی صراحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر ساتھ ہی اس کے میں یہ کہوں گا کہ اہل ہند کی زندگانی میں یہ دونوں امور جزو اعظم ہیں ترقی میں جو مشکلات ہیں وہ بے حد ہیں مگر بحیثیت ایک خاتون اور والیہ ہونے کے یور ہائینس کو جو مواقع مل سکتے ہیں وہ دوسروں کو نہیں مل سکتے اور آپ نے جو ان مواقع کا عمدہ استعمال کیا وہ اُس کام سے ظاہر ہوتا ہے جو لیڈی لینسڈون ہسپتال اور مدرسہ سلطانیہ اور وکٹوریہ گرلس اسکول میں ہو رہا ہے۔"

(۷) لارڈ چیمسفورڈ حال ہی (۳۱-جولائی ۱۹۱۸ء) میں ہز ایکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ اور لیڈی چیمسفورڈ بھوپال تشریف لائے تھے اس تشریف آوری کے موقع پر اسٹیٹ ڈنر میں ہز ایکسلنسی نے جو تقریر فرمائی تھی وہ بھی اس سلسلہ میں پڑھنے کے قابل ہے جو تمام و کمال ذیل میں درج ہے:-

"یور ہائینس لیڈیز و جنٹلمین! میرے دونوں معزز پیشرو نے جب اس ریاست کا دورہ کیا تھا تو خوش قسمتی سے اُن کو ریاست بھوپال سے قدیم خاندانی تعلقات کی تجدید کا موقع مل گیا تھا میں اس رعایت

کا مستحق نہیں ہو سکتا ہوں۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اور لیڈی جمیسفورڈ یہ معلوم کرکے بیحد خوش ہیں کہ ہمارا شمار آپ کے حلقۂ احباب میں ہے۔ اور آپکی اس گرمجوشی آمیز خیر مقدم کا ہم کو کافی احساس ہے آپ نے اپنی تقریر میں اس روز افزوں دلچسپی کا حوالہ دیا ہے جو ہندوستان موجودہ جنگ میں ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں لے رہا ہے۔ کاش میرے پاس اتنا وقت ہوتا کہ میں آپ سے اس شاندار تائیدی جواب کا جو ہندوستان کے والیانِ ریاست اور عام باشندوں نے وزیر اعظم کی اپیل کا دیا ہے مفصل حال بتاتا اور آپ سے اُس حیرت انگیز جنگی مشین کی ترقیوں کا ذکر کرتا جو ہم نے طیار کی ہے۔ ہندوستان نے اس وقت تک اپنی پوری طاقت استعمال نہیں کی ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ ہم ہر ممکن کوشش اس کام میں خرچ کریں جس کو ہم نے ہاتھ میں لیا ہے۔ لیکن ہماری کوششیں متحدہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم راستی پر ہیں اُس مشہور صلح کو جو پنڈاروں کے خلاف بھوپال و حکومت برطانیہ کے مابین ہوئی تھی ایک صدی سے زیادہ زمانہ گذرا اور وہ دوستی جو اُس زمانہ میں قائم کی گئی تھی وہ ہمیشہ کے لئے مستحکم ہو گئی ہے۔ وہ وفادارانہ و شاندار خدمات جو حکومت برطانیہ کی آپ کے خاندان نے انجام دی ہیں تاریخ میں ثبت ہیں۔ اور مجھے ان کے متعلق کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے مگر میں اس مد کو حاضرین کے گوش گذار کرنے کے لئے ضرور ذکر کروں گا جو موجودہ زمانۂ جنگ میں آپ نے مختلف صورتوں میں گورنمنٹ برطانیہ کو پہنچائی ہے۔ چار سال کا زمانہ گذرا جب آپ نے ریاست کے تمام وسائل گورنمنٹ برطانیہ کے زیر تصرف کر دیئے تھے اور اُس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ نے ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور نظام کی شرکت میں ایک اعلان شائع کیا تھا جو گورنمنٹ کے لئے بہت زیادہ قابلِ وقعت تھا اس لئے کہ اُس سے عام طور پر اُن وفادارانہ جذبات کا اظہار ہوتا تھا جو شاہی طاقت اور دوسرے درجہ کی اسلامی ریاست ہند کے درمیان قائم ہیں۔ اُس وقت سے ابتک آپ نے بیش قیمت موٹر کار، کشتیاں اور ایک مسلح ہوائی جہاز دیئے ہیں۔ اور اِن کے علاوہ کثیر المقدار فیاضانہ امداد بھی مختلف جنگی قرضوں میں کی ہیں۔ اِن سب پر مستزاد ۲ لاکھ کی وہ کثیر رقم ہے جو آپ نے اسپتال کے جہاز "لا کیلی" کے لئے دی ہے۔ آپ نے اپنے توپخانہ کے سب گھوڑے بھی عنایت کر دیئے اور اس کے علاوہ رجمنٹ

نے اور بہت سے گھوڑے ہمارے لئے طیار کئے جو مختلف محاذوں پر روانہ کر دیے گئے ہیں۔ آپ کی امپیریل سروس کی گھوڑ چڑھی رجمنٹ نے ۳ سال تک شمالی ہندوستان میں کام کیا۔ اور اب وہ سرحد وزیرستان پر مصروفِ کار ہے۔

میں میجر جنرل پاٹ کی وہ رپورٹ پڑھکر جو اُس رجمنٹ کے معائنہ کے بعد اُنہوں نے لکھی ہے نہایت محظوظ ہوا ہوں۔ آپنے قرضۂ جنگ میں بہت کثیر رقم عنایت فرمائی ہے اور بھوپال کے عوام و خواص کو بھی آپنے اس کی ترغیب دی کہ وہ اس میں فراخدلی کے ساتھ رقوم دیں۔ آخری مدد جو آپ نے کی ہے وہ میرے ریاست میں آنے کے موقع پر ہوئی ہے۔ آپ نے مجھے اخراجات جنگ کے لئے پچاس ہزار روپیہ عنایت فرمایا اور اسکا وعدہ کیا کہ تا قیام جنگ آپ اتنی ہی رقم سالانہ عنایت فرماتی رہینگی۔ جنگی خدمات کے ذیل میں اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہوں گا کہ باوجود چند در چند دقتوں کے آپ جنگی کانفرنس کے موقع پر ماہ اپریل میں دہلی تشریف لے گئیں یہ بھی آپ کی بے مثل وفاداری کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

مذکورہ بالا اور نیز دیگر طریقوں سے آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی مدد جنگ کے معاملات میں کی ہے مگر اُسی کے ساتھ آپ نے ہندوستان و اپنی ریاست کے معاملات کو ایک منٹ کے لئے بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ والیانِ ملک کی کانفرنسوں کے موقع پر آپ برابر دہلی تشریف لاتی رہیں اور ہم لوگوں کو آپ کی پختہ مغزی و تجربہ سے فائدہ اُٹھانے کا بہت کافی موقع ملا۔ اور میں نے بہت دلچسپی کے ساتھ وقتاً فوقتاً آپ کے اُن خیالات کو پڑھا ہے جو آپ نے اہم پبلک معاملات کے متعلق ظاہر کئے ہیں یہ امر میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آپ میری اور صاحب وزیر ہند کی ان کوششوں کی داد دیتی ہیں جو ہم نے برطانوی حکومت کے حسب ہدایت ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے مسئلہ کو سلجھانے میں مصروف رہکر کی ہیں۔ اور یہ اطلاع میرے لیے دل خوش کن ہے کہ دیاستوں کے معاملہ پر ہماری تجاویز کو آپ خاص طور سے بنظر پسندیدگی دیکھتی ہیں۔

آپ کی شہرت ایک بیدار مغز و دانشمند حکمران کی حیثیت سے دُور دُور پھیلی ہوئی ہے۔ اور

اس کا ثبوت اُن اعلیٰ درجہ کے مدرسوں میں ملتا ہے جو آپ کی ریاست کی زینت ہیں۔ نئے دفاتر اور کتب خانے واقعی ایسی بڑی ریاست کی شان کے شایاں ہیں اور حفظانِ صحت کی جو تجاویز آپ کے ہاں زیر بحث ہیں میں امید کرتا ہوں کہ اُن کے عملدرآمد سے اس شہر کو کافی فائدہ پہنچے گا۔ اور طاعون کا کافی تدارک ہو جائیگا۔ جو مسلسل دلچسپی آپ نے تاریخی ٹوپ کی کُھدائی اور درستی کے کام میں ظاہر کی ہے وہ اُس قیمتی رپورٹ سے ظاہر ہے جو سر جان مارشل نے طیار کی ہے اور جس میں آپ نے اُن کو فیاضانہ مدد دی ہے۔ اُس کی وجہ سے میرا اور لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ کا صبح کا وقت اِن بودھ کی بے نظیر یادگاروں کے معائنہ میں نہایت مفید دلچسپی و لطف سے گذرا۔ آپ کی دلچسپی تعلیمی معاملات میں اور عورتوں کے مسائل کے متعلق مشہور آفاق ہے۔ ہندوستان کی عورتوں نے ہمیشہ اپنے فرقہ کی ایک اعلیٰ حکمران کی نظر سے ہر امداد و سرپرستی کے موقع پر آپ کو دیکھا ہے اور اُن کا یہ خیال بالکل درست ہی ہے جو ذمہ داری آپ نے اپنے سر لی ہے وہ بہت بھاری ہے مگر آپ نے اپنے فرض کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے جس کی شاندار نظیریں لیڈی لینسڈون اسپتال، مدرسہ سلطانیہ، وکٹوریہ گرلس اسکول اور وقف کا وہ فنڈ ہے جس کی بنیاد ۱۹۱۲ء میں بھوپال گرلز اسکول کے مصارف کے لئے پڑی تھی آخر میں میں اُس مدد کا بھی ذکر کروں گا جس کا علم مجھے ہر اکسلنسی (لیڈی چیمسفورڈ) سے ہوا ہے۔ کہ آپ ان کی شاہی نقرئی شادی کے نذرانہ کی اسکیم میں اُن کو بہت قیمتی مدد دے رہی ہیں۔ اور اس کے ضمن میں آپ نے اُن سپاہیوں کے بچوں کے لئے جو اس لڑائی میں کام آئے ہیں کچھ وظائف منظور کئے ہیں حضور ملک معظم نے اپنے اظہار قدردانی میں آپ پر چند در چند مراحم خسروانہ کئے ہیں۔ اور یہ امر میرے لئے بہت باعث مسرت تھا کہ پہلی جنوری کو آپ کو حضور شہنشاہ معظم کی پیشگاہ سے آرڈر آف برٹش ایمپائر کا زنانہ گرینڈ کراس (تمغہ) عطا کیا گیا ہے۔ آپ کو ان تمام شاندارانہ کاموں میں آپ کو اپنے تینوں صاحبزادوں سے گہری مدد ملی۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے نواب نصر اللہ خاں فرانس میں اپنی رجمنٹ کے ساتھ بہت کافی مدد کرتے اگر اُن کی صحت اُن کو اس امر کی اجازت دیتی۔ مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ باوجود اپنی کمزوری کے اُنھوں نے

طاعون کے زمانہ میں آپ کی رعایا کی بہت کافی مدد کی۔ آپ کے دوسرے تیسرے صاحبزادے نوابزادہ عبید اللہ خاں و نواب زادہ حمید اللہ خاں صاحباں نے ریاست کی فوج کے جرنیل و چیف سکرٹری ہونے کی حیثیت سے ریاست کے انتظام میں کافی مدد کی ہے اور یہ امر میرے لئے بہت قابل مسرت تھا کہ میں میجر نوابزادہ عبید اللہ خاں کا بحیثیت اپنے آنریری ایڈیکانگ کے خیر مقدم کرتا ہوں آپ کا میں اپنی اور لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ کی طرف سے اُن خوشگوار و شاندار الفاظ کی بابت جن سے آپنے ہم دونوں کا جام صحت تجویز کیا ہے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کا یقین دلاتا ہوں کہ ہم ہمیشہ نہایت خوشی کے ساتھ اپنے اس سفر کو یاد کرینگے۔ جس میں یہ آپ کا خوبصورت شہر دیکھنے کا ہم کو موقع ملا اور یہ فیاضانہ مہمان نوازی ہمیشہ یادگار رہے گی۔

لیڈیز و جنٹلمین! اب میں آپ لوگوں سے درخواست کروں گا کہ آپ لوگ میرے ساتھ میری میزبان ہرہائینس نواب بیگم صاحبہ بھوپال کا جام صحت نوش کریں"۔

رعایا کا جوش عقیدت اور راعی کا اظہار شفقت

اُن مدبرین کی رائوں کے مطالعہ کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ اپنے شفیق فرماں روا کے متعلق عقیدتمند رعایا کس قدر احساس امتنان و شکرگذاری رکھتی ہے اور کس درجہ ممنون و شکرگذار رہے ۱۹۰۸ء میں ہرہائینس کی سالگرہ کے موقع پر بلدہ بھوپال کی رعایا کے تمام طبقات نے جشن منایا اور مختلف اوقات میں سپاسنامے پیش کئے جن میں خلوص عقیدت کا اظہار اور ہرہائینس کی شفیقانہ طرز حکومت اور عہد میمنت مہد کی برکات کا اعتراف تھا اور یہ پہلی مثال تھی جو بھوپال میں قائم ہوئی۔ پھر جنوری ۱۹۱۷ء میں سالگرہ جلوس میمنت مانوس کے موقع پر ایک جشن ترتیب دیا گیا اور وسیع پیمانہ پر اُس کا انتظام ایک کمیٹی نے کیا۔ حسن اتفاق سے اس موقع پر کئی تقریبات کا شمول ہو گیا۔ سالگرہ جلوس کے علاوہ اسی سال ہرہائینس کی ولادت باسعادت کی ساٹھویں سالگرہ بھی تھی اور مملکت بھوپال اور سلطنت برطانیہ کے معاہدہ دوستی کو بھی ایک صدی پوری ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ سے زیادہ ان تقریبات کی دھوم دھام رہی لیکن ہرہائینس کے منشائے مبارک کے لحاظ سے اس دھوم دھام میں اسراف اور

فضولیات کا پتہ تک نہ تھا جس کو عام طور سے ایسے جشنوں میں روا رکھا جاتا ہے بلکہ سراسر خیر و برکت اور ذرّہ ذرّہ فلاح و سعادت تھی، رعایا و متوسلین کی طرف سے اِن تقریبات کے لئے جو چندہ ہوا تھا اُس میں سے مجروحانِ جنگ اور مختلف یتیم خانوں کو امداد دی گئی غریب مزدوروں کے بچوں کی آسائش کے لئے ایک عمارت کی بنیاد ڈالی گئی غربا اور محتاجین کو اغذیۂ لذیذہ کھلائی گئیں۔ طالبائے مدارس کو شیرینی تقسیم کی گئی اور اُنکے کھیلوں کا دلچسپ مقابلہ ہوا غربا کو رضائیاں اور کمبل تقسیم کئے گئے ہزار سے زیادہ مختلف مضامین کی کتابیں جو عورتوں کے لئے مفید تھیں غریب عورتوں کو تقسیم ہوئیں۔

۱۱۔ جنوری = ۱۷۔ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو بعد عصر قصر سلطانی کے باغ ضیاء الابصار میں جملہ طبقاتِ رعایا اور متوسلین داماں دولت کا عظیم الشان اجتماع تھا ایک وسیع اور سرسبز لان پر ایک خوبصورت اور نفیس ہوپلین بنایا گیا تھا جس میں ارکانِ خاندان اور مسٹر ڈیوس پولیٹکل ایجنٹ اور یورپین لیڈیز کی نشست تھی اور ان نشستوں میں سب سے آگے ہر ہائینس کی مطلّا کرسی تھی وقت معینہ پر ہر ہائنس اپنی مشہور سادگی کے ساتھ تشریف لائیں۔ البتہ برقع پر خطابات کے وہ تمغے آویزاں تھے جو ہر ہائنس کی گوناگوں قابلیتوں کے اعتراف میں شہنشاہ برطانیہ کے حضور سے عطا ہوئے ہیں۔ ہر ہائنس کی آمد کے وقت رعایا کے دیدہ و دل فرشِ راہ تھے قلبی مسرت کا نور چہروں پر چھایا ہوا تھا۔ جب ہر ہائنس شاہی کرسی پر متمکن ہوئیں تو رعایا کی جانب سے اڈریس پیش ہوا یہ اڈریس اوّل سے آخر تک جذباتِ دلی کا ترجمان تھا۔ اور نہایت پُرزور اور پُرجوش لفظوں میں یہ ترجمانی تھی جس کا اقتباس حسب ذیل ہے :-

حضور عالیہ ہم میں سے ہر شخص واقف ہے کہ جس زمانہ میں اس ملک کی قسمت احکم الحاکمین نے علیا حضرت کے دستِ مبارک میں تفویض فرمائی اُس وقت مختلف اسباب سے اس کی مادی و اقتصادی حالت نہایت سقیم ہو چکی تھی قحط و وبا کی صعوبات نے سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ مزروعہ رقبہ کا ثلث حصہ غیر آباد تھا اور تقریباً ۳۰ فیصدی آبادی کم ہو گئی تھی اور اسی طرح عموماً دوسرے

تمام انتظامات اور خصوصاً تعلیم میں ملک بہت بڑی اصلاحی تدابیر کا محتاج تھا لیکن حضور عالیہ نے اپنی اعلیٰ فراست، اصابت رائے اور کمال تدبر و بیدار مغزی سے اُن تمام مشکلات اور دقتوں کو جو اصلاحات کے راستے میں حائل تھیں دور فرما دیا اور اعلیٰ ترین اصولِ حکومت سے ایک قلیل عرصہ میں ملک کی سرسبزی و آبادی میں کامیابی حاصل کی۔ حضور عالیہ کا بنفسِ نفیس ملک محروسہ کا دورہ اور زرعی و تمدنی حالات کا بنظرِ خود معائنہ فرمانا گویا ان اصلاحات و ترقیات کے لئے فتح الباب تھا اور اب منازلِ قمری کے سترہ دور طے کرنے کے بعد جب اُس ابتدائی زمانہ سے ہم مقابلہ کرتے ہیں تو کوئی شعبہ ایسا نظر نہیں آتا جس میں اصلاح و ترقی کے آثار نمایاں نہ ہوں۔

حضور عالیہ! ہم اُن امور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی قسمتوں پر فخر کرتے ہیں کہ ہم کو اُس وجودِ ہمایوں کا ظلِ عاطفت نصیب ہوا ہے جس کی فطرت کا جوہر اعظم مخلوقِ الٰہی پر شفقت و رحمت ہے اور جس کے قلبِ مبارک میں ہمارے جذبات کا کامل احساس اور ہمارے ساتھ انتہائی ہمدردی ہے اور جس کی ذاتِ شاہانہ اعلیٰ اوصافِ حکمرانی کا مجموعہ ہے اور اُس میں تمام وہ خصوصیات مجتمع ہیں جن کے باعث متقدم فرماں روایانِ بھوپال خاص طور پر ممتاز و معروف رہے ہیں۔"

جس وقت یہ ایڈریس پڑھا جا رہا تھا ہر ہائینس ان جذبات سے خود متاثر معلوم ہوتی تھیں۔ ایڈریس ختم ہونے کے بعد ہر ہائینس نے اپنے خاص اندازِ خطاب میں جوابی تقریر ارشاد فرمائی۔ ہر ہائینس کی تقریر اُس اثر اور احساس میں ڈوبی ہوئی تھی جو ایک فرماں روا کو اپنے مساعی بہبودیِ رعایا اور ترقیِ ملک کے نتائج پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر ہائینس نے فرمایا:۔

حاضرین! آپ نے جس مفید و دلچسپ طریقے اور پُرجوش و مؤثر الفاظ میں اپنے اُن جذبات کو ظاہر کیا ہے جو میری ذات اور میرے عہد حکومت کے متعلق آپ کے دلوں میں موجود ہیں اُن سے ایک خاص قسم کا اثر میرے دل پر ہوا ہے۔ میں اُس احکم الحاکمین کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے مجھے رعایا کی فلاح و بہبود کی کوششوں میں مصروف رہنے کی ہمت و توفیق عطا کی اور پھر اُن کوششوں کو بار آور اور مشکور کیا۔ اگر یہ کسی فخر و مباہات کا سبب ہو سکتا ہے تو مجھے حق حاصل

ہے کہ میں اس امر پر فخر کروں کہ میں ایسی رعایا پر حکمراں ہوں جو اپنے فرماں روا کی اطاعت و وفاداری
اور امن پسندی میں موروثی طور پر امتیاز رکھتی ہے اور نہایت سخت آزمائشوں کے موقع پر بھی اس
کا قدم استقلال کے ساتھ ثابت و قائم رہا اور مجھے یقین ہے کہ یہ امتیاز نسلاً بعد نسلٍ اسی طرح قائم
رہے گا۔ نیز یہ امر ہمیشہ میرے لئے بہت کچھ باعثِ اطمینان اور امید افزا رہا ہے کہ ارکینِ ریاست
اور عامۂ رعایا میں باہمی اعتماد اور ہمدردانہ طرزِ عمل ہے جو حقیقت میں ایک فرماں روا کی کوششوں
کے بارآور ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور یہ مشترک اور قائم مقام جماعت بجائے خود اس باہمی
اعتماد و ہمدردی کا ایک نمونہ ہے جس میں مختلف طبقات کے قائم مقام ایک مقصدِ واحد کے
لئے شریک ہیں۔"

بقیہ حصۂ تقریر میں طریقۂ اظہارِ مسرت پر خوشنودیِ مزاجِ شاہانہ کا اظہار اور بقایائے مالگذاری
ولگان کی معافی، لازمی تعلیم کے اجرا اور دیگر مراعات کا اعلان اور موجودہ جنگ پر اظہارِ خیال
معاہدۂ فیما بین بھوپال و سلطنت برطانیہ کی ایک صدی پورے ہونے پر مسرت اور سلطنتِ
برطانیہ کی برکات کا اعتراف تھا۔

یہ جشنِ مسرت اور اس کی بہرہ اندوزیاں مردوں ہی کے حصہ میں نہ تھیں بلکہ مختلف
اوقات میں زنانہ پارٹیاں اور جلسے بھی ہوئے اور اس موقع پر زنانہ ٹریننگ کلاس، زنانہ
بورڈنگ ہاؤس اور کنڈر گارڈن کلاس کا افتتاح ہوا۔ لیڈیز کلب اور سلطانیہ اسکول میں
ایڈریس پیش ہوئے اور ہر ہائینس نے جوابی تقریریں فرمائیں۔ ان تقریبات میں ہر مذہب
و ملت کی خواتین مدعو تھیں۔ جن خواتین نے کہ بھوپال کے ان بے نظیر مجمعوں اور جلسوں کو دیکھا
ہے وہی ان کی دلچسپیوں کا اندازہ کر سکتی ہیں۔ تمام ہندوستان میں سوائے بھوپال کے
عورتوں کے لئے ایسے شاندار دلچسپ مناظر کہیں نظر نہیں آتے۔ یہ فخر صرف بھوپال ہی کو
حاصل ہے اور خواتین بھوپال ہی کے حصہ میں یہ خوش قسمتی ہے۔

قومی و ملکی ہمدردی

قومی ترقی و بہبودی کا خیال اور سعی و عمل ہر ہائینس کو بہ لحاظ اخوت اسلامی مسلمانوں کی قومی فلاح و بہبود کا جس درجہ خیال ہے اُس کا اندازہ صرف وہی اشخاص کرسکتے ہیں جن کو قومی مسائل پر ہر ہائینس سے گفتگو کرنے اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے تمام مشہور مسلمانوں نے ہر ہائینس سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کو قومی سعادت سمجھا ہے۔ ہر ہائینس ان معاملات میں ہمیشہ نہایت صائب رائے ظاہر فرمایا کرتی ہیں اور جو رائے ظاہر فرماتی ہیں وہ عموماً واقعات و حالات پر غور کرنے اور نتائج اخذ کرنے کے بعد ہوتی ہے اور پھر نہایت آزادی سے اُس کو جس طرح پرائیویٹ ملاقاتوں میں ظاہر کرتی ہیں اُسی طرح قومی مجمعوں میں بھی بیان فرمادیتی ہیں لیکن ہر صورت میں مصالح قومی پر نظر رہتی ہے۔ ہر ہائینس نے ۱۹۱۴ء میں ٹرسٹیان کالج کے سپاس نامے کے جواب میں اور ۱۹۱۵ء میں سلطان جہاں منزل کے افتتاح کے وقت کانفرنس اور کالج کے نظامِ عمل اور مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جس طرح کہ حضور ممدوحہ نے نوجوانوں کو نصیحت کی اعیان کالج کو توجہ دلائی اُسی طرح یوروپین اسٹاف کے طرزِ عمل اور فرائض کے متعلق بھی صاف صاف رائے کو بیان کردیا۔ شیعہ و سنی کے اختلافات پر دونوں کے جذبات سے اپیل کی اور دونوں کو ہدایت کی کانفرنس کی تقریر کے بعد چند صاحبوں نے بعض حصّوں پر پرائیویٹ طور سے اعتراض کیا اور اصرار کیا کہ اس کو شائع نہ کیا جائے لیکن حضور ممدوحہ نے اس پر بحث کی اور اپنی رائے پر قائم رہیں۔ ہر ہائینس نے اِن اختلافات کو جو بدقسمتی سے اس زمانہ میں قومی معاملات میں پیدا ہوگئے ہیں ہمیشہ افسوس کے ساتھ دیکھا اور مختلف پارٹیوں کے ممبروں کو جب کبھی وہ بار یاب ہوئے ہمیشہ نصیحتیں کیں اور اتحادِ عمل پر زور دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ہائینس نے قومی کام کرنے والوں کے غلط طریقِ عمل پر تہدید و تنبیہہ کی لیکن اپنی امداد بدستور قائم رکھی باوجودیکہ کالج و کانفرنس اور زنانہ اسکول علیگڑھ پر ہر ہائینس نے ایک زبردست معترض کی حیثیت واقعہ زنی

فرمائے۔ مگر ہر ضرورت کے وقت مدد دی۔ البتہ سنہ ۱۳۳۱ و ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم ندوہ کے معاملات جب بد سے بدتر ہوگئے تو حضور ممدوحہ کو بہت افسوس ہوا اور جب اصلاح کا کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو جب تک کہ اصلاحی تجاویز عمل میں نہ آجائیں اپنے دربار کی گرانقدر امداد ملتوی فرمادی اور جب اصلاح ہوگئی تو امداد بدستور جاری کردی گئی اور ملتویہ رقوم بھی عطا فرمادی گئیں۔
جب ہر ہائینس کو یہ علم ہوا کہ بعض وجوہ سے ہز ہائینس آغا خاں نے اپنی گرانٹ ان ایڈ جو کالج کو دیا کرتے تھے بند کردی ہے اور ضروریات کالج پر اس کا بُرا اثر پڑ رہا ہے تو حضور ممدوحہ نے بہ لحاظ اُن عزیزانہ تعلقات کے جو ان دونوں خاندانوں میں ہیں ہز ہائینس آغا خاں کو نہایت پُر زور خطوط میں توجہ دلائی اور سفارش کی اور بالآخر ہز ہائینس نے اپنی امداد جاری کردی اور سنین گذشتہ کی بابت بھی ایک بڑی رقم عطا کی۔ سنین گذشتہ میں جنگ بلقان و ٹرکی کے زمانہ میں کالج کے متعلق بہت کچھ غلط فہمیاں پھیلیں اور حکام کو بدظن کرنے کی کوششیں کی گئیں اور اس میں شک نہیں کہ ان کارروائیوں کا اثر بھی محسوس ہونے لگا۔ اُس زمانہ میں علیا حضرت کے فرزند اصغر کالج میں تعلیم پا رہے تھے لیکن علیا حضرت اِن تمام افواہوں کو جو معیار صداقت سے گری ہوئی تھیں لغو اور بے سروپا تصور فرماتی رہیں اور بدستور نوابزادہ ممدوح الشان کالج میں تعلیم پاتے رہے اور خود علیا حضرت کالج میں باضابطہ طور پر تشریف لے گئیں اور ٹرسٹیوں کا ایڈریس قبول فرمایا اور اسطرح اُن افواہوں کو حقیر ثابت کیا جو کالج کے دشمن پھیلا رہے تھے کیونکہ بہ لحاظ ان تعلقات کے جو حکمران بھوپال اور بالخصوص حضور ممدوحہ اور سلطنتِ برطانیہ میں ہیں حضور ممدوحہ کا اس طرح کالج کے معاملات میں حصہ لینا بجائے خود اس امر کی دلیل تھی کہ کالج کے اُس اعتماد میں جو ابتدا سے اُس کو حاصل ہے کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔
جس طرح ہر ہائینس خود کالج کی اعانت و امداد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتی ہیں اُسی طرح دوسروں کو بھی توجہ دلاتی رہتی ہیں مسلم یونیورسٹی فنڈ میں جب خود ایک لاکھ کی گرانقدر رقم مرحمت

فرمائی تو لیڈیز کلب میں خواتینِ بھوپال کو بھی متوجہ کیا اور اس موقع پر ایک یادگار تقریر فرمائی اور خواتین نے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ اس چندہ میں شرکت کی۔

سال حال میں جب ہز اگزالٹڈ حضور نظام دہلی تشریف لے گئے ہیں اعیان کالج کے توجہ دلانے پر ہر ہائینس نے اعلیٰحضرت نظام کو معائنہ کالج کے لئے ایک پُرزور سفارش لکھی۔

ہر ہائینس اپنی قوم کی اُس عقیدت کو جو تاج وتختِ برطانیہ کے ساتھ ہے مذہبی چٹان کی بُنیاد پر سمجھتی ہیں اور قومی ترقی کو حاکم و محکوم کے تعلقات کی صفائی و استواری پر مبنی تصور فرماتی ہیں ہر ہائینس نے اس عقیدہ کو ہمیشہ قوم اور سلطنت کے سامنے آزادی سے بیان کیا ہے اور ارکانِ سلطنت کو یقین دلایا ہے کہ مسلمانوں کی قوم وفاداری و جاں نثاری کا خاص جوہر رکھتی ہے اور حاکمِ عادل کی اطاعت و فرمانبرداری مذہبِ اسلام کی عین تعلیم ہے چنانچہ ۱۹۰۳ء کے دربار دہلی میں جو مبارکباد پیش کی تو اُس میں بھی مسلمانوں کی وفاداری کا یقین دلایا۔ اور ۱۹۰۸ء میں جبکہ ہز اکسلنسی لارڈ منٹو سرکاری طور پر بھوپال تشریف لائے تو ڈنر کی تقریر میں ہر ہائینس نے کہا تھا کہ:-

یور اکسلنسی!

میں بہ حیثیت ایک مسلمان کے بلاخوف تردید اس بات کے ظاہر کرنے کا استحقاق رکھتی ہوں کہ تاج وتخت برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اور اُن کی محبت کسی عارضی مصلحت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُن کی مقدس کتاب میں اس کی ہدایت موجود ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

ہر ہائینس تعلیمِ غربا کی بہت حامی ہیں اور چاہتی ہیں کہ جہانتک ممکن ہو تعلیم یافتہ نوجوان ایثار سے کام کریں۔ اور قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلائیں چنانچہ جب سلطانیہ کالج کی اسکیم ملاحظۂ اقدس میں پیش کی گئی اور ہر ہائینس سے عرض کیا گیا کہ یہ کالج معقول اصول کفایت شعاری اور ایثار پر

ہوگا تو بہت مسرور ہوئیں اور اس کے متعلق متعدد مرتبہ مبادلۂ خیالات کیا اور اُس تجویز سے ہمدردی فرمائی اور جب کمیٹی کی باقاعدہ درخواست پیش ہوئی تو نہایت حوصلہ افزا اور شفقت آمیز جواب مرحمت کیا۔ یہ جواب نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر کے نام ہے جو اس تجویز کے مجوز اور اس اسکیم کے روح رواں ہیں۔

"قرۃ باصرہ نواب زادہ حمید اللہ خاں طال عمرہٗ

میں نے مجوزہ کالج کی تجویز کو بہ نظر غور دیکھا جن اصولوں پر یہ کالج قائم کیا جاتا ہے بلاشبہ قابلِ ستائش ہے اور قوم کے اُن مقتدر حامیان تعلیم کی جو کالج کمیٹی کے ممبر ہیں، شرکت اور اعانت اس کا مزید ثبوت ہے۔

اس تجویز سے ثابت ہوتا ہے کہ نوجوانوں میں عملی کام کرنے کی قابلیت کے ساتھ ایثار کی صفت نمایاں موجود ہے۔ اور میں اس کو آئندہ ترقی کے لئے فالِ نیک خیال کرتی ہوں انشاءاللہ مجھے امید ہے کہ نوجوانوں کا صحیح جوش اور بزرگوں کا وسیع تجربہ اس کالج کے قیام و استحکام کا کفیل ہوگا دنیا میں نوجوانوں اور بزرگوں کی متحدہ قوۃ ہی ترقیوں کا اصلی راز ہے۔

میں حسب استدعا تمہارے نہایت خوشی سے کالج کو اپنے نام سے منسوب ہونا منظور کرتی ہوں اور اجازت دیتی ہوں کہ منظوری کی اطلاع ممبر صاحبان کمیٹی کو دیدی جائے نیز میری جانب سے اُن جذبات و خیالات کی نسبت جن کی بنا پر کالج کو میرے نام سے منسوب کرنے کی خواہش کی ہے۔ میرے شکریہ کا دلی دعای کامیابی کے ساتھ اظہار کیا جائے اور یقین دلایا جائے کہ میں ایسی درسگاہ کی جو تمام قوم میں بزرگانِ قوم کی حوصلہ افزائی اور نوجوانوں کے ایثار کی مثال ہوگی ہر امکانی امداد کے لئے ہمہ وقت آمادہ ہوں"

ہر ہائینس کے اس عطوفت آمیز جواب نے کالج کمیٹی کے ساتھ ابرِ رحمت کا کام کیا ہے در یقین ہے کہ یہ کالج (جس کی اسکیم کے تمام ابتدائی مراحل طے ہو چکے ہیں اور اب یونیورسٹی کی منظوری کے آخرین درجہ میں ہے) جب جاری ہو جائیگا تو مسلمانوں کے ایثار اور حقیقی جوش

اسلامی کا نمونہ ہوگا۔ اور ہمیشہ ہر ہائینس کی حوصلہ افزائی اور غریب قوم کے ساتھ شفقت وہمدردی کی ایک بے نظیر یادگار ہوگی۔

قومی فیاضیاں | ہر ہائینس بالطبع نہایت فیاض ہیں اور قومی معاملات میں تو بقول نواب وقار الملک مرحوم کے "ہر ہائینس کی فیاضی خود موقع کی متلاشی رہتی ہے" لیکن ہر ہائینس کی فیاضی کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ وہ محض ان کے ذاتی شوق اور مفید کاموں کے براہ راست احساس کا نتیجہ ہے سفارشوں، درخواستوں اور بارسوخ اشخاص کے اثر کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ حضور ممدوحہ پہلے کام کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ ذاتی طور پر فرمانے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر کامل غور فرماتی ہیں تو فوراً فیاضی کا رخ اس طرف ہو جاتا ہے بعض اوقات حالات سے اس درجہ متاثر ہوتی ہیں کہ گفتگو کرنے والے کو حیرت ہو جاتی ہے۔ ہر ہائینس کو جب محمڈن کالج کے فوائد اور اس کی حالت کا اطمینان ہو گیا اور نواب وقار الملک (مرحوم) سے دو تین مرتبہ ملاقاتوں میں آزادی کے ساتھ گفتگو ہوئی تب ہر ہائینس نے کالج کی طرف دست جود وسخا بڑھایا اور اس طرح کہ آج کالج کا ہر صیغہ ہر ہائینس کی فیاضیوں سے بہرہ یاب ہے اور کالج کے در و دیوار سے ہر ہائینس کی شکر گذاری نمایاں ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر ہائینس نے اپنے نور نظر کو کالج میں تعلیم کے لئے بھیجا جہاں ممدوح الشان نے پورے چھ سال تعلیم پائی اور اپنے قومی کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور اس طرح پورے طور پر کالج کی قومی مرکزیت قائم ہو گئی جس کے کلاسوں میں ایک غریب اور ایک اولی العزم شاہزادہ دونوں ایک ہی صف میں نظر آنے لگے۔

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو جو شاہانہ مدد دی اس نے کانفرنس کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا اور پھر اس کی شاندار عمارت کے لئے گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا۔ ہر ہائینس نے پہلے عمارت کے فنڈ میں پندرہ ہزار روپیہ کا وعدہ فرمایا تھا لیکن جب آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے بھوپال آکر وہ ڈائیگرام اور نقشے جو مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا آئینہ تھے ملاحظہ میں پیش کئے اور عمارت کی ضرورت کو بیان کیا تو ہر ہائینس کے دل پر ایک خاص اثر ہوا اور فوراً رقم[ے] مطلوبہ پوری کر دی گئی۔

دسمبر ۱۹۱۰ء کی کانفرنس میں جب یہ طے ہوگیا کہ مسلم یونیورسٹی کی تحریک کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے تو ہز ہائینس آغا خاں اور نواب وقار الملک بطور ڈپوٹیشن کے ہر ہائینس کے پاس آئے اس وقت ہر ہائینس نمائش دیکھنے کے لئے الہ آباد میں تشریف فرما تھیں جن لوگوں نے ہر ہائینس اور ہز ہائینس آغا خاں کو گفتگو کرتے سُنا وہ ہرگز اس وقت کو نہ بھولیں گے۔ ہر ہائینس نے فرمایا کہ ”ایک لاکھ میں اس وقت دیتی ہوں۔ مگر کہے دیتی ہوں کہ اور بھی دوں گی اس کے علاوہ میں نے خود دیکھا ہے کہ علیگڈھ میں ہماری قوم کے بچے گرمی میں سخت تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ انہیں بجلی کی روشنی اور پنکھے بھی دوں گی اور ریاست کے جاگیرداروں اور عمال سے بھی روپیہ دلاؤں گی اور اگر ہز ہائینس نظام سے بھی ملاقات ہوگی تو اُن سے بھی مدد مانگوں گی،، اس وقت حاضرین اور خود سرکار عالیہ کی آنکھوں میں محبت اسلام کے باعث آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ہز ہائینس آغا خاں نے بھرائی آواز سے اپنے شکریہ کو ان الفاظ میں ادا کیا

”دلِ بندہ را زندہ کردی، دلِ اسلام را زندہ کردی، دلِ قوم را زندہ کردی، خدا تعالیٰ بہ طفیلِ رسول اجرش دہد،،

یہ سماں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں اب تک ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ہر ہائینس کی امداد و دلچسپی صرف اس عطیہ پر ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ جب وصولی چندہ کی کاروائی باقاعدہ شروع ہوگئی اور بھوپال میں پراونشیل کمیٹی قائم ہوئی تو ہر ہائینس نے نہایت حوصلہ افزائی کے ساتھ عمائدین کو ترغیب دی اور خود بہ نفس نفیس پرنسس آف ویلز لیڈیز کلب میں خواتینِ بھوپال کے سامنے ایک پُرجوش تقریر فرمائی دیوبند کے معینہ وظیفہ میں دو ہزار سالانہ کا بلا درخواست اضافہ فرمایا۔ ندوہ کو ابتداءً ۵۰۰ سالانہ عطا کئے تھے۔ لیکن چند سال کے بعد یہ امداد خود بخود دو ہزار چھ سو تک بڑھادی۔

سیرۃ نبوی کے لئے جس طرح مدد دی وہ ہر ہائینس ہی کے الفاظ میں بیان کیجاتی ہے

لہ چنانچہ برقی روشنی اور برقی پنکھے طلبا کی راحت و آسائش کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں ۱۲

"چونکہ اردو میں اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مفصل و مستند سوانح عمری موجود نہیں ہے اس لئے جب مجھے معلوم ہوا کہ شمس العلماء مولانا شبلی جو تاریخ اسلام کے ایک باکمال و مستند عالم ہیں سیرۃ نبوی مرتب کرنا چاہتے ہیں لیکن مالی امداد سے مجبور ہیں اور اُنہوں نے ایک اپیل امداد کے لئے شائع کی ہے۔ میں نے اس اپیل کو دیکھا اور افسوس ہوا کہ ایک ایسی ضروری اور مذہبی تصنیف کے لئے پبلک سے اپیل کرنے کی نوبت پہنچی ہے میں نے اُن کو مطلع کیا کہ وہ فوراً کام شروع کر دیں اور جس قدر روپیہ کے لئے اپیل کی گئی ہے وہ میں دوں گی لیکن اپیل میں اُن کتابوں کے متعلق ذکر نہ تھا جو تالیف سیرۃ نبوی میں ضروری تھیں جب حمید اللہ خاں کو یہ ضرورت معلوم ہوئی تو اُنہوں نے اس ثواب میں حصہ لینے کے لئے فوراً دو ہزار روپیہ خرید کتب کے لئے مولانا موصوف کے پاس بھیج دیے اور اجازت دی کہ جس قدر مزید کتابوں کی ضرورت ہو وہ بھی خرید لی جائیں۔ ان کی قیمت بھی ادا کی جائے گی۔"

مولانا شبلی مرحوم اکثر ہر ہائینس سے ملاقات کو آتے تھے اور کئی کئی دن مہمانِ خاص کے طور پر رہتے تھے۔ گھنٹوں قومی و مذہبی معاملات پر ہر ہائینس سے گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب وہ تشریف لائے تو صحت بہت خراب تھی اور غالباً بھوپال آنے کا بھی یہی آخری موقع تھا۔ سیرۃ کے مصارف کا تخمینہ اندازے سے بہت بڑھ گیا تھا۔ لیکن جب مولانا نے عرض کیا تو ہر ہائینس نے فرمایا کہ:-

"آپ مطمئن رہیے جو مصارف ہوں گے وہ میں دوں گی اور اُسیوقت فوراً حکم دیدیا پھر مولانا سے فرمایا کہ لیجئے میں نے تو اپنا فرض پورا کر دیا اور یقیناً میں اس ثواب کی مستحق ہو گئی جو اس نیک کام میں مجھے ملیگا۔ لیکن آپ کی صحت تو اتنی خراب ہے کہ دو دو وقت آپ کھانا نہیں کھاتے اگر آپ نہ رہے تو کتاب کیونکر پوری ہو گی۔"

مولانا نے کہا کہ:-

"کتاب ضرور پوری ہوگی۔ میں نے دو آدمی تیار کرلیے ہیں۔ حمید الدین[1] اور سید سلیمان[2] وہ پوری کریں گے۔"

ہر ہائینس کی اس فیاضی اور جوش و حوصلہ سے مولانا پر ایک خاص اثر ہوا اور اسی اثر میں مولانا نے یہ قطعہ نظم فرمایا:-

"مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں ہر صورت — کہ از فیض سلطان جہاں بیگم زر افشاں ہے
رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی — تو اس کے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جاں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل — کہ جس میں اک فقیر بے نوا ہے ایک سلطاں ہے"

غالباً اس ملاقات میں یا اس سے پہلے مولانا نے خواجہ کمال الدین صاحب کے تبلیغی مشن کی امداد پر ہر ہائینس کو توجہ دلائی اور ایک مفصل گفتگو کے بعد ہر ہائینس نے اس کو بھی امداد دینا منظور فرمایا اور پھر جب خواجہ صاحب موصوف ہندوستان آئے اور باریاب ملازمت ہوئے تو ہر ہائینس نے اور بھی امدادیں فرمائیں اور ان ہی امدادوں کے بدولت یہ تبلیغی مشن لندن میں بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے۔

جب مولانا کا انتقال ہوگیا تو سیرۃ کا کام جاری رہنے کے متعلق مخصوص طور پر اطمینان حاصل کیا۔ مولانا حمید الدین صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب کو یاد فرمایا اور جب وہ بہرہ اندوز خدمت ہوئے تو ان کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا کہ:-

"اطمینان کے ساتھ کام جاری رکھا جائے اور جس امداد کی ضرورت ہو فوراً درخواست کی جائے"

الحمدللہ کہ سیرۃ کا کام دار المصنفین میں برابر جاری ہے اور ہر ہائینس کا عطیہ اس کا کفیل ہے ثم الحمدللہ کہ ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء میں سیرۃ کا پہلا حصہ طبع ہوگیا۔ سب سے زیادہ اس کتاب کی اشاعت کا اشتیاق علیا حضرت کو تھا۔ چنانچہ جس وقت مولوی سید سلیمان صاحب اور مولوی عبد السلام صاحب نے اس کو علیا حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو وہ علیا حضرت کے مذہبی جذبات کے

---

[1] مولانا حمید الدین صاحب بی اے ۱۲ [2] مولانا سید سلیمان ندوی ۱۲

اظہار کا نہایت ہی مؤثر وقت تھا۔ شکر الٰہی میں مصروف ہوئیں اور نہایت عقیدتمندانہ لہجہ میں فرمایا "یہ تو بڑا کام ہوا"

سیرۃ کے پیش ہونے کے بعد جب دار المصنفین کے کاموں کی رپورٹ سنائی گئی اور اس کو سن کر جب سرکار عالیہ کو معلوم ہوا کہ سیرۃ کے اور حصے بھی تیار ہیں اور اس سلسلہ کی اور دوسری کتابیں مثلاً سیرۃ عائشہ، سیر الصحابہ اور سیر الصحابیات وغیرہ بھی مکمل ہیں لیکن طبع و اشاعت کی مشکلات کے باعث طبع نہیں ہو سکتیں، صرف ایک مشین پریس ان مشکلات کو حل کر سکتا ہے تو اُن کی مذہبی و علمی فیاضیوں کا بادل اُمنڈ آیا اور زبانِ مبارک سے فرمایا کہ "ایسے نیک کام کے لئے تین ہزار کیا چیز ہیں میں ابھی حکم لکھے دیتی ہوں" چنانچہ فوراً رپورٹ کی پیشانی پر یہ حکم لکھ دیا کہ:۔

"تین ہزار روپیے مولوی سید سلیمان صاحب کو بہ شکریہ کتاب سیرۃ نبوی دیے جائیں تاکہ ایسی کتب ہائے خیر کا سلسلہ جاری رہ کر قوم کو استفادہ حاصل ہو"

یہ رقم دوسرے ہی دن موصول ہوگئی اس لئے تمام عاشقانِ رسول کو سرکار عالیہ کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ جس جلوۂ پاک کے وہ منتظر ہیں وہ علیا حضرت کی بدولت برسوں کے بدلے مہینوں میں نظر آئے گا۔

انجمن ترقی اردو کو نہ صرف یک مشت چار ہزار کی امداد دی بلکہ ماہانہ امداد بھی جاری فرمائی اور مولوی عبد الحق صاحب سکریٹری کی درخواست پر انجمن کی مجوزہ کتاب "ہمارا ملک" میں ایک باب تعلیم نسوان کے متعلق تحریر فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ خواجہ سجاد حسین صاحب جب حالی میموریل اسکول کے چندہ کے لئے بھوپال آئے اور ہر ہائنس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیر تک قومی تعلیم پر باتیں ہوتی رہیں اور رخصت ہوتے وقت ان سے ارشاد فرمایا کہ مدارس بھوپال کا معائنہ کریں۔ معائنہ کے بعد جب دوبارہ گئے تو انتظامِ مدارس پر گفتگو رہی۔ چونکہ اس گفتگو میں وقت زیادہ گذر گیا تھا لہذا بخیال تکلیف خواجہ صاحب نے اجازت چاہی۔ لیکن اس وقت تک حالی میموریل اسکول کے متعلق کوئی گفتگو نہیں آئی تھی ہر ہائنس نے خود فرمایا کہ:۔

خواجہ صاحب جس مقصد سے کہ آپ نے بھوپال کا سفر کیا ہے ابھی اُس پر تو گفتگو ہی نہیں
ہوئی ہیں مولانا حالی مرحوم کی یادگار قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض سمجھتی ہوں میں نے اُن کی
قومی نظموں کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ قومی اصلاح میں ان نظموں کا کیا اثر ہے۔ میں
ضرور اس میموریل میں مدد دوں گی۔"

اس کے بعد خواجہ صاحب اجازت لے کر واپس آئے اور شام ہی کو معلوم ہو گیا کہ ہر ہائینس نے
بارہ سو روپیہ سال کی گرانٹ مرحمت فرمائی۔

غرض ہر ہائینس کی قومی و تعلیمی فیاضی کے خوان کرم سے دور و نزدیک رعایا و غیر رعایا سب
ہی بہرہ اندوز ہیں اور موجودہ زمانہ میں مسلمانان ہند کی کوئی تعلیمی تحریک ایسی نہیں جو بقدر ہمت اس
فیض عام سے مالا مال نہ ہوئی ہو اور علاوہ یکمشت امدادوں کے بہت سے مدارس اور انجمنیں وغیرہ
سالانہ امدادوں سے بہرہ ور ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہر ہائینس نے سلطانیہ کالج کی امداد میں دو لاکھ
روپیہ مرحمت کیا ہے اور اسی دو لاکھ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔ حرمین شریفین
میں علاوہ ان مذہبی خیراتوں کے جو رباطوں کے مصارف اور دیگر صورتوں میں جاری ہیں مدرسہ صولتیہ
مکہ معظمہ کو بھی امداد دی جاتی ہے۔ اِن فیاضیوں کے علاوہ ہر ہائینس عموماً مصنفین کی حوصلہ افزائی
بھی فرماتی رہتی ہیں کبھی اشاعت کتب کے لئے مدد فرماتی ہیں اور کبھی کثیر التعداد نسخے خرید فرمالیتی ہیں
اور انعام عطا کرتی ہیں۔

ہر ہائینس نے جب دوران سفر یورپ میں قسطنطنیہ کی سخت آتش زدگی اور اس مصیبت کا حال سنا
تو تین ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) ان مصیبت زدوں کی امداد میں عطا فرمایا جنگ بلقان کے
زمانہ میں تین لاکھ روپیہ کے ٹرکش بانڈ خرید فرمائے اور زخمیوں کی امداد میں گرانقدر رقم مرحمت
کی۔ زنانہ انسٹی ٹیوشنوں سے دلچسپی اور ان کی امداد تو ہر ہائینس کا مدعائے زندگی قرار پا گیا ہے
... الہ ظل السلطان جو موقعہ تذکرہ کی ادارت میں بھوپال سے شائع ہوتا ہے اسی دریائے
کرم کا ایک قطرہ ہے۔

قومی فیاضیوں کا یہ ایک مجمل تذکرہ ہے اگر خدا نے چاہا تو جب ہر ہائینس کی مفصل لائف مرتب ہوگی تو اُن فیاضیوں کی تفصیل دی جائیگی اور پھر اُس وقت دنیا کو معلوم ہوگا کہ ہمارے احیائے قومی میں ہر ہائینس کی اُن فیاضیوں کا کیسا عظیم الشان حصہ شامل ہے۔

رؤسائے ہند کی اعلےٰ تعلیم کی اصلاح و ترقی ہر ہائینس کے عظیم الشان کاموں میں رؤسائے ہند کی اعلےٰ تعلیم کی ترقی و اصلاح ایک ایسی یادگار ہے جس کے احسان سے نہ صرف طبقۂ رؤسا بلکہ اہلِ ملک کا کوئی گروہ بھی کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا کیونکہ بلحاظ اس درجہ اور مرتبہ کے جو ہندوستان میں اس طبقہ کو حاصل ہے اس کی تعلیم و جہالت سے بالواسطہ اور بلاواسطہ سارے ہندوستان کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔

اس طبقہ کی تعلیم کے لئے ایک عرصہ سے اجمیر، اندور، اور لاہور میں چیفس کالج قائم کئے گئے ہیں لیکن ان کا تعلیمی معیار عام یونیورسٹیوں کے کالجوں اور اسکولوں کے برابر بھی نہ تھا اور صحیح معنوں میں وہ کچھ زیادہ مفید نہ تھے۔ ہر ہائینس نے ابتداءً جب اپنے خلفِ اصغر نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بی اے کو چیفس کالج اندور کے نصاب کی تعلیم دلوائی تو چونکہ قدرت سے تعلیم کا مذاقِ سلیم عطا ہوا ہے اور ہر معاملہ پر طبعِ شاہانہ کو غور و فکر کی عادت ہے نصاب و معیار تعلیم کا ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نصاب و معیار سے مقابلہ کیا اور انگلستان کے اٹین اور ہیرو کالجوں کے طریقۂ تعلیم پر غور فرمایا تو اُن کالجوں کی خامیوں اور تعلیم و تربیت کے نقائص پر ذہن شاہانہ نے عبور حاصل کیا اور ان کی اصلاحات پر توجہ منعطف ہوئی۔ نوابزادہ ممدوح الشان کی تعلیم کے لئے الہ آباد یونیورسٹی کے نصاب کو پسند فرمایا اور جیسا کہ طبع شاہانہ کا خاصہ ہے کہ جب کسی اصلاح کا عزم بالجزم فرما لیتی ہیں تو ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ ہوجاتی ہیں چیفس کالجوں کی اصلاح کا عزم مصمم فرمایا اور کوشش کی کہ اُن کا نصاب و معیار بلند درجہ کا ہو اور اُن کو تکمیل کے اعلیٰ درجہ تک بہ اسلوب جدید پہنچایا جائے اور تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ روسائے ہند کی آئندہ نسلیں تمام تعلیم یافتہ ہند میں بہ لحاظ اپنے علم و اخلاق اور ارتقاء ذہنی و دماغی کے

اولین گروہ نظر آئے چنانچہ ہر ہائینس نے اپنے خیالات و تجویزات کو وقتاً فوقتاً متعدد رسالوں کی صورت میں امراء و رؤسا برٹش حکام اور ماہرین تعلیم کی توجہ اور غور کے لئے شائع کیا جن پر تمام ہندوستانی اور انگلو انڈین پریس نے عرصہ تک بحثیں کیں اور ہر ہائینس کی تجاویز سے بڑی حد تک اتفاق کیا۔ ان کی نسبت بعض ماہرین فنِ تعلیم کی رائیں بھی شائع ہوئی ہیں جن کے مطالعہ سے ہر ہائینس کی دماغی قابلیت، قوتِ فیصلہ، تعلیمی شغف اور اس احسانِ عظیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ہر ہائینس اُن تمام جلسوں میں جو اندور و دہلی میں اس کے متعلق ہوتے ہیں شریک ہوتی ہیں اور اُن سب بحثوں اور تحریکوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتی ہیں جو اس کے متعلق پیش کی جاتی ہیں۔

رؤسا ہند کے علاوہ قائمقامانِ سلطنت بھی اِن تجاویز پر ہمدردی آمیز اعتراف کے ساتھ متوجہ ہیں اور ہر ہائینس کی ان مساعی جمیلہ کو سراہتے ہیں چنانچہ آنریبل میجر میو ڈیلی نے جن کے نامور باپ سر ہنری ڈیلی نے اندور میں ڈیلی کالج قائم کیا تھا ایک وداعی دعوت کی تقریر میں کہا تھا کہ:-

"یور ہر ہائینس نے ڈیلی کالج کے متعلقہ امور کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن جس بات کو میں پہلے کہہ چکا ہوں اسے پھر دہراتا ہوں کہ فی الحقیقت کالج کا انتظام اور ترمیم بالکل امراء کا کام ہے اور کالج کی آئندہ حالت کا دار و مدار بھی ان ہی پر رہے گا۔

میں جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں یور ہائینس اپنے حصہ کو پورا کرنے کے لئے کس قدر قابل ہیں۔ یور ہائینس کی تجویز ہے کہ ایک یونیورسٹی قائم کر کے تمام چیفس کالجوں کے باہم اتحاد و انتظام کا سنگ بنیاد رکھا جائے۔ یور ہائینس سے بہتر کسی شخص نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ ایسے اہم معاملہ میں نہایت احتیاط سے کارروائی کرنی چاہئے لیکن میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ ہند یور ہائینس کی تجویز پر پوری ہمدردی سے غور کرے گی اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے ملک کو خیر باد کہنے سے پہلے اس کا اجرا ہو جانا ممکن ہے۔"

اسی طرح ہز اکسلنسی لارڈ ہارڈنگ نے ۱۹۱۲ء میں اسٹیٹ بینکوئٹ کے موقع پر جو تقریر کی تھی اُس میں ارشاد کیا تھا کہ:۔

"تعلیم رؤساء و والیانِ ملک پر جو پمفلٹ یور ہائینس نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اہم مسئلہ پر آپ نے نظرِ غائر ڈالی ہے جس سے کہ تحریکِ تعلیم کا ایک جوش پیدا ہو گیا ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں مجھکو ذاتی دلچسپی ہے اور میں اس میں ہر طرح مدد دینے کو تیار ہوں۔"

مارچ ۱۹۱۳ء میں بمقام دہلی اسی مقصد کے لئے جو چیفس کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور جس میں اکثر والیانِ ملک شریک تھے ہز اکسلنسی نے فرمایا تھا کہ:۔

"ہز ہائینس بیگم فرمانروا ہیں جنہوں نے چیفس کالجوں کی تعلیمی اصلاح کے معاملہ کی اہمیت محسوس کر کے ایک خاص اسکیم پیش کی ہے۔"

ہر ہائینس کی یہ کوششیں جاری ہیں اور بتدریج اپنی تجاویز میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ بہت سی اصلاحات عمل میں آ چکی ہیں اور اس تعلیم کا معیار بمقابلہ پہلے کے بہت بلند ہو گیا ہے۔ اور امید ہے کہ بالآخر ہر ہائینس کی کوششوں کی بدولت ہندوستان میں ایک ایسی یونیورسٹی وجود میں آ جائیگی جو اپنی نوعیت میں مخصوص ہو گی اور والیانِ ملک کی نسلوں میں ہر ہائینس کے اس تعلیمی احسان کو ہمیشہ تازہ رکھے گی۔

ترقیِ نسواں کے لئے مساعیِ جمیلہ

ہر ہائینس کو اپنی صنف کے مسائلِ تعلیم و ترقی میں جو شغف ہے اور گذشتہ ۱۰ سال میں ہر موقع پر بھوپال اور بیرونِ بھوپال میں سفر و حضر میں والیانِ ملک، اکابرینِ قوم، اعلیٰ افسرانِ گورنمنٹ ہند، یورپین لیڈیز، مہارانیوں اور بیگمات اور معزز خواتین کی ملاقاتوں میں قوم و ملک کے مردانہ و زنانہ جلسوں میں اس شغف کا اظہار ہوا ہے اور جن متعدد اور گوناگوں طریقوں سے ہر ہائینس نے صنفی بہبودی میں اپنے اثر کا استعمال کیا ہے وہ اس زمانہ کی تحریکات اور مسائلِ نسواں کی تاریخ میں ایک مستقل باب بن گیا ہے جس کو ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے

یہ مختصر تذکرہ اس کی وسعت کا احاطہ نہیں کرسکتا تاہم اختصاراً واجمالاً اُن چند حالات و واقعات کو اس تذکرہ میں درج کیا جاتا ہے جو کتاب کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں اور اس سلسلہ میں پہلے ان حالات کو جو بھوپال سے متعلق ہیں اور پھر اُن حالات کو جن کا تعلق بیرونِ بھوپال سے ہے بیان کیا جائیگا۔

ترقی تعلیم | ہر اکسلنسی لیڈی منٹو نے سلطانیہ اسکول کے معائنہ کے بعد جو تقریر کی تھی اس میں ارشاد کیا تھا کہ:-

"بس ہندوستان میں عورتوں کی حالت بھوپال سے بہتر نہ ہونی چاہئے کیونکہ حسن اتفاق سے یہیں مسلسل چار بیگمات فرماں روا رہی ہیں۔ ایسی بے نظیر حالت میں یہ بات ضروری ہے کہ فرماں روائے بھوپال کا دل اپنی ہم جنسوں کی تعلیم سے ہمدردی کرے"

یہ الفاظ دراصل اُس حقیقت پر مبنی ہیں جس کا اظہار ہمیشہ اُس دلچسپی اور ہمدردی سے ہوتا ہے جو سرکار عالیہ کو اپنی ہم جنسوں کی تعلیم و ترقی کے ساتھ ہے اور جس کے مظاہر بھوپال کے وہ متعدد انسٹی ٹیوشن ہیں جو عورتوں کی تربیت و تعلیم اور تہذیب و تمدّن کا چشمہ بنے ہوئے ہیں اور حضور ممدوحہ کی رہنمائی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

علیاحضرت کو ابتدائً باقاعدہ تعلیم کے رواج اور اس کی اشاعت میں چند در چند مشکلات بھی پیش آئیں۔ یہاں تعلیم سے تو نفرت نہ تھی اور نہ زنانہ تعلیم کوئی اجنبی چیز تھی کیونکہ سرکار خلد نشین اور سرکار خلد مکان کے زمانہ میں یہاں تعلیم کا چرچا پھیل چکا تھا دو مدرسے وکٹوریہ اور بلقیسیہ کے نام سے جاری بھی تھے لیکن یہ تمام تر تعلیم جو پرائیویٹ طور پر ہوتی تھی وہ صرف قرآن مجید کے ناظرہ پڑھانے پر محدود تھی البتہ بعض گھرانوں میں اردو کی تعلیم اچھی خاصی تھی مگر اس تعلیم کو بہت ہی معمولی کتابوں تک ختم کردیا جاتا تھا۔ سرکاری مدرسوں میں بھی اسی قسم کی تعلیم تھی، کوئی ترقی یافتہ نظام تعلیم نہ تھا۔ دستکاری پر بے شک زیادہ توجہ تھی۔ مگر وہ اس قسم کی دستکاری رہ گئی تھی جو خاص خاص اشخاص کے

پسند طبع ہوتی ہے لیکن عام گھروں اور بازاروں میں اس کی کوئی پرسش نہیں ہوتی ہے سرکار عالیہ کو جدید مدارس کا اجرا اور ان دو قدیم مدرسوں کی اصلاح مدنظر تھی۔ چنانچہ حضور ممدوحہ نے اپنی مسند نشینی کے تیسرے ہی سال سلطانیہ اسکول جاری فرمایا اور قدیم مدرسوں کی اصلاح پر توجہ کی اور وقتاً فوقتاً دوسرے مدارس جاری کئے اس ۱۶ سال کے عرصہ میں باوجود اُن تمام دقتوں کے جو عموماً ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم میں مائل ہیں ان مدارس نے کافی طور پر ترقی کی۔ اسٹاف کی عمدگی کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ علیا حضرت کا انتخاب و الطاف اور بیش قرار مشاہرات اس عمدگی کے ضامن ہیں طالبات کی تعداد بھی کافی طور پر معقول رہی ہے، دستکاری میں یہاں کے مدارس نے مختلف نمائشوں سے تمغے اور سندیں حاصل کی ہیں۔ وقتاً فوقتاً زنانہ فینسی بازاروں میں جو یہاں قائم کئے جاتے ہیں ان لڑکیوں کی دستکاری کی چیزیں رکھی جاتی ہیں جو قبولیت عام کے ساتھ فروخت ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح اس دستکاری سے عملی فائدہ بھی اُٹھایا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء میں زخمیوں کی امداد کے لئے اور ۱۹۱۸ء کے آور ڈے کے موقع پر صرف مدرسہ سلطانیہ کی ہی لڑکیوں کے بنائے ہوئے سامان سے ۱۳ سو روپیہ چندہ میں دیے گئے تھے۔ ان مدرسوں کو ہمیشہ حضور عالیہ کی معزز مہمان خواتین جو تقریباً ہر قوم و ملت کی ممبر ہوتی ہیں ایسے سادہ طریقہ پر معائنہ کرتی رہتی ہیں جس سے معائنہ کا منشا بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی ان مہمانوں کے ہاتھوں سے انعام بھی تقسیم کرائے جاتے ہیں اکثر خاص مہمانوں کی آمد کے موقع پر ان مدرسوں میں خاص اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اسکول بڑے تکلف سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ ایڈریس پیش ہوتے ہیں، تقریریں کی جاتی ہیں لڑکیاں ایک ہی قسم کے لباس میں ہوتی ہیں ان میں سے بعض ریسیٹیشن بھی کرتی ہیں۔ بعض اردو و انگریزی کی نظمیں سناتی ہیں، نیشنل اینتھم گاتی ہیں۔ غرض ان تمام باتوں میں اپنے مدرسہ کی تربیت و تہذیب کا ایک نہایت زبردست مگر دلچسپ ثبوت دیتی ہیں جس سے معائنہ کرنے والوں کے دل پر ایک خاص اثر پیدا ہوتا ہے۔

اس پندرہ سال کے زمانہ میں ان مدرسوں کو اور خصوصاً سلطانیہ اسکول کو معزز وزیٹروں کے

استقبال کے متعدد موقعے مل چکے ہیں، جن میں لیڈی منٹو، لیڈی ہارڈنگ، لیڈی چیمسفورڈ بیگم صاحبہ جنجیرہ، مہارانی صاحبہ پدوکوٹہ، لیڈی مسٹن، لیڈی اڈوائر لیڈی ڈین مسز تائنڈو کے نام خاص طور پر قابل لذکر ہیں، اِن خواتین نے ہمیشہ اسکول کی تعریف اور لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ہر ہائنیس کی اس فیاضانہ ہمدردی کا اعتراف کیا ہے جو اِن سب نتائج حسنہ کا سرچشمہ ہے۔

اِن وزیٹروں کے علاوہ لیڈی انسپکٹریس اور ایسی خواتین جن کو تعلیمی دلچسپی ہوتی ہے بحیثیت ایک معائنہ کنندہ کے معائنہ کرتی ہیں۔

اکثر اوقات خود علیاحضرت اچانک معائنہ کے لئے تشریف لاتی ہیں اور کامل طور پر ذرا ذراسی بات کو نقّادانہ نظر سے ملاحظہ فرماتی ہیں۔ علیاحضرت کو ان مدرسوں کے ساتھ ایک عجیب قسم کا شوق و شغف ہے اور جب موقع ہوتا ہے تو سرکاری تقریبات میں یہ طالبات شریک کیجاتی ہیں۔ نمائش وغیرہ کے موقع پر والنٹیر بنتی ہیں کبھی کبھی علیاحضرت اسکول میں مدعو کی جاتی ہیں اور لڑکیاں اپنی عقیدت و محبت کا جہاں تک ممکن ہوتا ہے پر جوش استقبال کی صورت میں ایک پُرلطف نظارہ دکھلاتی ہیں۔

علیاحضرت تمام طالبات سے ذاتی طور پر تعارف رکھتی اور شفقت و عطوفت مبذول فرماتی رہتی ہیں اور نہ صرف موجودہ حالت بلکہ آئندہ زندگی کے سود بہبود کا بھی خیال رکھتی ہیں اور اس میں اگر ضرورت ہوتی ہے تو اپنے اثر و اقتدار کو بھی کام میں لاتی ہیں۔

بلدۂ خاص میں اس وقت پانچ مدرسے ہیں۔ جن کو علیاحضرت کی نگرانی کا خاص امتیاز حاصل ہے ان سب میں نہایت قابل لیڈیز کا اسٹاف ہے۔ تمام فرنیچر نہایت عمدہ۔ مضبوط اور باسلیقہ ہے۔ اور طالبات کی معقول تعداد ہے۔

(۱) مدرسہ وکٹوریا۔ اس میں قرآن مجید۔ انگریزی (مڈل تک) اردو، حساب، خانہ داری، دستکاری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور علی گڈھ کی کمیٹی نصاب نے جو نصابی

کتابیں تیار کی ہیں وہ گذشتہ سال سے تعلیم میں داخل کی گئی ہیں۔ اس مدرسے میں عموماً غریب لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں جن کے کم و بیش پورے مصارف مختلف شکلوں میں حضور عالیہ کی فیاضی سے پورے ہوتے ہیں۔

(۲) مدرسۂ بلقیسی۔ غریب لڑکیوں کو قرآن مجید، اردو حساب کی تعلیم دی جاتی ہے اور عملی طور پر چیزوں کی ترتیب اور صفائی، ترکاری، پھول اور پھل دار درختوں کے بیج بونے پودوں کی نگرانی وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے۔ عقب مدرسہ میں ایک خوش قطع چمن ہے جس میں لڑکیاں یہ کام کرتی ہیں۔ تمام لڑکیوں کو علیا حضرت وظیفے عنایت فرماتی ہیں۔

(۳) مدرسۂ سلطانیہ۔ اس میں انگریزی و اُردو مڈل تک پڑھائی جاتی ہے۔ اور الہ آباد کے سررشتۂ تعلیم سے ملحق ہے۔ منظور شدہ نصاب کے علاوہ قرآن مجید باترجمہ کی تعلیم قراءت کے التزام کے ساتھ لازمی ہے۔ دستکاری کی تعلیم ضروری ہے۔ ایمبولینس اور فرسٹ ایڈ یعنی زخمیوں کی تیمارداری اور فوری امداد کی تعلیم کا بھی ایک درجہ ہے جو ۱۹۱۵ء سے کھولا گیا ہے۔ اس مدرسہ کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی چند تعلیم یافتہ لڑکیاں اب اُستانی کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ ہر سال اس مدرسہ کا اوسط کامیابی بہت اچھا رہتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں منجملہ چند طالبات کے ایک نے انگریزی مڈل میں ذہانت و قابلیت کا وظیفہ حاصل کیا اور دوسری لڑکی ۱۹۱۸ء میں درجۂ دوم میں کامیاب ہوئی اور بھوپال امتحانوں کے لئے سینٹر بھی بنا دیا گیا۔

اس مدرسہ میں ٹریننگ کی ایک شاخ کھولی گئی ہے تاکہ معمولی نوشت و خواند جاننے والی عورتوں کو بھی مکتبوں اور مدرسوں کے قابل بنایا جائے اور اس طرح مکتبی تعلیم کے لئے معقول تعداد میں ہر وقت اسٹاف مہیا رہے تاکہ نشر و اشاعتِ تعلیم میں آسانی ہو اور جو مشکلیں استانیوں کی عدم موجودگی سے اجرائے مدارسِ نسوان میں پیش آ رہی ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اس درجہ میں داخل ہونے والی عورتوں کے لئے علیا حضرت نے خاص وظائف بھی مقرر فرمائے ہیں اور دو سال ضروری مضامین کی تعلیم کے لئے اور ایک سال طریقۂ تعلیم کی اصولی اور عملی تعلیم کے لئے رکھا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ

ایک بورڈنگ ہاؤس بھی قائم کیا گیا ہے۔

اس مدرسہ کو جب ۱۹۱۱ء میں لیڈی اڈوائر نے معائنہ کیا تو تحریر کیا کہ:-

"اس مدرسہ سے علیا حضرت کی گہری دلچسپی امرائے ریاست کی آئندہ نونہالوں کے لئے
تعلیم یافتہ اور تمیزدار بیویاں مہیا کرنے میں بہت مفید ہوگی۔ اور اس سکول کے افتتاح
میں علیا حضرت کی مآل اندیشی اس لحاظ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ ریاستہائے
ہندوستان میں اس مدرسہ کی کوئی نظیر ملنی مشکل ہے۔"

گذشتہ یکم اگست ۱۹۱۸ء کو ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے مدرسۂ سلطانیہ کا معائنہ فرمایا
تھا۔ اس موقع پر اسکول کی عمارت (جو ایک نہایت عالیشان محل ہے) بڑی خوبصورتی سے
آراستہ کی گئی تھی۔ اس کے صحن اور وسیع دالانوں کو پھول پتوں جھنڈیوں اور پھریروں سے
زنانہ مذاق کے ساتھ سجایا گیا تھا وسط میں ایک بلند پلیٹ فارم پر علیا حضرت اور ہر اکسلنسی کی
زرنگار کرسیاں تھیں۔ اس کے دونوں طرف درجہ بدرجہ بیگمات اور معزز لیڈیز کے لئے سوفے
کوچیں اور کرسیاں تھیں اور اُن کے عقب میں تمام طالبات مدرسہ ایک ہی لباس میں بیٹھی
تھیں۔ پلیٹ فارم کے قریب دو میزیں انعام کی قیمتی اشیاء سے آراستہ تھیں۔ مسز بخش لیڈی
سپرنٹنڈنٹ نے ایک مختصر ایڈریس ہر اکسلنسی کے سامنے پڑھا اور اس امر کا اعلان کیا کہ
"ہز امپیریل مجسٹی کنگ اور ہر امپیریل مجسٹی کوئن کی تقریب شادی کی نقرئی جوبلی پر لڑکیوں نے
ماضہ۱۵ کا تحفہ پیش کیا ہے" پھر اردو انگریزی کی نظمیں سنائی گئیں۔ ریسیٹیشن کیا گیا اور اس دلچسپ
نظارہ کے بعد ہر اکسلنسی نے انعام تقسیم کیا۔ سب سے پہلے ایک جاگیردار کی لڑکی پیش ہوئی جو مڈل کے امتحان
میں عمدہ نمبروں سے کامیاب ہوئی تھی اس کو ایک سند اور مرصع پہنچیاں دی گئیں۔ دوسری
لڑکی کو جو اسی سال سیکنڈ گریڈ مڈل میں کامیاب ہوئی ہے طلائی پہنچیاں عطا ہوئیں۔ اور پھر درجہ
بدرجہ دوسری لڑکیوں کو زنانہ ضرورتوں کی کتابیں تقسیم ہوئیں (جن میں بڑا حصہ علیا حضرت
در علیا جنابہ میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ کی مصنفات و مؤلفات کا تھا) ان کتابوں کی

طلائی جلدیں نہایت خوبصورت تیار کرائی گئی تھیں۔

انعام سے فارغ ہونے کے بعد ہز اکسلنسی نے ایک مختصر تقریر کی جس میں لڑکیوں کے اُن کاموں پر جو انہوں نے پروگرام کے مطابق انجام دیے تھے خوشنودی کا اظہار کیا اور لڑکیوں کے تحفہ کو خوشی کے ساتھ قبول کیا اور یہ پر لطف "وزٹ" "گاڈ سیو دی کنگ" کے پُرجوش گیت پر ختم ہوئی۔

(۴) برجیسیہ کنیا پاٹ شالا۔ ہنود کی لڑکیوں کا خاص مدرسہ ہے ہندی، انگریزی اور حساب کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ کو علیا حضرت نے جن وجوہ سے مختص القوم بنایا ہے وہ علیا حضرت ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔ جن سے مذہبی رواداری کے جذبات صحیحہ کا اندازہ ہوگا۔

"ہندو لڑکیوں کے لئے جداگانہ مدرسہ قائم کرنے کی مجھے ایک عرصہ سے فکر تھی کیونکہ میں اپنی رعایا کو بلا امتیاز مذہب عزیز رکھتی ہوں اور فی الواقع کسی فرماں روا کو زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مابین مذہبی رواداری یا امتیاز کو جہاں تک ترقی و اصلاح اور انصاف و امن کا واسطہ ہے جائز رکھے بلکہ ہر صورت میں مساوات قائم رکھنا چاہئے۔ اس لئے جس طرح مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں مجھے شغف ہے اسی طرح ہندو لڑکیوں کی تعلیم بھی میرا نصب العین ہے۔ اور اگر میں خاص مذہبی ضرورتوں سے مجبور نہ ہوتی تو کبھی جداگانہ مدرسے قائم نہ کرتی۔

اگرچہ عام تعلیم دونوں کے لئے ایک ہی پیمانے اور طریقہ پر ہے مگر چونکہ ابتدائی درجوں میں مذہبی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے پس لا محالہ دونوں کو ملا کر تعلیم نہیں دی جا سکتی لہٰذا میں نے اس سال برجیس جہاں بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ کے عزیز نام سے موسوم کر کے ہندو لڑکیوں کے لئے ایک پاٹ شالا قائم کیا۔"

(۵) مدرسۂ سکندری۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین کے نام نامی کی طرف منسوب ہے

جو قصر سلطانی کے احاطہ میں بالکل زنانہ محل کے قریب واقع ہے۔ اس کی ایک خاص عمارت ہے میدان نہایت وسیع ہے اور سبز و خوشنما پودوں سے تازگی بخش ہے۔ اس مدرسے میں صرف خاندان کی لڑکیاں یا خال خال کسی مخصوص متوسل ریاست کی لڑکیاں قرآن مجید، اردو انگریزی اور دستکاری کی تعلیم پاتی ہیں اور مدرسہ کے بورڈنگ ہاؤس میں ان کے لئے رہنا لازمی ہے۔ ہندوستانی اور یورپین خواتین اس کی معلمات ہیں اردو خوشنویسی بھی خاص طور پر سکھائی جاتی ہے۔

اُن مدرسوں میں جہاں قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے مفتی صاحب ریاست مع دو ایک اور عالموں کے امتحان لیا کرتے ہیں۔ اور اب سلسلۂ درس میں "ذکر مبارک"[1] بھی شامل کیا گیا ہے۔ اور آئندہ تاریخ اسلام پر جو کتابیں تیار ہوں گی وہ بھی جاری کی جائیں گی۔

تذکرۂ مدارس نسواں کے سلسلہ میں علیا حضرت کی ایک تقریر کا جو جنوری ۱۹۱۷ء میں بجواب سپاس نامہ ممبران اسٹاف سلطانیہ اسکول ارشاد فرمائی تھی اقتباس درج کیا جاتا ہے جو عام طور پر ہر جگہ غور کرنے کے قابل ہے خصوصاً خواتین کرام کو تو بہت غور کے ساتھ دیکھنا چاہئے کیونکہ جن دقتوں کا تذکرہ علیا حضرت نے بھوپال میں کیا ہے وہی ہر جگہ ہیں اور ان دقتوں کو عورتوں اور مردوں کی متفقہ کوشش ہی دور کر سکتی ہے۔ حضور ممدوحہ فرماتی ہیں کہ:۔

> "جہاں تک میں نے غور کر کے نتیجہ نکالا ہے مفید و موزوں نصاب تعلیم کا نہ ہونا اور اُستانیوں کا میسر نہ آنا اس پس ماندگی کا بڑا سبب ہے۔ مجھے پہلے اس مدرسہ کے قائم کرتے وقت بھی دقتیں محسوس ہو رہی تھیں اور ابھی تک میری حسب مرضی تعلیم کی عام اشاعت نہ ہونے میں بھی مشکلات درپیش ہیں اگر اُستانیوں کی تعلیم کا انتظام ہوتا اور عمدہ نصاب تیار کر لیا جاتا تو بڑی حد تک یہ مشکلیں رفع ہو جاتیں۔ تاہم بھوپال میں مدارس شہر کے لئے مسز بخش نے خود اسی مدرسہ کی لڑکیوں کو ٹرینڈ کر لیا اور ایک حد تک اس میں دقت نہیں ہوئی۔

---

[1] مؤلفہ علیا جناب شاہ بانو بیگم صاحبہ بالقابہا ۱۲

خواتین! تمام پیشوں میں جو عورتیں اور مرد کرتے ہیں معلمی کا پیشہ سب سے زیادہ شریف اور اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں ایک انسان کو بہت سے انسانوں کی سیرت اور عادات و اخلاق اور آئندہ زندگی درست کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اُستانی کا لفظ ہی حقیر سمجھ لیا گیا ہے اور شریف و ذی رتبہ خواتین اس پیشہ کو اپنے مرتبہ اور شرافت کی توہین سمجھتی ہیں حالانکہ اگر وہ خواتین جو زندگی کی ضروریات سے مستغنی ہیں اور ان کو وقت و فرصت حاصل ہے اس پیشے اور کام کو اختیار کریں تو وہ اپنی بہنوں اور اپنی صنف کی بہت بڑی خدمت انجام دے سکتی ہیں اور وہ عورتیں جو اپنی مدد آپ کرنے کے لئے مجبور ہیں اس پیشہ کو اختیار کرکے ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہو سکتی ہیں۔

خواتین! میں سمجھتی ہوں کہ جو نصاب تعلیم عام طور سے زنانہ مدارس میں رائج ہے وہ ہماری قومی و ملکی ضروریات کے لئے ناکافی ہے اور ہم کو ایک ایسا نصاب درکار ہے جو تمام ضرورتوں پر حاوی ہو لیکن یہ کام ملک کے قابل ترین اصحاب کا ہے اور افسوس ہے کہ باوجود ضرورت سمجھنے کے مسلمانوں نے تو اس پر مطلق توجہ نہیں کی۔ اب البتہ دس سال کی کوشش کے بعد چند کتابیں تیار ہوئی ہیں جو کچھ غنیمت معلوم ہوتی ہیں مگر جب تک سلسلہ مکمل نہ ہو جائے ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تاہم جو کچھ تیار ہو گیا ہے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

(۶) صنعت و حرفت اُناث۔ ان مدارس کے علاوہ عورتوں کے لئے ایک صنعتی مدرسہ بھی جاری کیا گیا ہے جس کے اغراض و مقاصد خود علیاحضرت کے ہی الفاظ میں یہ ہیں کہ:۔

"وہ جاہل اور بے ہنر عورتیں جو وارث اور والی کے نہ ہونے سے اپنے اور اپنے بچوں کے گزارہ کے لئے محتاج ہو کر اپنی زندگی بے انتہا مصیبتوں میں بسر کرتی ہیں دراصل بہت زیادہ قابلِ رحم ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں اُس طبقہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں جن کے مردوں کا دارومدار محنت و مزدوری یا ملازمت پر ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مردوں کے مرنے یا ناقابل کار ہو جانے کے بعد کثیر العیالی کے سبب

کوئی اور ذریعہ روزی کمانے کا باقی نہیں رہتا اس لئے مجبوراً گرسنگی اور فاقہ کشی برداشت کرنی پڑتی ہے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی ایک تعداد کثیر یا تو جرائم پیشہ ہو جاتی ہے یا فاقہ کشی کی مصیبتیں اُس کو موت کے کنارے کھینچکر ڈال دیتی ہیں۔

بھوپال میں بھی اس قسم کی بے ہنر عورتوں کی کمی نہ تھی لیکن اُن پر وہ صعوبتیں نہ تھیں جو عام طور پر دوسری جگہ پائی جاتی ہیں اور اُس کی وجہ صرف زنانہ حکومت کی فیاضی اور بالخصوص نواب قدسیہ بیگم اور والدہ مکرمہ سرکار خلد مکان کی وہ اعلیٰ اور مشہور فیاضی و رحم دلی تھی جس کی یاد ہمیشہ باقی رہے گی مگر فقر و فاقہ کو کسی فیاض کی فیاضی نہیں روک سکتی اور نہ داد و دہش وہ اصلی مصیبتیں جو افلاس کا نتیجہ ہیں دور کر سکتی ہے کیونکہ اس قسم کی فیاضی اور داد و دہش سے لوگ اپنے آپ کو خود نکما اور اپاہج بنا لیتے ہیں اور معاش کا بار خزانہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اور یہی سبب تھا کہ میں نے ریاست میں ایک بڑا گروہ اس قسم کی عورتوں کا پایا اس لئے مجھے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اور اصلاحات کے ساتھ اس طبقہ کی بھی اصلاح کروں تاکہ آئے دن کی مصیبتوں میں کچھ تو کمی ہو۔

میں نے بھوپال کی ایسی عورتوں کے لئے ایک ایسا مدرسہ جس میں ضروریات روزمرہ میں کام آنے والی چیزوں کی صنعتی تعلیم دی جائے قائم کرنا تجویز کیا تاکہ وہ اُس میں صنعت و حرفت سیکھ کر کچھ نہ کچھ اپنی مدد کر سکیں۔"

یہ مبارک و اعلیٰ جذباتِ ہمدردی دراصل رحمتِ خداوندی ہیں جن سے خوش قسمت مخلوق ہی بہرہ مند ہوتی ہے۔

طبی تعلیم و امداد بھوپال میں سرکار خلد مکان نے ۱۸۹۲ء میں عورتوں کو طبی امداد میسر ہونے اور لیڈی لینسڈون کی یادگار محبت قائم رکھنے کے لئے ایک شفا خانہ جاری کیا جو کامیابی کے ساتھ قائم ہے لیکن عورتوں اور بچوں کی طبی امداد کے متعلق علیا حضرت کی نظر بڑی وسیع ہے ان مسائل پر صدہا کتابیں مطالعۂ اقدس سے گذر چکی ہیں اور زیر مطالعہ رہتی ہیں ڈاکٹروں اور اطباء سے

اکثر ان کے امراض پر گفتگوئیں ہوئی ہیں۔ بہت سے ایسے حادثات کا علم ہوا جو محض عورتوں کی غفلت وجہالت اور اصول تیمارداری سے ناواقفیت کا نتیجہ تھے۔ اس لئے کیونکر ممکن تھا کہ وہ دل جس کو اپنے صنف کی ہمدردی سے قدرت نے مملو کر دیا ہو ان حالات سے مضطرب نہ ہو۔ علیاحضرت نے اِن ضرورتوں کو محسوس کرکے نہایت فیاضی وتوجہ کے ساتھ ایسے مختلف انتظامات کئے کہ عورتیں اور بچے ان تکالیف سے محفوظ رہیں۔ سب سے پہلے ایک نرسنگ اسکول کا اضافہ کیا کیونکہ حضور ممدوحہ کی رائے ہے کہ "دراصل نرسنگ کی ہی تعلیم صحت انسانی کی کفیل ہو سکتی ہے۔ اور ہر جگہ اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

اختر اقبال میں فرمایا ہے کہ :۔

مریضوں کے لئے جس طرح قابل طبیب و ڈاکٹر اور بہتر ادویات کی ضرورت ہے اُسی طرح باقاعدہ اور عمدہ تیمارداری ضروری چیز ہے لیکن ہندوستان میں اس ضروری چیز پر بہت کم توجہ ہوتی ہے اور عموماً دیکھا جاتا ہے کہ تیمارداری نہایت بے قاعدہ اور خراب طریقہ سے کیجاتی ہے۔

میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس کی وجہ طریقۂ تیمارداری سے عدم واقفیت ہے تیمارداری کو یورپ نے بجائے خود ایک مستقل فن بنا دیا ہے جس کو عورتیں باقاعدہ طور پر حاصل کرتی ہیں اور وہ امراء اور خوشحال آدمیوں کے گھروں میں نرس کی خدمت بجالاتی ہیں اور چونکہ وہ اسی کے ساتھ اور دوسرے زنانہ فنوں میں دستگاہ رکھتی ہیں اس لئے اکثر بچوں کی پرورش و تربیت بھی اُن ہی کے سپرد کی جاتی ہے اس کے علاوہ تمام یورپین عورتیں خواہ وہ کسی درجہ کی ہوں اس کام سے کچھ نہ کچھ واقف ہوتی ہیں اور یہ واقفیت زیادہ تر ان کی تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہے اور اعلیٰ مرتبہ کی لیڈیاں اُس کو نہایت شوق سے سیکھتی ہیں لیکن ہندوستان میں یہ قابلیت مفقود ہے۔ نہ یہاں نرسنگ اسکول ہیں اور نہ عورتوں کی تعلیم اس درجہ عام اور ترقی پر ہے کہ وہ بطور خود واقفیت پیدا کرلیں۔ اس لئے تیمارداری

کی خرابی کا آخری نام موت ہے۔"

یہ مدرسہ نہایت عمدہ کام کر رہا ہے اور اس میں پانچ برس سے زیادہ عمر کی لڑکیاں داخل ہوتی ہیں اور عموماً سب کو وظیفہ عطا کیا جاتا ہے اور لیڈی منٹو کے نام سے موسوم ہے۔

اسی اسکول کے ساتھ دائیوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور ایک درجہ وکٹوریہ میموریل اسکالرشپ کلاس کے نام سے قائم فرمایا۔ اس انتظام میں بہت مشکلات پیش آئیں۔ انتظام کی تو فوری ضرورت تھی کیونکہ ولادت تو روز ہی ہوتی ہے اور تعلیم کے لئے ایک عرصہ درکار تھا لہذا یہ انتظام کیا گیا کہ وہ دائیاں جو موروثی طور پر پیشہ کرتی ہیں روزانہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس حاضر ہو کر کچھ زبانی تعلیم حاصل کریں اور اپنی لڑکیوں کو ابتدا سے کلاس میں داخل کرائیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء سے سنہ ۱۹۱۳ء تک ایک سو پیشہ ور دائیوں نے اس اسکول میں تعلیم حاصل کی اور اب یہ سلسلہ برابر قائم ہے یہ انتظام نہ صرف شہر کے لئے کیا گیا بلکہ مضافات سے بھی پیشہ ور دائیوں کو طلب کر کے داخل کیا گیا۔

ایسی زبانی تعلیم کے بعد دائیوں کو سند بھی دی جانے لگی اور غیر سند یافتہ دائیوں کو کام کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی اس طرح تھوڑے عرصہ میں دائیوں نے اچھی خاصی تعلیم حاصل کر لی۔ ان دائیوں کو ماہانہ وظائف بھی دیے گئے۔

دائیوں کے امتحان میں ریاست کی لیڈی ڈاکٹر کے علاوہ ایجنسی سرجن بھی شریک کئے جاتے ہیں

اور اسی طرح مضافات میں بھی یہ سلسلہ قائم کر دیا گیا ہے اور ہر ضلع میں اور ہر بڑے مقام میں گشتی لیڈی ڈاکٹروں کا انتظام ہے جو عام حفظانِ صحت کو دیکھتی، علاج معالجہ اور دائیوں کی نگرانی کرتی ہیں۔

دائیوں کے اس انتظام سے جس قدر فائدہ عورتوں کو ہوا ہوگا اُس کا اندازہ وہی کر سکتی ہیں لیکن مردوں نے بھی اس انتشار سے نجات حاصل کی جو جاہل دائیوں کے باعث ہر گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ علیا حضرت اسی تذکرہ میں فرماتی ہیں کہ:-

مستورات ہند کو فی الواقع جاہل دائیوں کے ہاتھ سے بھی کچھ کم نقصان نہیں پہنچا۔ اکثر مہلک امراض تھوڑی سی بے احتیاطی سے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر تمام عمر ان کا ازالہ مشکل ہوتا ہے عموماً ولادت کے وقت اور نسائی امراض کے معالجہ میں ہوشیار دائیوں کی سخت ضرورت رہتی ہے۔"

اسی سلسلہ میں غریب بچوں کی پرورش اور اُن کی صحت کی نگرانی کے لئے سنہ ۱۹۱۲ء میں انفنیٹ ہوم قائم فرمایا جو زنانہ ہسپتال کے ہی سلسلہ میں ہے لیڈی ہارڈنگ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور وہ اِن ہی کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔

شہر میں علاوہ بڑے زنانہ ہسپتال کے متعدد چھوٹے چھوٹے زنانہ شفاخانے بھی ہیں جن میں پردہ کا بھی پورا التزام ہے۔ زنانہ ڈاکٹری شفاخانوں کے علاوہ ایک زنانہ مطب طبِ یونانی کا بھی ہے۔ جس میں مدرسہ طبیہ دہلی کی تعلیم یافتہ خاتون مامور ہیں۔ اِن زنانہ شفاخانوں سے عورتوں کے لئے ہر وقت طبی امداد حاصل ہوتی رہتی ہے۔

اخلاقی اصلاح ان تعلیمی و طبی ہمدردیوں اور امدادوں کے علاوہ ہر ہائینس صنف نسوان کی اخلاقی اصلاح کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں، زنانہ انجمنوں میں، سوسائٹیوں میں، عید کے موقعوں پر، اسکول کے ہال میں، تقریبات کے موقع پر اپنی اس مشن کو پورا فرماتی ہیں۔ ایسی متعلقہ تدابیر میں جہاں ضرورت دیکھتی ہیں شاہی اقتدار و اثر کو بھی کام میں لانے سے دریغ نہیں فرماتیں۔ اور اِن ہمدردیوں کے دائرۂ اثر کی وسعت میں ہر طبقہ کی عورتیں شامل ہوتی ہیں عموماً ہر جگہ بہت سے اشخاص جو بیویوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے اور اُن کو تکالیف میں مبتلا رکھتے ہیں اور بعض اوقات سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد بیوی کو چھوڑ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اور تمام عمر یہ غریب اپنی زندگی کو عُسرت و پریشانی میں بسر کرتی ہیں یا ان کی بداخلاقی و ارتکاب جرائم میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ سرکار عالیہ نے اس مسئلہ پر غور فرمانے اور علماء سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد ایسی زنان فاقدۃ الازواج کے نکاح ثانی

۔ کے لئے قواعد مرتب فرمائے اور محکمۂ قضا کے ذریعہ سے اُن غریبوں کی اس مصیبت کو دور کرنے کا انتظام فرمایا۔

اسی طرح ہر ہائینس نے مہر کے متعلق بھی توجہ فرمائی شریعتِ اسلام نے مہر کو عورت کا ایک خاص حق مقرر کیا ہے جس کا مردوں پر ادا کرنا لازم ہے لیکن اس کی ادائی کا دستور اس قدر کم ہو گیا ہے کہ یہ حق رفتہ رفتہ معدوم ہوتا جاتا ہے۔ اور صرف برائے نام باقی ہے۔ پھر اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ محض حیلہ شرعی پر مہر کی بڑی بڑی رقمیں باندھی جاتی ہیں جن کی ادائی شوہر کی موجودہ حالت کے اقتضا سے ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ ہر ہائینس نے محکمۂ قضا کو توجہ دلائی کہ عموماً مہر معجل جو ایک سنتِ نبوی ہے اُس کی پیروی کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا جائے اسی کے ساتھ یہ دو باتیں بھی زیر غور رہیں کہ مہر شوہر کی حیثیت پر باندھا جائے اور عورت کے والدین جو غریب ہوں اُن کو نصف مہر پہلے دلوا دیا جائے تاکہ وہ جہیز تیار کر سکیں۔

پرنسس آف ویلز لیڈیز کلب

بھوپال میں چونکہ پرنسس آف ویلز لیڈیز کلب علیا حضرت کی صنفی مساعی کی نہایت وقیع یادگار ہے اور زنانہ دلچسپیوں کا مرکز ہے لہٰذا اس کے حالات بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھنے ضروری ہیں لیکن چونکہ خود مؤلفِ تذکرہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے التماس پر کلب کی سکریٹری (آبرو بیگم) صاحبہ نے تحریر فرمائے ہیں۔

یوں تو بھوپال میں سرکار عالیہ کی زنانہ ہمدردیوں اور عنایتوں کی بہت سی یادگاریں ہیں جو حضور ممدوحہ نے قائم فرمائی ہیں لیکن ان یادگاروں میں پرنسس آف ویلز لیڈیز کلب ایک مابہ الامتیاز یادگار ہے یہ یادگار ہماری ہر دلعزیز ملکہ میری شہنشاہ بیگم کی اولین سیاحت ہندوستان کی یاد تازہ کرتی ہے جب کہ وہ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰحضرت ملک معظم کے ہمراہ بزمانہ ولیعہدی ہندوستان میں تشریف لائی تھیں حضور سرکار عالیہ نے اس کلب کو عورتوں کے لئے ایک بہترین زنانہ

سوسائٹی کے نمونہ کے طور پر قائم فرمایا کیونکہ حضور ممدوحہ ایک ایسی سوسائٹی کی ضرورت سمجھتی تھیں، جیسا کہ خود فرماتی ہیں:۔

"یہ امر مسلمہ ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی و شائستگی کا بہت کچھ انحصار عمدہ صحبت اور شائستہ سوسائٹی پر ہے۔ جس قدر سوسائٹی بہتر ہوگی اسی قدر وسیع الخیالی پیدا ہوگی اور یہی وسیع الخیالی ترقی و شائستگی کی بنیاد ہے انگلستان میں بھی تھوڑے عرصے سے عورتوں کی سوسائٹیاں قائم ہوگئی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان سے وہاں کی خواتین کو نہایت گرانقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں بدقسمتی سے ہندوستانی عورتیں چونکہ تعلیم سے بے بہرہ ہیں اس لئے سوسائٹی کے فوائد سے بھی محروم ہیں۔ میں نے سوسائٹی نہ ہونے کا نقصان یوں اور بھی محسوس کیا کہ عموماً جاہل اور لکھی پڑھی عورتیں یکساں فضول مراسم اور لغو رواجات کی گرویدہ ہیں اور ان کی نسلوں پر بطور ورثہ کے اس کا خراب نتیجہ مترتب ہو رہا ہے۔"

پھر جب ۱۹۰۵ء میں حضور ممدوحہ پرنسس موصوف سے اندور میں ملیں تو یہ خیال اور بھی پختہ ہوگیا اور اُن کے نام سے اس سوسائٹی کو منسوب فرمایا تاکہ اس سے عورتوں کی تمدن و معاشرت میں جو ترقی ہو اس میں اس نام کی برکت شامل رہے اور ہمیشہ خواتین بھوپال کے دلوں پر ان کا نام نامی عزت و محبت کے ساتھ منقوش رہے۔

حضورِ عالیہ نے اس کلب کو عالی منزل میں قائم کیا۔ جو دو طبقوں میں منقسم ہے چھوٹی چھوٹی اور بھی متعدد عمارتیں ہیں نہایت فرح بخش اور سرسبز و شاداب باغیچے ہیں دونوں طبقوں میں میدان بھی وسیع ہے اونچے اونچے شاندار درخت ہیں چلنے پھرنے اور مختلف قسم کے کھیلوں کے لئے وسیع صحن ہیں اوپر کے طبقہ میں ایک بڑی فراخ بارہ دری ہے اور ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہے پردہ کے لئے اونچی اونچی دیواریں ہیں برقی روشنی اور برقی پنکھے بھی لگا دیئے گئے ہیں اگرچہ کلب ۱۹۰۵ء میں قائم ہوگیا تھا لیکن اس کے افتتاح کی باضابطہ رسم ۱۹۱۰ء میں لیڈی منٹو کے دست مبارک

سلے ذیل میں زہرا بیگم فیضی صاحبہ کے ایک مضمون سے جو اُنہوں نے اپنے قیام بھوپال کے متعلق الناظر جنوری ۱۹۱۰

سے ادا ہوئی۔ اس موقع پر کلب خاص طور سے آراستہ کیا گیا تھا اور مشرقی و مغربی آراستگی کی ترکیب نے ایک عجیب نظارہ پیدا کر دیا تھا۔

ہر اکسلنسی کو باضابطہ ایڈریس دیا گیا اور انھوں نے ایک مختصر تقریر میں جواب دیکر افتتاح کیا۔

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶۹) میں شائع کرایا تھا۔ اقتباس کر کے افتتاح کلب کے دلچسپ حالات درج کئے جاتے ہیں۔

بیگم صاحبہ موصوف مع عطیہ بیگم صاحبہ (بیگم رحمٰن فیضی صاحبہ) علیا حضرت کی مہمان خاص تھیں۔ اور عالی منزل ہی میں قیام تھا اور عطیہ بیگم تو کلب کے انتظامات میں مدد دینے کے لئے خاص طور پر مدعو کی گئی تھیں۔

۱۱ - نومبر - آج سویرے منھ اندھیرے ہم لوگ تیار ہوگئے۔ اور بیگمات رنگ برنگ کے لباسوں سے مزین ہو کر آئیں اور اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ گئیں۔ دونوں دولہنیں بھی بڑی آن بان سے آگئیں۔ عطیہ ساڑھے بارہ بجے رات تک کام کرتی رہی۔ دو تین دن اُس نے خوب محنت کی۔ لیڈی منٹو صاحبہ کے لئے باغ کے ایک گوشہ میں ایک زربفتی شامیانہ چار سونے کے ستونوں پر نصب کیا گیا تھا اور اس شامیانے میں اُن کے اور بیگم صاحبہ کے لئے چاندی کی اور مہمانوں کے لئے زربفتی چوکیاں رکھی گئی تھیں۔ اس کے مقابل قنات تھی جس کے کنارے ممبرانِ کلب قرینے سے چوکیوں پر بیٹھی تھیں۔ تمام باغ جھنڈیوں نشانوں اور پھریروں سے معمور ہو رہا تھا۔ پھاٹک پر خیر مقدم کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ وہاں سے کچھ فاصلہ پر کمان کی آڑ میں دونوں دولہنیں اور دوسری معزز بیگمات سب ملا کر نو بی بیاں اس غرض کے لئے بیٹھی تھیں کہ لیڈی منٹو صاحبہ کا خیر مقدم کریں۔ اس کے بعد وکٹوریہ گرلس اسکول (جو نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کا جاری کیا ہوا ہے) کی لڑکیاں فیروزی لباس پہنے قطار باندھے کھڑی تھیں تاکہ لیڈی صاحبہ کی تشریف آوری پر ترانۂ خوش آمدید اور دوسری چیزیں گائیں۔ اسی حالت میں نو بجے تک قرینہ سے سب اپنی اپنی جگہ حالتِ انتظار میں تھیں پہلے لیڈی منٹو صاحبہ مدرسہ سلطانیہ میں داخل ہوئیں اور خیر مقدم کا ترانہ (جو کورس کی وضع پر تیار کیا گیا تھا) عطیہ کے ساتھ سب لڑکیوں اور اُستانیوں نے مل کر گایا۔ یہ ترانہ نہایت خوش الحانی اور عمدگی سے گایا گیا جس میں لیڈی صاحبہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیا گیا تھا۔ زیورِ علم سے ان سب لڑکیوں کے آراستہ ہونے کی آرزو کی گئی تھی اور سرکار عالیہ جو اس مدرسہ کی بانیہ ہیں اور جن کی بدولت یہ جلسہ ہوا ان کے لئے افزونی دولت اور فراوانی اقبال کی دعا مانگی گئی تھی اس کے خاتمہ پر مسز بخش نے ایڈریس پڑھا۔ ازاں بعد چند لڑکیوں نے گیہر کا گیت انگریزی میں گایا اور ریسٹیشن سنایا۔ ان سب کے بعد لیڈی صاحبہ نے انعامات تقسیم کئے اور لڑکیوں نے پھول نثار کئے اور گلدستے نذر۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اور کلب ہال یعنی بارہ دری میں تمام خواتین کا سلام قبول کیا۔
دراصل یہ کلب نہ صرف خواتین بھوپال کی دلچسپیوں کا مرکز ہے بلکہ وہ خواتین جو سرکار عالیہ کی مہمان ہوتی ہیں خواہ کسی قوم و مذہب سے تعلق رکھتی ہوں اس میں بڑی دلچسپی لیتی ہیں اور ممتاز خواتین کو

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶۹) دیے اختتام پر "گاڈ سیو دی کنگ"، (خدا بادشاہ کو سلامت رکھے) کا گانا ہوا یہاں سے سواری پرنسس آف ویلز کلب کی طرف چلی چونکہ کلب مدرسۂ سلطانیہ سے قریب تھا لیڈی صاحبہ کے سوار ہونے کی خبر فوراً پہنچ گئی اور سب اپنی اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ جیسے ہی سواری پھاٹک پر پہنچی اور لیڈی صاحبہ مع بیگم صاحبہ اپنی صاحبزادی لیڈی ایلین ایلیٹ اور ہمشیرہ کاؤنٹس آف انٹریم کے اُتریں اور بینڈ نے بھوپال انتھم (بھوپال کا قومی گیت) بجانا شروع کیا عجیب مؤثر وقت تھا آہستہ آہستہ یہ لوگ چل کر کمان تک آئیں جہاں دونوں دولہنیں اور دوسری بیگمات خیر مقدم کے لئے کھڑی تھیں۔ ان سبھوں سے تعارف حاصل کرکے اور ایک دو باتیں کرکے یہ سب آگے بڑھیں۔ ایک مقام پر عطیہ کھڑی تھی جس نے پروگرام پیش کیا۔ یہاں سے آہستہ آہستہ شامیانہ تک آئیں اور پہلے سکریٹری صاحبہ سے اور پھر سب مہمانوں سے مل کر مقررہ نشست گاہ پر بیٹھ گئیں۔ وکٹوریہ گرلس اسکول کی ہیڈ مسٹریس (معلّمہ اول) مسز اسکل تھارپ نے بیگم صاحبہ کی اجازت حاصل کرکے اپنی دونوں لڑکیوں کے باجہ کی مدد سے لڑکیوں کو گیت گوایا اور بعد ازاں سلمہ ستارہ اور مصنوعی پھول ٹکے ہوئے خوبصورت ہار پہنائے۔ پھر آفتاب بیگم صاحبہ سکریٹری کلب نے نہایت خوبی اور شائستگی سے اردو میں ایڈریس پڑھا جس کا انگریزی ترجمہ عطیہ نے لیڈی صاحبہ کو دیا۔

ایڈریس ایسی خوش اسلوبی سے پڑھا گیا کہ لیڈی صاحبہ بھی بغیر تعریف کئے نہ رہ سکیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ مدتوں سے اس کے پڑھنے کی عادی تھیں۔ افسوس کہ لیڈی منٹو صاحبہ اپنا جواب بھول آئی تھیں اس لئے زبانی چند فقرے کہے جس کا ترجمہ اُن کی خواہش سے عطیہ نے تمام بیگمات کو مخاطب کرکے نہایت خوبی سے سنایا۔ اس کے بعد سکریٹری صاحبہ نے کلب کی طرف سے ایک خوبصورت کاسکٹ پیش کیا اور بیگم صاحبہ کو کلب کی کنجی دی جسے لے کر انہوں نے لیڈی صاحبہ کو دیا اور کہا کہ آپ اس کلب کا افتتاح کرکے ممنون کریں (بیگم صاحبہ خاص طرح انگریزی میں اپنا مطلب ادا کر سکتی ہیں) بیگم صاحبہ کے یہ کہتے ہی لیڈی صاحبہ کلب کی طرف چلیں آگے آگے یہ لوگ اور پیچھے پیچھے سارا مجمع تھا دروازہ پر لیڈی صاحبہ نے ٹھہر کر کنجی سے قفل کھولا اور جوں ہی کہ یہ دروازہ کھلا کلب کے تمام دروازے ایک ساتھ کھل گئے جو اُس وقت بہت ہی بھلا معلوم ہوا۔ اس کا
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

توخصوصیت کے ساتھ حضور سرکار عالیہ اس کلب میں مدعو فرماتی ہیں لیڈی ہارڈنگ لیڈی چیمسفورڈ بھی اس کلب میں تشریف لاچکی ہیں جنکا تمام ممبروں نے نہایت پُرجوش استقبال کیا تھا کل زنانہ جلسے بجز خاص درباری تقریبات کے سب یہاں ہوتے ہیں اس تھوڑے عرصہ میں علاوہ ایسے جلسوں اور تقریبوں کے اس کلب میں اکثر قومی و ملکی جلسے بھی ہوئے۔ حضور سرکار عالیہ کی سالگرہ کے دن توخاص دھوم دھام ہوتی ہے سب سے پہلے اس کلب میں مسلم یونیورسٹی کا جلسہ ہوا اور غالباً

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶۹) بندوبست یوں کیا گیا تھا کہ دروازہ کے اندر ایک ایک ملازمہ رکھی گئی تھی اُن سبھوں نے علیہ کی تاکید سے وقت پر ایک ساتھ سب دروازے کھول دیے۔ لیڈی صاحبہ، بیگم صاحبہ، مہمان اور دولہنیں یہاں سے داخل ہو کر اپنی اپنی معین جگہوں پر بیٹھ گئیں۔ حضور عالیہ اور لیڈی صاحبہ اُس ڈیس پر بیٹھیں جو اُن کے لئے تیار کیا گیا تھا اُن کے ایک طرف مہمانوں کے کوچ کرسیاں اور دوسری طرف دلہنوں کی نشست تھی۔ ڈیس کے سامنے کی طرف ایک حصہ رکھا گیا تھا جہاں رشتہ دار بیگمات جوڑی جوڑی آئیں اور تسلیم بجا لاکر لیڈی منٹو صاحبہ سے ہاتھ ملاتیں اور دورویہ کوچوں پر بیٹھ جاتیں پہلے نو جوڑیاں گلابی اور کپاسی رنگ کے لباس پہنے ہوئے آئیں اور اُس کے بعد ۲۶ جوڑیاں اور ایک علٰحدہ بیگم فیروزی اور دھنک کے رنگ کے لباسوں میں آئیں جملہ ۱۷ بیگمات تھیں جس وقت یہ تسلیم بجا لاتیں تو علیہ ان کے نام پکارتی اور تب لیڈی منٹو صاحبہ ہاتھ ملاتیں۔ بیگمات کے پیش ہونے کے بعد عطر، گلاب اور الائچی سے ضیافت کی گئی اور سکریٹری صاحبہ نے لیڈی صاحبہ اور حضور عالیہ کو گوٹے کے ہار پہنائے اور ہم لوگوں نے باقی سب لوگوں کو تقسیم کئے۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ نے ملکہ وکٹوریا آنجہانی کا مرقع اور اپنی مرحومہ والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ کی تصویریں دکھائیں۔ بعدازاں کلب گھر پر ایک نظر ڈالی گئی۔ ہر میز پر کچھ نہ کچھ رکھا ہوا تھا کہیں رسالے۔ کہیں اخبار، کہیں پنگ پانگ۔ کہیں دوسرے کھیل، غرضکہ آدھا کمرہ انہیں چیزوں سے بھرا ہوا تھا جس سے کلب کی حیثیت ظاہر ہوتی تھی۔ بقیہ نصف میں نشست گاہ رکھی گئی تھی۔ پھرتے پھراتے حضور عالیہ ایک میز کے قریب آئیں اور چھوٹی دولہن اور رہیس جہاں بیگم صاحبہ سے فرمائش کرکے انگریزی میں ریسائیٹ کروایا۔ اِن بچوں نے ایسی خوبی سے پڑھا کہ لیڈی صاحبہ دنگ رہ گئیں۔ ایک نہایت عمدہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی نقشی تصویر لیڈی ایلیٹ کو دی اور دوسری دستکاری کے نمونے بھی پیش کئے جس کے بعد رخصتی ہوئی۔ پھاٹک کے قریب کوئی بیس سکنڈ ٹھر کر لیڈی منٹو صاحبہ نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور دو ایک باتیں اور کیں"

ہندوستان بھر میں اس شریف مقصد کے لئے یہ ہی پہلا زنانہ اجتماع تھا پھر لیڈی ہارڈنگ نے ٹرکی یتیموں اور بیواؤں کی امداد کے لئے جو تحریک کی تھی اس کی تائید میں جلسہ ہوا۔
جون ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہارڈنگ کے حادثۂ بم سے صحت پانے پر اس کلب میں مدارس نسوان بھوپال کا ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اور اس جنگ عظیم کے شروع ہونے کے وقت بھی ہر ہائینس نے کلب میں ایک تقریر فرمائی تھی جس میں اس جنگ کے وجوہ و اسباب پر بحث تھی اور اُن مظالم کا تذکرہ تھا جو جرمنی نے ضعیف قوموں پر کئے ہیں۔ اور مختلف امور کے بیان کرنے کے بعد ہندوستانی سپاہیوں کی ہمدردی و اعانت پر جذبات کو مشتعل کیا تھا چنانچہ ان کی امداد میں اس کلب نے معقول حصہ لیا۔
جنوری ۱۹۱۶ء کے آخری ہفتہ میں اس مقصد کے لئے ایک مینا بازار قائم کیا گیا تھا جس میں زنانہ مدارس بھوپال کی دستکاری کی چیزیں رکھی گئی تھیں ہر مدرسہ کی دوکان کے لئے جدا جدا شامیانے لگائے گئے تھے بالائی حصہ میں مشرق کی طرف چند چوبی دوکانیں ہیں وہ نہایت آراستہ کی گئی تھیں۔ باغات ریاست کے پھل پھول اور ترکاریوں کی بھی ایک دوکان تھی یہ بازار صبح سے رات کے دس بجے تک کھلا رہتا تھا اور شب کو بجلی کی روشنی عمارت کو بقعۂ نور بناتی تھی سرسبز درختوں کی شاخوں اور پتوں میں رنگ برنگ کے چھوٹے چھوٹے برقی قمقمے آویزاں تھے جن سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر دلفریب منظر سامنے کر دیتی تھیں اس موقع پر حسن اتفاق سے لیڈی مسٹن بھی سرکار عالیہ کی مہمان تھیں وہ بھی کلب میں تشریف لائیں اور مینا بازار کی محویت کیساتھ سیر کی۔ اس وقت خواتینِ بھوپال کا بڑا مجمع تھا اور مینا بازار کی رونق اپنے کمال پر تھی مصنوعات کی ترتیب و نفاست خواتینِ بھوپال کا مجمع ان کی تہذیب اور پردہ کا انتظام دیکھکر لیڈی مسٹن نے بے ساختہ فرمایا کہ "میں نے اس سے پہلے اس قدر شائستہ و مہذب زنانہ جلسہ ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا"
حال ہی میں ہراکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ کی اس دلچسپ و مقبول عام تحریک میں جو دیرا مپریل مسٹر کنگ جارج و کوئن میری کی سلور جوبلی ویڈنگ کی تقریب میں بطور یادگار کی گئی ہے کہ جاں نثاران ہندوستان کے

بچوں کے لئے ایک تعلیمی فنڈ قائم کیا جائے کلب نے ۱۰۳ پاؤنڈ یعنی پانچ ہزار دس روپیہ کا ہدیہ پیش کیا ہے۔

اس ہدیہ میں تینوں بیگمات خاندان شاہی کا ایک ایک ہزار روپیہ بھی شامل ہے اور ہر ہائینس نے بحیثیت پیٹرن کلب ہونے کے علاوہ چندۂ ریاست کے اس کلب کے چندہ میں بھی ۵۰۰ا روپئے عنایت فرمائے ہیں۔

یہ ۵۰۰ا روپیے نہایت قابل الذکر اور ایک ایسی خصوصیت رکھتے ہیں جو شاید ہی اور عطیہ میں نظر آئے۔ یہ روپیہ علیا حضرت کی تصنیف و تالیف کی وہ آمدنی ہے جو حضور ممدوحہ کی ذاتی محنت اور علمی قابلیت سے حاصل ہوئی ہے۔ یہ عطیہ جس طرح اپنی نُدرت کے لحاظ سے قابل یادگار ہے اُسی طرح ممبرانِ کلب کو اس عطیہ کے شمول پر ہمیشہ ناز رہے گا۔

غرض اسی قسم کے جلسے یہاں ہوتے رہتے ہیں خاندان شاہی کی بیگمات اور دیگر ممتاز خواتین کی طرف سے یہاں زنانہ پارٹیاں بھی دی جاتی ہیں وقتاً فوقتاً مختلف مضامین پر تقریریں ہوتی ہیں۔ حضور سرکار عالیہ دام اقبالہا مقاصد و مسائل نسوان پر عموماً یہاں معرکتہ الآرا تقریریں فرماتی ہیں جو حفظان صحت اصلاح رسوم عام حالات قومی و ملی اور مذہب پر مشتمل ہوتی ہیں مذہب کے متعلق تو چند مہینوں تک برابر ایک سلسلہ قائم رہا اور پھر ان تقریروں کو حضور ممدوحہ نے یکجا طور پر سبیل الجنان کے نام سے شائع فرمایا۔ علیا جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ کی بھی متعدد تقریریں ہوئی ہیں جو ہر لحاظ سے طبقۂ اناث کے لئے مفید و موزون ہیں۔ مشہور مقررہ مسز سروجنی نائڈو نے یہاں تقریر کی ہے۔

تقریروں کے سلسلہ میں عام شوق پیدا کرنے کے لئے حضور سرکار عالیہ نے مقابلہ کا امتحان تحریری بھی لیا اور تمام ممبر خواتین اس میں شریک ہوئیں اور انعامات عطا ہوئے۔

عورتوں کو حفظانِ صحت پرورش اولاد اور دوسرے ضروریات کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے لیڈی ڈاکٹر وقتاً فوقتاً لیکچر دیتی ہیں اور ایسے لیکچروں میں ممبر خواتین کی شرکت لازمی تصور کیجاتی ہے۔ چند دن ہوئے کہ حضور عالیہ نے براہِ شفقت کلب میں مدرس ٹریننگ کلاس (تربیت مادری کا درجہ)

جاری فرمایا ہے جس کی وقعت و ضرورت خود اس کے نام سے ظاہر ہے۔
کلب میں تقریباً کل معزز و تعلیم یافتہ خواتین اور خاندان شاہی کی بیگمات ممبر ہیں برائے نام فیس بھی ہے لیکن اخراجات کثیرہ محض سرکار عالیہ کی فیاضی سے پورے ہوتے ہیں۔
اس کلب کی ممبر خواتین کے لئے خواہ وہ بلحاظ امارت و ثروت کسی درجہ کی کیوں نہ ہوں لازم کر دیا گیا ہے کہ جلسوں میں ان کا سادہ لباس رہے۔ خود بیگمات محترم سادہ وضع رکھتی ہیں اور بے تکلفانہ برتاؤ رہتا ہے۔ حضور سرکار عالیہ ہمیشہ اس مجمع میں نہایت شگفتہ نظر آتی ہیں اور ہر خاتون سے شگفتگی کے ساتھ تکلم فرماتی ہیں۔
حضور سرکار عالیہ نے اس کلب کو صرف تفریح و دلچسپی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ عملاً عورتوں کی ایک مفید سوسائٹی بنائی ہے اور ہمیشہ اس خیال کو ظاہر فرمایا ہے۔ جنوری ۱۹۱۷ء میں جب اٹھارھویں سالگرہ جلوس کے موقع پر خواتین کلب نے ایڈریس پیش کیا ہے تو اس کے جواب میں حضور ممدوحہ نے اپنی تقریر میں ایسی سوسائٹیوں اور کلب کا اصل مقصد خواتین کے ذہن نشین کیا تھا۔

"خواتین! عمدہ سوسائٹی ہمیشہ انسانی اخلاق کو جلا دیتی ہے اور اگر اسی کے ساتھ تعلیم بھی ہو تو نور علیٰ نور ہو جاتی ہے میں خود محسوس کرتی ہوں کہ اس کلب نے آپ کے گروہ میں ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا ہے اور مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خواہ رفتار ترقی تیز نہ ہو لیکن اس سے ایک حد تک تو وہ اغراض پورے ہو رہے ہیں جو اس کے قائم کرتے وقت قرار دیے گئے تھے اس بات کو بھی کبھی بھولنا نہیں چاہئے کہ کلب اور سوسائٹیاں عموماً کسی صلاح یا ترقی یا کسی اور عمدہ مقصد کے لئے قائم کی جاتی ہیں اور وہ عموماً شریفانہ مقصد ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اس کو نمود و نمائش فیشن اور خود بینی کا مرکز بنا لیا جائے تو وہ مقاصد پورے نہیں ہوتے بلکہ برعکس نتائج نکلتے ہیں یا اگر صرف سیر و تفریح کا ہی مقام قرار دے لیا جائے اور اس میں ہمدردانہ کاموں کے متعلق تبادلۂ خیالات نہ کیا جائے یا کوئی اور مقصد پیش نظر رکھا جائے تو وہ تضیع اوقات کی جگہ ہو جاتی ہے۔"

حقیقت میں ہمارے کلب کی یہ دلچسپ زندگی بجائے خود ایک تاریخ رکھتی ہے جو تفصیل

کی محتاج ہے میں نے مختصراً ان حالات کو تحریر کیا ہے۔

آبرو بیگم

ہندوستان میں آغاز تعلیم نسواں اور تحریک ترقی نسواں کو تقریباً ایک صدی کا زمانہ گذرتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ہندو، پارسی اور عیسائی عورتوں نے اس سے کم وبیش فائدہ اُٹھایا۔ بہت سی اصلاحات کے لئے ان قوموں میں انجمنیں جاری ہوئیں اور ان انجمنوں نے سرگرم کوششیں کیں اور وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ کامیاب ہوئیں مگر مسلمان عورتوں کے تعصبات کو خواہ وہ خود ان میں ہوں یا مردوں میں تین چار نسلیں گذر گئیں اور اس طرح نہ تو ان میں قدیم طریقہ سے تعلیم باقی رہی اور نہ جدید طریقہ سے اس کا اجرا ہوا اس لئے علیا حضرت کی توجہ کو بھوپال سے باہر سب سے پہلے اسی طبقہ کی اصلاح کی طرف فطرةً مبذول ہونا چاہیئے تھا چنانچہ امور مہمات ریاست سے قدرے اطمینان ہوتے ہی علیا حضرت نے قومی حالت پر نظر غائر ڈالی اور قومی مرکز کو تقویت پہنچائی۔ جہاں تعلیم و تحریک نسواں کے بڑے بڑے حامی کے ماہرین تعلیم کے دل و دماغ تیار کر رہے تھے یعنی محمڈن گرلس سکول علیگڈھ جو بے یار و مددگار تھا اس کو گراں قدر عطیہ سے مستحکم فرمایا اور چونکہ سرکاری نصاب مسلمان عورتوں کے لئے مفید و حسب حال نہ تھا قوم میں ایک مخصوص نصاب کی طلب و خواہش تھی لیکن سرمایہ نہ تھا۔ علیا حضرت بھی اس ضرورت کو محسوس فرمارہی تھیں مطلوبہ سرمایہ مرحمت فرمادیا۔ اور پھر بہ نفس نفیس مسئلۂ نصاب پر توجہ فرماکر قوم کے سامنے خود ایک خاکہ مرتب کر کے پیش کیا۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں دربار شاہنشاہی کے موقع پر آل انڈیا کانفرنس کے شعبۂ تعلیم نسواں کی صدارت فرمائی اور اپنے مرتبہ خاکہ نصاب کو بھی پیش کیا۔

اس[1] قومی دربار کی یہ چھبیسویں سالانہ نشست تھی، ہر سال کانفرنس کی کرسی صدارت

---

[1] ماخوذ از رپوٹ سالانہ

کو بڑے بڑے عالمانِ قوم جلیل القدر حاکمانِ وقت اُمرائے ملت، اور وہ گرامی اصحاب، جن کا علم و فضل، دولت و ثروت اقتدار و وجاہت قوم اور ملک میں مسلم ہے، زینت بخش ہوچکے تھے اور اپنی اعلیٰ قابلیت اور پاکیزہ خیالات سے قوم اور ملک کو فائدہ پہنچانیکی کوشش کرچکے تھے، لیکن جو زینت کا سماں اس سال دیکھا گیا اور جن بلند خیالات کا اظہار حسن عالی رتبہ ذات سے اس اجلاس میں ظہور میں آیا وہ اس کانفرس کی تاریخ میں، بلکہ مسلمانان ہندوستان کے دور ترقی کی جدید تاریخ میں ایک بے مثل اور بے نظیر واقعہ سمجھا جائیگا۔ ہماری قوم کی وہ تمام قوتیں، جو ہمارے بقا کے لئے نہایت ضروری ہیں زمانہ دراز سے پژمردہ اور کمزور ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ کمزوری رفتہ رفتہ جسم کے رگ و ریشہ میں اس درجہ سرایت کرگئی کہ ہندوستان کے جس صوبہ کی مسلمانوں کی حالت پر نظر اُٹھا کر دیکھا جاویگا کیا بہ اعتبار علم و فضل اور کیا بہ لحاظ دولت و ثروت اور صفات عامہ کے ہر مقام پر اُن کی قومی حالت کا تنزل روبہ ترقی نظر آتا ہے اور با وصف خاص قسم کی کوششوں کے جو عرصہ دراز سے جاری ہیں وہ بھی کچھ بہت اُمید افزا نہیں ہیں، لیکن سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کی بہ نفس نفیس اجلاس کانفرنس میں تشریف آوری اس امر کا ثبوت تھی کہ جو کوششیں قومی ترقی کی تحریک میں چوتھائی صدی سے جاری ہیں وہ بیکار نہیں گئیں اور اب اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ موجودہ مسلمانانِ ہند کی زندگی میں ایک عظیم الشان ترقی کا جدید دور شروع ہونے والا ہے۔

۵۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کی رات مسلمانوں کے لئے شب برات اور شب قدر سے کم نہ تھی وہ لوگ جو ایک ربع صدی سے اپنی ناچیز کوششیں اور قوتیں قوم کی بہتری کے لئے استعمال میں لا رہے ہیں اور جنکو ہر وقت یہ فکر دامنگیر ہے کہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان میں عزت عظمت اور ثروت کے ساتھ قائم رہے ایسے افسردہ اور غریب لوگوں کی مجلس میں حضور عالیہ کا تشریف لانا اور دستگیری اور امداد کے لئے ہاتھ بڑھانا اور بھرے مجمع میں عالی خیالات اور حکیمانہ ارشادات کا ظاہر کرنا جو قومی مرض کے لئے نسخۂ شفا اور اکسیر کی خاصیت رکھتا ہو، ایک ایسا نادر واقعہ اور ایسا دلکش منظر تھا جو دیکھنے اور سُننے سے تعلق رکھتا تھا اور قومی کام کرنے والوں کے دل محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے

ارادے پست اور ہماری قوت کمزور نہیں ہے بلکہ ہمارے ساتھ ایسی قوت موجود ہے جو ہر مشکل میں ہماری مدد کرنے والی اور ہماری امیدوں کی حوصلہ افزا ہے اور کانفرنس کی مجلس شکستہ دلوں کی مجلس نہیں ہے بلکہ یہ مجلس اُن لوگوں کی مجلس ہے جن کے ارادے بلند اور ہمتیں وسیع ہیں اور جن کی نظر کے سامنے امیدوں اور کامیابیوں کا وسیع میدان موجود ہے اور جن کی خدمت قومی سے ملک اور قوم کو فخر ہے۔

سرکار عالیہ دام اقبالہا کی تشریف آوری کا وقت ۸ بجے شب کو پروگرام کے ذریعہ سے مشتہر ہو چکا تھا، اور سرِ شام ہی سے کیمپ کانفرنس میں عجیب چہل پہل اور رونق شروع ہو گئی تھی، پنڈال کے وسیع اور فراخ اسٹیج پر خواتینِ اسلام کی نشست کے لئے پورے پردہ کی حفاظت کے ساتھ نہایت خوشنما اور معقول انتظام کیا گیا تھا، اور مغرب کے وقت سے ہی ڈولیوں، گاڑیوں، اور موٹروں کی آمد کا تانتا بندھ گیا تھا۔ کانفرنس کیمپ کی ترتیب، پنڈال کی آرائش، روشنی کی پُر لطف کیفیت اور حاضرین کی کثرت اور ہجوم سے پنڈال میں شاہانہ دربار کی کیفیت نظر آتی تھی۔ جس قدر اصحاب جمع تھے بقول معزز اخبار البشیر "عوام الناس نہ تھے بلکہ عموماً معزز اصحاب تھے اور علاوہ معززین کے نامور اور مقتدر اصحاب کی کافی تعداد موجود تھی"، اور بقول البشیر "یہ اجلاس اس مرتبہ کی کانفرس کی گویا جان تھا" اور جیسا کہ دوسری جگہ بھی معزز اخبار لکھتا ہے "سچ تو یہ ہے کہ یہ اجلاس ایسا تھا جسے دیکھکر دہلی کے اجلاس کو کامیاب اجلاس کہا جا سکتا ہے"

الغرض آٹھ بجتے بجتے تمام ہال حاضرین اور اسٹیج کا زنانہ حصہ خواتینِ اسلام سے جن کی تعداد ۰۰ھ کے قریب تھی بھر گیا۔

ہر ہائینس سرکار عالیہ وقت مقررہ پر بغیر کسی قسم کی نمائش کے نہایت سادہ طریقہ سے بہ سواری موٹر تشریف فرما کیمپ کانفرنس ہوئیں، جس وقت موٹر پنڈال کے دروازہ پر ٹھہری عالیجناب نواب وقار الملک بہادر، آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں و دیگر امرائے قوم

مراسم آداب بجالائے اور جس وقت برقع کے اندر سرکار عالیہ ہال میں رونق افروز ہوئیں تمام حاضرین نے سروقد کھڑے ہو کر تعظیم ادا کی اور دلی جوش اور مسرت آمیز چیرز سے خیر مقدم ادا کیا حضور محتشمہ کی جلو میں چھوٹے صاحبزادہ نواب حمید اللہ خاں صاحب بہادر، جو مدرسۃ العلوم علی گڈھ کے ممتاز طالب علم ہیں، بہ حیثیت اڈیکانگ شریک اجلاس ہوئے اور ہندوستان کی مشہور تعلیم یافتہ خاتون اور انگریزی شاعرہ مسز نائیڈو اور پنڈت سرلا دیوی چودھرانی بی اے بھی تشریف لائیں جب تک سرکار عالیہ اپنی زرنگار کرسی پر تشریف فرما نہ ہوئیں تمام حاضرین مؤدب کھڑے رہے۔

اس موقع پر علیا حضرت نے جس طریقہ سے اپنی صنفی تعلیم کے مسائل پر بحث فرمائی اور جس طرح قومی مجمع سے اپنے اڈریس میں اپیل کی اس کی مثال کسی فرمانروا اور والی ملک کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔ ہر ہائینس اس وقت اپنے درجہ و اقتدار شاہانہ کو فراموش کر گئی تھیں اور ایک سادہ مسلمان خاتون کی طرح سے اس عظیم الشان اجتماع قومی میں اپنی صنف کی وکالت فرما رہی تھیں اور قوم کو اُن خطروں سے تنبیہ اور اُن فوائد سے آگاہ کر رہی تھیں جو عورتوں کی جہالت و تعلیم کا نتیجہ لازمی ہیں۔ (انتہیٰ)

۱۹۱۵ء میں علیا حضرت نے علیگڈھ تشریف لے جا کر زنانہ اسکول کا افتتاح فرمایا اور ایک بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر اپنے خطبہ جوابی میں پھر قوم کو غیرت و ہمت دلائی اور عام مسائل نسوان پر بحث فرما کر اپنے خیالات عالی سے رہبری کی۔

اس خطبہ میں مشکلات تعلیم اُناث کا تذکرہ، اُن پر بحث اور ان کا حل، تعلیم یافتہ طبقہ سے توقعات کی وابستگی، لڑکیوں کی تعلیم سے بے توجہی اور ضرورت کے عدم احساس پر افسوس، تعلیمی وسائل کی کمی اور اُن کی تکمیل کی ضرورت، مسائل نصاب پر بحث، سررشتہ تعلیم کے مروجہ نصابوں میں سے انتخاب، اور تراجم کے ذریعہ سے جلد از جلد اُس کی تکمیل پر زور، انگریزی کی تعلیم اور اس کے داخل نصاب ہونے کی بحث اور اعلیٰ مدارج تعلیم میں اس کے داخل کئے جانے کی تحریک، طریقۂ تعلیم، اُستانیوں اور قومی مدرسوں کی ضرورتیں، پردہ کے انتظام کی تاکید، یورپین اور نیٹیو کرسچین لیڈیز سے تعلیمی فائدہ

اٹھانے کی ترغیب، قوم کو عملی قوم بننے کی ہدایت، مدرسہ کی حالت پر ریمارک، گیارہ بارہ برس کی لڑکیوں کو مدرسہ سے اُٹھائے جانے پر افسوس، لیڈی پورٹر کا شکریہ، غرض تمام مسائلِ حاضرہ زیرِ بحث لائے گئے تھے۔ اور اُن پر اپنی رائے ظاہر فرمائی تھی۔

اس ہی زمانہ میں مسلم لیڈیز کانفرنس کا ابتدائی اجلاس بھی اسکول کی عمارت میں ہوا۔ علیا حضرت صدر جلسہ منتخب ہوئیں اور گویا یکم مارچ ۱۹۱۴ء کو مسلمان عورتوں کے ایک خاص اور خالص اجتماع صنفی کی بنیاد علیا حضرت کے دست مبارک سے قائم کی گئی۔

علیا حضرت نے افتتاحی تقریر ارشاد فرمائی جس میں جن پُرجوش الفاظ میں جذبات ہمدردی کا اظہار ہے، خواتینِ اسلام کو جس طرح غیرت دلائی ہے۔ جن الفاظ میں ان کو اجتماعی و انفرادی طور پر قومی و صنفی کام کرنے کی نصیحتیں کی ہیں وہ بار بار خواتینِ اسلام کے مطالعہ کے قابل ہیں۔

یہ اجلاس اگرچہ ایک ہی دن ہوا لیکن تقریباً تمام دن اسی میں صرف ہوا اور ۱۰ بجے صبح سے ۵ بجے شام تک خواتینِ اسلام اپنے صنفی مسائل کی بحث میں مشغول رہیں۔ جب اجلاس ختم ہوا ہے تو علیا حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

خواتین!

آج کے دن اس زمانہ کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز ہوا ہے اور جب کبھی آئندہ زمانہ میں اس دَور کی تاریخ لکھی جائے گی تو اُس میں ہمارے اس جلسے کا انعقاد ایک روشن باب ہو گا۔ چلد سال قبل جب کہ میں یہاں آئی تھی اور اس رواروی کے قیام میں جن جن خواتین سے مجھکو موقع ملاقات ملا تھا اور اس وقت جبکہ میں نے ان کو دیکھا تو مجھکو ان کے خیالات میں بیّن فرق معلوم ہوا ہر ایک کا تعلیم کی طرف رجحان ہے۔ ہر ایک اپنی، اور اپنی اولاد کی تعلیم پر دل دادہ ہے۔ یہ ہی آثار ہیں جو ہماری قوم کے اقبال کو نمایاں کر رہے ہیں۔ اے خواتین! میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میں تمہاری اس بیّن ترقی کو دیکھکر بہت خوش ہوئی اور تمہارا وہ احساس جو اپنے نقصانات معلوم کرنے کا تم میں پیدا ہو گیا ہے اُس نے میری امیدوں کو دوبالا کر دیا ہے۔ مجھکو امید ہے کہ تم اپنی

اولادوں اور آئندہ نسلوں پر ترحم کرکے اپنی تعلیم کی جانب دل سے کوشش کروگی۔ میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ تمہاری تعلیم و تربیت تمام مسلمانوں کی بہبودی کا باعث ہوگی۔

میں نہیں بیان کرسکتی کہ مجھے آج کے دلچسپ مباحثوں اور سرگرمی سے کس قدر مسرت ہوئی ہے۔ میری دعا ہے کہ تمام مسلمان عورتیں تعلیم کی حقیقی مسرت حاصل کریں۔ اُن کی تعلیم اُن کی خانگی خوشیوں کا ذریعہ ہے۔ اور یہ کانفرنس بہت سی برکتوں کا باعث ہو۔

مجھے یقین ہے کہ آج جو خواتین اس کانفرنس کی رکن اور عہدہ دار منتخب ہوئی ہیں وہ اور بھی زیادہ استقلال سے کام کریں گی۔

خواتین! اب میں آپ سب کی اس تکلیفِ سفر برداشت کرنے پر شکریہ ادا کرکے اس دعا کے ساتھ تقریر ختم کرتی ہوں کہ خداوند کریم اس ضعیف طبقے کی کوششوں میں مدد دے تاکہ وہ اتحاد و اتفاق کیساتھ اپنی صنف کی خدمتیں بجالائے اور اس کا دل علم کی روشنی سے منور ہو۔

علیا حضرت اس کانفرنس کی کارروائیوں کو بڑی دلچسپی سے ملاحظہ فرماتی ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے بھی امداد دیتی ہیں گیارہ سو روپیہ سالانہ کانفرنس کے نظم و نسق کے لئے بھی عطا کئے جاتے ہیں۔

۱۹۱۲ء میں علیا حضرت نے ملک کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ ہز امپیریل مجسٹی کوئن میری کی تشریف آوری کی یادگار میں دارالسلطنت دہلی میں تمام اقوام ہند کا ایک زنانہ کالج بنایا جائے۔ اور اس تجویز کو کثرت کے ساتھ تنقید اور اہل ملک کی رائے معلوم کرنے کے لئے شائع کیا۔ والیانِ ملک اور مہارانیوں اور بیگمات کے پاس پرائیویٹ خطوط کے ساتھ بھیجا۔ ملک کے تمام اخبارات اور تمام اقوام نے برمحل اور ضروری تصور کیا اور ہر طرف سے اس کی تائید کی گئی۔ کچھ اعتراضات بھی ہوئے اور اُن کے جوابات بھی شائع کئے گئے۔

اکثر والیان ملک، مہارانیوں اور بیگمات نے بہت پسند کیا ہز اگزالٹڈ نظام اور دیر ہائینسز مہاراجہ کشمیر و گوالیار، راجگڈھ، نرسنگڈھ، دھار کی مہارانی صاحبات اور بیگم صاحبہ جنجیرہ نے اور خود

علیا حضرت اور خاندان کی بیگمات محترمہ نے گرانقدر چندے اس متحدہ مقصد کے لئے عطا کئے لیکن موجودہ جنگ کی وجہ سے اس تجویز کی رفتار ترقی رُک گئی لیکن علیا حضرت کا عزم مصمم اختتام جنگ کے بعد اس تجویز کو عمل میں لانے کا ہے۔ ساڑھے چار لاکھ کے قریب اس فنڈ میں روپیہ موجود ہے۔

اسی سال مسلمان خواتین لاہور کی درخواست پر ایک زنانہ ہال کا سنگ بنیاد قائم کیا جو حضور ممدوحہ کے نام سے منسوب کیا گیا تھا اور اس کو پانچ ہزار روپیہ مرحمت فرمائے اور اس موقع پر زنانہ جلسہ میں ایک تقریر بھی ارشاد کی۔

اس میں شک نہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کی عورتوں میں اپنی تعلیم کی جانب خود توجہ شروع ہو گئی حتیٰ کہ ہز اکسلنسی وائسرائے و گورنر جنرل کشور ہند کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عورتوں کے تعلیمی معاملات میں عورتوں کی امداد حاصل کی جائے[1] علیا حضرت نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ نہ صرف تعلیم میں بلکہ ان مسائل نسوان میں جن میں اختلاف مذہبی نہ ہو ہندوستان کی جملہ اقوام کی عورتیں متفقاً کوشش کریں چنانچہ علیا حضرت نے ایک ایسی انجمن کے قیام کی تجویز کی جس میں کل اقوام ہند کی عورتیں شریک ہو کر اپنی ترقی و تعلیم اور حفظ صحت کے ذرائع اور دیگر مسائل پر تبادلہ خیالات اور غور و بحث کریں۔

اس تجویز کو علیا جناب میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ نے علیا حضرت کے معاون کی حیثیت سے عام طور پر شائع کیا اور خاص طور پر مہارانی صاحبات، بیگمات اور ملک کی تمام تعلیم یافتہ خواتین کے پاس لطلب رائے و حصول ہمدردی ارسال کی۔

اس تجویز کے شائع ہوتے ہی اکثر مہارانیوں، بیگموں اور جلیل القدر تعلیم یافتہ خواتین نے اتفاق ظاہر کیا۔ بعض کو مختلف وجوہ سے اس کے کامیاب ہونے میں شک پیدا ہوا۔ کہیں کہیں اس کو یورپین تقلید کے نام سے موسوم کر کے قطعی اختلاف کیا گیا لیکن یہ تجویز روز بروز عملی شکل اختیار کرتی رہی۔

---

[1] تقریر جنوری ۱۹۱۶ء کانفرنس ڈائرکٹران سررشتہ تعلیم ۱۲

ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے اس کا پیٹرن ہونا منظور کیا۔ ہز اکسلنسی لیڈی ونگڈن (بمبئی) ہز اکسلنسی لیڈی پنٹلینڈ (مدراس) ہز اکسلنسی لیڈی رونلڈشے (کلکتہ) لیڈی اوڈوائر (پنجاب) علیا حضرت قیصر دلہن صاحبہ و علیا حضرت شہر یار دلہن صاحبہ (بھوپال) نے وائس پیٹرن کا عہدہ قبول کیا اور خاص طور پر ہمدردی ظاہر کی۔

آخر مارچ ۱۹۱۸ء میں اس کا ایک ابتدائی جلسہ بمقام بھوپال ایوان صدر منزل میں آل انڈیا لیڈیز ایسوسی ایشن کے نام سے منعقد ہوا جس میں ہندو مسلمان، عیسائی، پارسی اقوام کی خواتین اور یورپین لیڈیز شریک تھیں۔ ۲۶۔ مارچ سے ۲۹۔ مارچ تک برابر اجلاس ہوئے اور مختلف مسائل اور رزولیوشنوں پر بحثیں ہوئیں۔

علیا حضرت نے اس ایسوسی ایشن کے اجلاس اولین کا اپنی صدارت سے افتتاح فرمایا اور ایک نہایت زوردار اور پُر از معلومات ایڈریس کیا۔ یہ اڈریس بجائے خود مسائل نسوان میں ایک رفیع مرتبہ رکھتا ہے اور زنانہ لٹریچر کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس تقریر میں مشترکہ انجمن کی ضرورت و فوائد کو بیان کر کے زنانہ ملکی انجمنوں کے کاموں کا اعتراف کیا گیا تھا پھر ہمدردان وطن اور حکومت کے مابین تقسیم عمل کے اصول پر اپنے فرائض کو سرگرمی کیساتھ ادا کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے انگلستان اور دیگر ممالک کی خواتین کے کارناموں کو بطور مثال کے پیش کیا تھا اس کے بعد اس درجہ کا جو خواتین کو تہذیب و تمدن میں حاصل ہے احساس تازہ کرا کر قدیم و جدید زمانہ کی مسلمان، ہندو اور پارسی، اقوام کے علمی شوق اور علمی کارناموں کا تذکرہ تھا۔ اس کے بعد زنانہ سوسائٹیوں اور مدرسوں وغیرہ کی طرف اشارہ تھا اور ان کو ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے ناکافی ظاہر کر کے باقاعدہ اور مسلسل کوشش کی تحریک تھی۔ اسی سلسلہ میں حکومت سے فیاضانہ امداد کی توقع ظاہر کر کے ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ کی اس تقریر کو جو انہوں نے ۱۹۱۷ء میں عورتوں کے ڈپوٹیشن کے جواب میں کی تھی۔ نسوان ہند کے آئندہ مستقبل کے لئے فال نیک ... ان کی سرگرم

کوششوں کے لئے خاص قوت و اثر قرار دیا تھا اس کے بعد تعلیم وطبی امداد کی کمی کو دکھا کر تلافی مافات کی طرف توجہ دلائی تھی اور اپنی کوششوں میں انگلش لیڈیز سے اعانت و ہمدردی حاصل کرنے کو ضروری قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حکام کی لیڈیز کے اون کاموں کی جو نسوان ہند کے لئے وہ کرتی رہتی ہیں مدح سرائی و شکر گزاری تھی اور اس پیغام شاہانہ کا جو ملکہ معظمہ کوئن میری قیصر ہند نے لیڈی چیمسفورڈ کے ذریعہ سے ہندوستانی عورتوں کو بھیجا تھا حوالہ دیتے ہوئے اس سے گراں قدر نتائج و اثرات ظاہر ہونے کی امید کی تھی۔ اس کے بعد زنانہ اور مردانہ تعلیم کے فرق کو دکھلا کر مذہبی تعلیم پر بہت زور دیا تھا۔ مادری زبان میں کورس اور اُستانیوں کے متعلق بھی خیالات ظاہر فرمائے تھے۔ پونہ میں پروفیسر کاروے کی زنانہ یونیورسٹی پر اظہار مسرت تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد سے توقع ظاہر کی تھی کہ وہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں عورتوں کی تعلیم کے لئے بھی کوشش کرے گی اس کے بعد عام ترغیب و تحریص کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ مسلمان عورتوں کے اُن حقوق کی جانب جو وہ اپنے گھروں میں رکھتی ہیں اشارہ کرتے ہوئے تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس تقریر کا ایک آخری جملہ نہایت ہی پُر زور تھا کہ "خواتین آپ سب قوت مشترکہ سے کام لے کر اس مقصدِ عظیم میں کامیابی حاصل کریں ہم کو اپنی کمزوری اور ضعف تخلیق کا خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ انھی ضعیف ہاتھوں نے دنیا میں بڑی بڑی مہمیں سر کی ہیں"

آج کل ہندوستان میں جس قدر زنانہ تعلیم کے نصاب جاری ہیں ان کے نقائص اس قدر زبان زد ہیں کہ کسی بیان کی حاجت نہیں اور اس تعلیم سے عورتیں ان خوبیوں سے محروم رہ جاتی ہیں جن کا ذاتِ نسوانی میں موجود ہونا از حد ضروری ہے۔

علیا حضرت نے اس مسئلہ پر ابتدا ہی سے غور فرمایا اور تقریباً اپنی تمام تقریروں میں اس کا اظہار کیا مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک جداگانہ نصاب بنانے کے واسطے علیگڈھ میں نہ صرف مالی امداد عطا کی بلکہ جب اس نصاب کی چند کتابیں ملاحظۂ اقدس میں پیش کی گئیں تو ان پر نہایت گہری تنقید

فرمائی۔ پھر ایک کمیٹی نے جو ۱۹۱۵ء میں بمقام اٹاوہ منعقد ہوئی تھی اور جس میں مسلمانوں کے علاوہ وہ یورپین لیڈیز جن کو تعلیم نسوان کا تجربہ حاصل ہے اور جو سررشتہ تعلیم میں عہدہ دار ہیں شریک تھیں ایک کریکولم تیار کیا اس پر بھی حضور ممدوحہ نے اپنی رائے ظاہر فرمائی۔

۱۹۱۸ء میں گذشتہ تجربوں اور انگلستان و ہندوستان کے نصابوں پر غور کرنے کے بعد علیا حضرت نے ایک جدید نصاب عام مدارس نسوان کے لئے بذات خاص تیار کیا جو ہندوستان کے تمام ڈائرکٹران سررشتہ تعلیم اور دیگر اہل الرائے کے پاس بغرض تنقید بھیجا گیا ہے۔ اس نصاب میں جس مضمون پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ اخلاقی مضمون ہے اور یہ مضامین اس طریقہ سے ترتیب دیے گئے ہیں کہ ابتدا سے لے کر اخیر جماعتوں کے طلبا کی فہم و فراست کے مطابق ہوں۔ اُن میں اخلاقی جوش پیدا ہو اور سبق کا اثر اُن کے جذبات، اُن کے عادات اور قوت ارادہ پر بھی پڑے

علیا حضرت کا ارادۂ مبارک ہے کہ تنقید و تبصرہ کے بعد جب یہ آخری صورت میں مکمل ہو جائے تو امتحانی طور پر اس کا اجرا مدارس اُناث بھوپال میں کیا جائے۔

اس نصاب کے علاوہ علیا حضرت نے اس ضرورت کو بھی محسوس کیا کہ ابھی تک بعض مسلمان خاندان مدارس کی موجودہ تعلیم کو پسند نہیں کرتے اور نہ ان میں لڑکیوں کو بھیجنا گوارا کرتے ہیں تعلیم چاہتے ہیں لیکن گھر کے اندر۔ اس لئے علیا حضرت نے ایک ایسے نصاب کی بنیاد ڈالی جو لڑکیوں کے لئے خانگی تعلیم میں مفید ہو۔

حضور ممدوحہ نے اس کیریکولم کو جو اٹاوہ میں تیار ہوا تھا پیش نظر رکھکر ضروری کتابوں کی تیاری کا حکم صادر فرمایا۔

یہ کتابیں مختلف اصحاب تیار کر رہے ہیں۔ اور جس وقت تیار ہو جائیں گی تو علیگڈھ کمیٹی کے پاس بغرض تنقید بھیجی جائیں گی۔ اور پھر ان کو عام طور پر شائع کیا جائے گا۔ اس طرح گھروں میں تعلیم کے لئے ایک مکمل نصاب مہیا ہو جائے گا۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب خود جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ نے ذکر مبارک کے نام سے تیار کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات

کا بیان ہے۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ متعدد مدارس اسلامی میں لڑکوں کے لئے بھی منظور کی گئی۔

اِن مساعی جمیلہ کے علاوہ علیا حضرت متعدد زنانہ مدارس، انسٹی ٹیوشن، انجمنوں وغیرہ کو بھی امدادیں عطا فرماتی ہیں۔

مدرسۂ طبیہ دہلی کی شاخ تعلیم دائیاں، کلکتہ کا مدرسۂ نسواں الہ آباد و لکھنو کے زنانہ کلب، مداسیوں ممبئی، لیڈی ہارڈنگ کالج دہلی وغیرہ حضور ممدوحہ کی فیاضی سے بہرہ ور ہیں۔

حضور ممدوحہ اس علمی و قلمی فیاضی کے علاوہ جو بذات خود فرماتی ہیں زنانہ مصنفین و مؤلفین کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتی رہتی ہیں اور زنانہ مقاصد پر اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں اُن کی مربّی و سرپرست ہیں۔

نمائش مصنوعات خواتینِ ہند

مارچ ۱۹۱۴ء میں ہر ہائینس نے ہندوستانی خواتین کی نمائش مصنوعات قائم فرمائی یہ نمائش حضور ممدوحہ کے اس شغف کا جو خواتین ہند کی ترقی و تربیت اور تعلیم کے متعلق ہے ایک ثبوت ہے۔ ایسی نمائش اُن بیش بہا فوائد میں سے ہے جن کا شمار تعلیم و تربیت خواتین کے بہترین نتائج میں کیا جاتا ہے۔ خواتین کو اپنی ہنرمندیوں اور دستکاریوں کو خوش سلیقگی اور وقعت کے ساتھ پبلک میں لانے اور نہ صرف اپنی مفید محنت کی داد لینے بلکہ معقول قیمت یا انعام حاصل کرنے کے لئے نمائش سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

اگرچہ اس سے پہلے بھی مختلف صوبوں میں جو نمائشیں منعقد ہوئی ہیں اُن میں زنانہ مصنوعات کو بھی جگہ دی گئی ہے اور چند سال تک آل انڈیا محمڈن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرس کے ساتھ زنانہ نمائش لازمی رہی۔ مگر وہ نمائش مسلمان خواتین کی مصنوعات تک محدود تھی لیکن یہ نمائش خالص زنانہ مصنوعات کی پہلی بین الاقوامی نمائش ہے جس کی بنیاد بھوپال میں جہاں ہر قسم کی زنانہ تحریکات ترقی کی نشو و نما ہوتی ہے ڈالی گئی ہے۔

اگرچہ نمائش کا اعلان و اشتہار صرف چند ماہ قبل دیا گیا تھا اور یہ مدت ایک عظیم الشان نمائش کے لئے بالکل ناکافی تھی لیکن پھر بھی اس میں جو کامیابی ہوئی اس پر جس قدر حیرت کی جائے کم ہے اس کی اصل وجہ وہی امداد و اعانت ہے جو حضور سرکار عالیہ نے فرمائی لیکن کامیابی میں جناب شاہ بانو بیگم صاحبہ (میمونہ سلطان) کی توجہ کا بھی بہت کچھ حصہ ہے جو اس کی منتظمہ کمیٹی کی پریسیڈنٹ منتخب ہوئی تھیں۔

جس طرح یہ بین الاقوامی نمائش تھی اُسی طرح مختلف قوموں کی خواتین انتظامی کمیٹی میں شامل تھیں اور اُن سب نے پوری دلچسپی اور محنت و کوشش کے ساتھ کام کیا۔

نمائش عالی منزل کی وسیع عمارت میں منعقد ہوئی تھی یہ پردہ دار عمارت ایک بہت بڑے رقبہ میں واقع ہے اُس کے اندر دوہرے درجے کا ایک نہایت خوشنما، سرسبز اور شاداب باغ ہے ٹینس، کروکے، بیڈمنٹن کے فیلڈ ہیں۔ چند خوش منظر قطعات میں جنکی چمن بندی کی گئی ہے اور جا بجا جو چھوٹی چھوٹی عمارتیں واقع ہیں اُنھوں نے اور بھی عمارت کی خوشنمائی کو بڑھا دیا ہے۔ اس پر روشوں کے گرد رنگا رنگ کی جھنڈیاں ہوا میں لہراتی ہوئی اور مصنوعی کاغذ کے پھولوں کی بیلیں منظر کو بہت ہی دلچسپ بنا رہی تھیں۔ عمارت اور اُس کی آرائش بجائے خود نظر اور دماغ کے لئے فرحت افزا تھی۔ اُس پر جس سلیقہ و نفاست سے کہ اشیاء نمائش کو آراستہ کیا گیا تھا وہ اور بھی دلفریب نظارہ تھا۔

اشیاء نمائش کی تعداد (۱۶۲۴) تھی اور یہ تعداد (۲۹۶) مقامات سے موصول ہوئی تھی۔ اس تعداد میں ۲۱ مدارس تھے جس میں تین مدارس بھوپال خاص کے تھے۔

ان چیزوں میں خود ہر ہائینس سرکار عالیہ، ہر ہائینس مہارانی گوالیار، جناب قیصر دلہن صاحبہ (بیگم صاحبہ نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر) جناب شاہ بانو بیگم صاحبہ (میمونہ سلطان) کے علاوہ جناب نازلی رفیعہ بیگم صاحبہ جنجیرہ، رانی صاحبہ دہرہ (سلطانپور) مہارانی صاحبہ نرسنگڈھ مہارانی صاحبہ دھار اور رانی اندر کنور صاحبہ گلبرگہ کی چیزیں خاص امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔

مصنوعات کے ساتھ ایسی ترکاریاں اور پھول بھی رکھے گئے تھے جو خاص باغات بھوپال کی پیداوار تھے۔ تاکہ عورتوں کو اپنے خانہ باغوں، پائیں باغوں اور گھر کے اندر کی آرائش کی ترغیب حاصل ہو۔

اس نمائش کے چشم دید حالات زہرہ بیگم فیضی صاحبہ نے تحریر کیے ہیں جن کو اس موقع پر دلچسپی خواتین کے لحاظ سے اقتباساً درج کیا جاتا ہے:۔

ہماری بگھی ٹھیک وقت پر عالی منزل کے پھاٹک پر پہنچی اور ہم لوگ اتر کر اندر داخل ہوئے منتظمین نے جھنڈیوں، پھریروں اور رنگ برنگ کی کمانوں سے باغ کے چپہ چپہ کو گلشن انبساط بنا دیا تھا اس پر طرہ یہ کہ بیگمات ذوی الاحترام سے تمام روشیں اور گذرگاہیں بھری ہوئی تھیں۔ پھاٹک کے نزدیک پردہ کی اوٹ میں منتظمہ کمیٹی کی خواتین اپنے اپنے بیج پہنے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کررہی تھی اور سرکار عالیہ کا انتظار ہو رہا تھا۔ ہم لوگ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چاروں طرف نگاہیں ڈالتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ دائیں طرف چار پانچ چوبی دوکانیں جو سطح باغ سے تین چار فٹ بلند ہیں۔ اشیاء نمائشی سے سجی ہوئی تھیں مگر دریافت سے معلوم ہوا کہ ان دوکانوں میں سلطانیہ اور وکٹوریہ گرلز اسکول کی لڑکیوں کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ یہ سن کر واقعی بڑی مسرت ہوئی اور جب میں نے غور سے دیکھا اور دکانوں کو جھانک کر مشاہدہ کیا تو معلوم ہوا کہ اکثر نوعمر طالبات اپنے اپنے اسکول کی دستکاریوں کو بھولی بھالی اداؤں سے فروخت کرنے کے لئے ہلکے پھلکے لباسوں میں ملبس بڑی چستی سے مشتریوں کا انتظار کررہی ہیں۔ اس نمائش سے میرا دل دونا بلکہ چوگنا خوش ہوا۔ گویا سونے پر سہاگہ اور اپنے دل ہی دل میں کہتی رہی کہ ان دوکانوں کی اشیاء خوب ہی فروخت ہوں گی۔ کون ایسی بیوی ہوگی جوان کی حوصلہ افزائی نہ کرے گی خیر اس طرح کے خیالات آتے اور جاتے رہے۔ روشوں پر بہنوں سے ملاقات ہوتی رہی کوئی رسالہ "خاتون" کی یاددہانی کرکے متوجہ کرلیتی تھی کوئی تہذیبی بہن ہونے کا ثبوت دیتی تھی کوئی افتتاح کلب بھوپال کا زمانہ

یاد دلاتی تھیں (جس وقت پہلی دفعہ ہم یہاں آئے تھے) علی ہذا القیاس کچھ نہ کچھ ذریعہ توسلہ وساطت کہیں نہ کہیں شناسائی کا کام دیتی تھی۔ اس طریقہ سے آہستہ خرامی کی حد ہوگئی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ آہستہ خرام بلکہ مخرام زیر قدمت ہزار جانست اس طرح اور اس درجہ رکتے تھمتے نمائش گاہ کے برآمدے میں پہنچے کل برآمدہ بی بیوں سے بھرا ہوا تھا جو قطار بنا کر چوکیوں پر بیٹھی تھیں۔ اتنے میں بینڈ کی آواز سنائی دینے لگی۔ معلوم ہوا کہ حضور عالیہ رونق افروز ہو رہی ہیں۔ سب کی نگاہیں اس طرف لگی رہیں جب حضور عالیہ داخل ہوئیں تو سب سروقد تعظیم کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ اور سرکار اپنے شاہانہ وقار اور شفیقانہ انداز کے ساتھ رونق افزائے مجلس ہوئیں۔

بڑی دولہن صاحبہ (قیصر دولہن) اور چھوٹی دولہن صاحبہ کی کرسیاں سرکار کے نزدیک تھیں۔ شاہ بانو بیگم صاحبہ نے اپنی تقریر جو بطور ایڈریس کے تھی پڑھی۔ اس تقریر کے ختم ہونے پر سرکار عالیہ نے حوصلہ افزا اسپیچ دی اور پھر نمائش کے افتتاح کی رسم کو ادا کرتے ہوئے آپ نے قدم مبارک نمائش گاہ میں رکھا۔ یہ دیکھتے ہی حاضرات اُمنڈ پڑیں اور بے قاعدہ گھسنا شروع کیا۔

جن لوگوں کو اس طوفان بے تمیزی سے نفرت تھی وہ راستہ صاف ہونے کے انتظار میں کھڑی رہیں۔ اور جب موقع ملا تو سیر کے نمائشی کمرے میں داخل ہوئیں۔

مینے اس بڑے کمرہ کو بڑی شوق کی نگاہوں سے دیکھا۔ ممالک مختلفہ سے زنانہ دستکاریاں آئی ہوئی تھیں بعضے کام بہت ہی نادر اور انوکھے تھے واقعی بڑی دیدہ ریزی اور جانفشانی سے نمونے تیار کئے تھے خصوصًا بھوپال والیوں نے رنگ رکھا۔ ان لوگوں نے عمدہ عمدہ دستکاریاں تیار کی تھیں۔ سرکار عالیہ نے کئی چیزیں اپنے دست مبارک سے تیار کرکے نمائش کی زیبائش کو بڑھا دیا تھا۔ جناب قیصر دولہن صاحبہ کی دستکاری بھی دیکھ کے خوشی ہوئی۔

جناب شاہ بانو بیگم صاحبہ کا نقشی کام اور دستکاری بھی قابل تحسین ہے۔ محل والیوں کے بھی نمونے بہت سے تھے۔ جناب اقتدار دولہن صاحبہ کا کٹاؤ کا کام قابل ستائش ہے۔ اور مسس وہاج الدین صاحبہ کی چکن دوزی مع کٹاؤ کے کام کے قابل ملاحظہ تھی اسی طرح اور بیگمات نے جن کے ناموں سے میں کم واقف ہوں بہت ہی اچھے اچھے کام کئے تھے مختلف اضلاع کے اسکولوں سے بہت اچھے کام بنکر آئے تھے۔ عالی منزل نمائش کے واسطے بہت ہی موزوں اور اُس کا کمرہ بہت وسیع ہے۔ لیکن روشنی اور اُجالا بہت کم معلوم ہوا جس کے سبب سے دستکاریوں کی خوبی پوری طرح دکھائی نہیں دیتی تھی اکثر بیننے یہ بھی دیکھا ہے کہ یورپین موٹے موٹے کردیل ورک بہت سی بی بیوں نے کرکے رکھے تھے کاش اس کے عوض چکن دوزی۔ کٹاؤ کا کام زربافی زردوزی، کشیدہ وغیرہ پر دھیان کریں۔

میری رائے ہے کہ پُرانے کاموں کی ترقی کے واسطے خاص خاص انعامات آئندہ مقرر کرنے چاہییں تاکہ ایسی نفیس دستکاریاں ہمارے ملک سے مفقود نہ ہوجائیں نمائش گاہ میں کوئی گھنٹہ بھر سیر کرتے رہے بعدہٗ سرکار عالیہ اپنی پارٹی میں شریک ہونے کے واسطے تشریف لے گئیں۔ ان کے بعد تمام مجمع متفرق ہوکر باغ کے مختلف حصوں میں دکھائی دیا جا بجا گلگلے والیاں۔ بھجئے والیاں اور بھی مختلف اشیاء کو فروخت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں اور جانے آنے والیوں کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کے اپنی طرف مخاطب کرتی تھیں۔ ہم سیر کرتے ہوئے اس جگہ واپس آئے جہاں سے ایک روش پھاٹک تک چلی جاتی تھی اور دوسری روش چند زینوں سے اوتر کر تاج محل تک پہنچتی تھی اور اسی روش کی ایک شاخ اس چبوترے پر پہنچاتی تھی جہاں پارٹی کا انتظام تھا۔ یہ جگہ بہت ہی خوشنما اور وسیع ہے یہاں بھی خوبصورت جھنڈیاں اور رنگین کمانیں نظروں کو اپنا گرویدہ کئے لیتی تھیں اسی جگہ خور و نوش کا اہتمام تھا چبوترے کے مقابل نیچے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں جھولے جھول رہی

تھیں وکھیلی کو دیر مصروف تھیں انہوں نے اپنی خوش آوازی اور چہل پہل سے پارٹی کا لطف بڑھادیا تھا یہ عمارت بڑی سہانی جگہ ہے اور شاہجہاں آباد میں واقع ہے۔ اس محلہ کو جس میں بڑے بڑے محل ور مکانات واقع ہیں سرکار عالیہ کی والدہ محترمہ نے تعمیر وآباد کرایا تھا اور اس لئے اُن کے نام سے موسوم ہے اس عمارت کا نام عالی منزل ہے جو مع اپنے باغ کے کلب کے کام میں آتی ہے۔ پردہ دار خواتین کے واسطے بہت ہی مناسب اور موزوں جگہ ہے تھوڑی دیر تک پارٹی کا لُطف رہا پھر دونوں وقت ملتے اپنی اپنی فرودگاہ پر واپس آگئے آٹھویں مارچ کو قیصر دولہن صاحبہ کی طرف سے پارٹی ہوئی۔ افسوس کہ ہمشیرہ کی علالت کی وجہ سے میں نہ جاسکی جس کا افسوس رہا۔

نویں مارچ کو شہر یار دولہن صاحبہ کی طرف سے پارٹی تھی۔ اس میں میں چھوٹی دولہن صاحبہ کے ہمراہ شریک ہوئی اور بر وقت پہنچکر نمائش کی اچھی طرح سیر کی۔ سلطانیہ اور وکٹوریہ گرلز اسکول کی اشیاء کو دیکھا اور اُس میں سے انتخاب کرکے خریدا سچ یہ ہے کہ چیزیں اچھی بنی ہوئی ہیں۔

سرکار عالیہ کے تشریف لانے کی بینڈ کی آواز سے خبر ہوئی۔ نمائش پر نظر ڈالکر پارٹی میں شرکت کی قیصر دولہن صاحبہ تشریف لائی تھیں۔ لیکن شہر یار دولہن صاحبہ کسی مجبوری سے شریک نہ ہوسکیں مسز ڈیوس سے ملاقات ہوئی جو پولیٹیکل ایجنٹ حال کی بیوی ہیں اور آج تو بہت زیادہ سب بی بیوں سے ملنے جلنے کا موقع ملا اس وقت مسلمان خواتین کے جلسوں میں شرکت کی غرض سے دور دراز کی رہنے والیاں تشریف لائی تھیں۔ خجستہ اختر بانو سہروردیہ بیگم صاحبہ کلکتہ سے، رفیع الدین احمد صاحب کی بھتیجیاں بمبئی کے قرب جوار سے ہم لوگ بمبئی سے اور نزدیک کی تو کئی بی بیاں آگئیں تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اتنا مجاز بیچاریوں نے پایا جو اپنے گھر سے نکل کر غیر ملکوں تک شریک جلسہ ہوئیں انواع واقسام کی چیزیں نوش جان فرما کر سب بی بیاں پھر کل ملنے کی امید میں بہ خوشی واپس گئیں۔

۱۰- مارچ کو شاہ بانو بیگم صاحبہ کی طرف سے پارٹی تھی ان کے ہمراہ وقت معینہ پر میں بھی آئی نوجہاں بیگم صاحبہ ننھی سی بچی ہیں جو نواب محمد نصر اللہ خاں صاحب کی صاحبزادی ہیں وہ اکثر اپنی ممی کے ہمراہ چلتی تھیں بڑی پیاری اور بھولی بھالی لڑکی ہیں جس وضع داری سے وہ دوپٹہ پہنتی ہیں دیکھنے کے قابل ہے چھوٹی سی گڑیا معلوم ہوتی ہیں بلکہ کل کی پتلی کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ شاہ بانو بیگم صاحبہ کی تعلیم و تربیت اوریں طریقہ پر ہوئی ہے۔ ان میں ایک ایسی خاص بات ہے کہ بے اختیار ان کی طرف دل راغب ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ نے انہیں زیور علم سے اچھی طرح آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ ہنوز اُن کی تعلیم ہو رہی ہے۔ ابھی ان کا سن و سال ہی کیا ہے۔ پندرہ یا سولہ برس کا سن ہے ان کی ذات سے خواتین اسلام کی بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں۔ میں ان سے جہاں کہیں ملتی ہوں بہت ہی خوش ہوتی ہوں۔ آج کی پارٹی میں اور دولہنیں شریک نہیں تھیں لیکن مجمع میرے خیال میں بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ بڑا تھا۔ سلطانیہ گرلز اسکول اور وکٹوریہ گرلز اسکول کی خاصی ٹیچنیں تھیں جو والنٹیر بنکر کھڑی ہوئی تھیں۔

۱۱- تاریخ کو سرکار کے ہمراہ جنبک (فیصلہ عدگی اشیاء) کے واسطے میں گئی اور بھوپال والیوں کی نادر اشیا انتخاب کرنے میں اور سرکار عالیہ کو متوجہ کرنے میں ہم ججوں نے بھی مدد دی بعض بے نظیر دستکاریوں پر تمغے اور انعامات دیے جانے کا ارادہ سرکار عالیہ نے ظاہر فرمایا یہ کام ختم کرکے واپس لوٹے۔ خدا کی مہربانی سے ہمشیرہ کی طبیعت بحال ہو رہی ہے۔

۱۲- تاریخ کو شاہ بانو بیگم صاحبہ کے ہمراہ نمائش گاہ چلی۔ سرکار عالیہ کا کوئی کام باقی نہ تھا اس لئے وہ تشریف نہ لے گئیں۔ آج تھوڑا مجمع تھا۔ دُلہن صاحبہ نے اپنی تقریر پڑھی جس میں کارپردازوں کو تحسین کی تھی اور ہم لوگوں کے واسطے بھی حوصلہ افزا الفاظ تھے جس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اتنا میں ضرور کہوں گی کہ یہ آپ کی عنایت ہے ورنہ ہم نے

اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جو ہمارے قومی جذبات و انسانیت کا اقتضا تھا۔ بعدہ سکریٹری آبرو بیگم صاحبہ نے ان بیگمات و خواتین کے نام نامی پکارے جن کی دستکاریوں کے صلہ میں انعامات و تمغے[1] نصیب ہوئے ہیں۔ بعدہ جلسہ ختم ہو گیا اور آج سے ۱۶۔ مارچ تک مردوں کے لئے نمائش کھلی رہے گی۔ سنتی ہوں کہ ۸۔ مارچ سے ۱۲ مارچ تک چار آنہ اور دو آنے فی ٹکٹ کے حساب سے کافی آمدنی ہوئی۔ اس بات سے میں تو بہت خوش ہوئی سرکار نے یہ تجویز کیا ہے کہ بھوپال کے لئے خاص ہر سال نمائش ہو گی اور ہر تیسرے برس کل ہندوستان کی مستورات کیواسطے چشمۂ فیض جاری رہے گا۔

خداوند کریم سرکار عالیہ کو عمر طبعی دے اور فرصت دے تاکہ اپنے نیک ارادے پورے کر سکیں۔ آمین۔"

تعلیم و آزادیٔ نسواں پر رائے

ہر ہائینس کو اپنے ہم جنس طبقہ سے جو ہمدردی اور اس کے مسائل ترقی میں جو دلچسپی اور شغف ہے اس کا اندازہ ان مساعی اہم سے ہوتا ہے جس کا ایک مجمل تذکرہ اوراق ماسبق میں ہے لیکن اسی کے ساتھ ہر ہائینس تعلیم و آزادیٔ نسواں کی جن اصول کے ماتحت اور جن شرائط و قیود کے ساتھ حامی ہیں وہ حضور ممدوحہ کے طرز عمل اور متعدد تقریروں سے نمایاں ہیں اور اس باب کے آخر میں ان کی تشریح کر دینی مناسب ہے ہر ہائینس جہاں مردوں کے تعصبات اور صدیوں کے مسلسل جابرانہ رویہ پر ہمیشہ افسوس فرماتی ہیں اور عورتوں کی ترقی میں ساعی ہیں وہاں ان کی غیر معتدل آزادی کی حامی نہیں بلکہ اتنی ہی سخت مخالف ہیں جس قدر ان کی غلامانہ اور جاہلانہ زندگی کی۔ وہ عورتوں کو صرف آزادی اور حقوق کے اس سطح پر لانا چاہتی ہیں جو مذہب اسلام نے ان کے لئے تجویز کیا ہے وہ ہندوستان اور یورپ دونوں کو افراط تفریط میں دیکھ کر ایک نئی شاہراہ اعتدال بنانا چاہتی ہیں۔ پردہ کی خود پابند اور کیسی پابند کہ حکمرانی کی

---

[1] اس نمائش میں (۷) طلائی (۲۱) نقرئی (۳۴) برونز کے تمغے اور (۱۸۲) سارٹیفکٹ عطا کئے گئے ۱۲

شدید ترین اور گوناگوں ضرورتوں سے بھی اس میں فرق نہیں آسکتا۔ اور حجاز و یورپ کے سفر میں بھی اپنی اس نمایاں خصوصیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ مگر اسی کے ساتھ قرآن و حدیث کی پاسداری میں پردے کی اُن غیر معتدل سختیوں کی بھی حامی نہیں جن میں صنف نسوان مبتلا ہے۔ ہر ہائینس کی رائے جو پردہ کے متعلق ہے وہ اُن کی متعدد تقریروں میں ظاہر ہو چکی ہے۔
ہر ہائینس کو یقین اور تجربہ دونوں ہے کہ عورتوں کا ہمیشہ ایک تنگ مکان کے قفس میں بند رہنا اور خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا میں سے صرف ایک صحن مکان اور چار کوٹھریوں پر قانع ہو جانا عورتوں کی صحت جسمانی، شگفتگی دماغ اور تربیت عقلی و اخلاقی کے لئے سخت مضر ہے۔ اس لئے وہ پردہ دار باغات میں اپنے ممبران خاندان کے ساتھ جانا اور زنانہ سوسائٹیاں قائم کرنا عورتوں کے لئے بہت ضروری سمجھتی ہیں۔

خود پرنسس آف ویلز کلب کو اسی خیال کا ایک عملی نمونہ بنا کر قائم کیا اور عام طور پر حکم دیدیا کہ جب کوئی شخص اطلاع دے تو فوراً باغات میں عورتوں کے لئے پردہ کا انتظام کر دیا جائے۔

تعلیم نسوان کی ترقی و اشاعت میں ہر ہائینس کی کوششیں کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں لیکن اسی کے ساتھ مسئلہ حقوق نسوان کی نزاکت اور باریکیوں پر بھی نظر ہے۔ انھوں نے بارہا صاف صاف فرمایا ہے کہ مرد اور عورتوں کے حقوق و فرائض کی سطح کو ایک کر دینا مقصود نہیں ہے اور ان دونوں جنسوں میں ایک حدِ فاصل قائم رکھنا چاہئے جس کو بلحاظ قدرتی فرائض کے خود خدا تعالیٰ نے قائم کر دیا ہے۔ اس نکتہ کو شاید اُن سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا کہ عورتوں کا اصلی فرض زندگی خانہ داری کو انجام دینا ہے اولاد کی تربیت و تعلیم ان کے فرائض کے اہم الامور ہیں پس وہ اگر عورتوں کو ان کی جاہلانہ زندگی سے نکال کر تعلیم و تہذیب کی سطح پر لانا چاہتی ہیں تو اسکا مقصد یہ ہے کہ بذریعہ تعلیم و تربیت کے عورت کو اس کے فرائض منزلی کے لئے زیادہ مستعد اور تیار بنایا جائے اور قدرت کا اس کی تخلیق سے جو مقصود حقیقی ہے وہ حاصل ہو۔

ہر ہائینس نے اس مسئلہ کو بکرات و مرات اپنی تقاریر میں صاف فرما دیا ہے اور ترغیب

تعلیم کے ساتھ ہی اس مقصد کو بھی واضح طور سے سمجھایا ہے۔

یورپ سے مراجعت کے بعد ۱۹۱۲ء میں حالات سفر پر لیڈیز کلب میں جو تقریر فرمائی تھی اس میں یورپین خواتین کی تعلیم وغیرہ کے حالات اور ان کے دیگر اوصاف کے تذکرہ کے بعد فرمایا کہ:-

"لیکن میں اس تعلیم کے ساتھ اُس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ہمارے یہاں کی پردہ نشین ناخواندہ بلکہ خواندہ عورتوں کو کبھی اس کا خیال نہیں آ سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ آزادی جو سرزمین یورپ میں ہے وہاں کے مناسب ہو یا یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین وہدایت کے مطابق ہو۔ مگر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں نہ موزوں ہوگی اور نہ خدا تعالیٰ کے احکام کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں۔

پس ہمکو اس مقولہ پر عمل کرنا چاہئے "خذ ما صفا و دع ما کدر" اچھی چیزوں کو لے لو اور بُری چیزوں کو چھوڑ دو۔ مسلمان عورتوں کو کبھی اس آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہئے جو مذہب اسلام نے ان کو عطا کی ہے اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

ہماری قومی تاریخ ہم کو جتا رہی ہے کہ مسلمان عورتوں نے اسلام اور شعائر اسلام کی پابند رہ کر دنیا میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں کئے ہیں کیسے کیسے علوم وفنون میں دستگاہ حاصل کی اُن کی تربیت وتعلیم نے کیسے کیسے اولوالعزم اور مشہور اشخاص پیدا کئے۔ دور کیوں جاؤ خود بھوپال میں اسی نتیجہ تعلیم پر نظر ڈالو اور گذشتہ دونوں فرماں روا بیگمات کے حالات دیکھو جو تعلیم کے اعلیٰ نتائج ہیں۔

غرض تعلیم حاصل کرو اور پابند طریق اسلام رہو تاکہ تمہاری قومی ترقی ہو اور تم کو ہر قسم کی کامیابیاں حاصل ہوں۔"

ہر ہائینس نے عورتوں اور مردوں کی مساوات کے متعلق غور وخوض فرمانے کے بعد لیڈیز کلب

میں خواتین کے سپاسنامہ کے جواب میں جو تقریر ارشاد فرمائی تھی اس میں اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے

"خواتین! میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک بڑی غلطی ہوگی کہ عورتیں تمام ملکی و تمدنی امور میں مردوں کی مساوات کا دعویٰ کریں ان کو اس دائرہ سے باہر نہیں جانا چاہئیے جو دست قدرت نے ان کے چاروں طرف کھینچ دیا ہے نہ اس معاملہ میں ان منطقی دلیلوں کی پیروی کرنی چاہئیے جو اس مساوات کے متعلق کی جاتی ہیں۔ مستثنیٰ اور خاص مثالیں سب پر حاوی نہیں ہوتیں۔ ہر عورت چاند سلطانہ، رضیہ بیگم اور نواب سکندر بیگم نہیں ہو سکتی صدہا سال میں تاریخ کوئی ایسی مثال پیدا کرتی ہے جو خداوند کریم کی قدرت کا محض ایک ثبوت ہوتی ہے۔ ایسی مساوات کے خیال سے گھر کی خوشیاں برباد ہو جاتی ہیں اور خانہ داری کا لطف جاتا رہتا ہے۔ ہاں جو حقوق خدا نے ایک دوسرے کے مقرر کر دیے ہیں ان کو مانگنا اور لینا چاہئیے۔"

ہر ہائینس جس طرح کہ عورتوں کو مروجہ تعلیم کے زیور سے آراستہ دیکھنا چاہتی ہیں اسی طرح یہ اُن کی عین آرزو ہے کہ مسلمان عورتوں میں اسلامی شان اور اسلامی عصبیت ہو وہ دیندار ہوں اور احکامِ مذہب کی تابع ہوں اور اسی لئے ہر موقع پر مذہبی تعلیم پر زور دیا ہے۔ جنوری ۱۹۱۶ء میں ہر ہائینس نے لیڈیز کلب میں نماز پر ایک تقریر فرمائی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضور ممدوحہ نے دو چار مرتبہ اس امر کو ملاحظہ کیا کہ اذان مغرب کے وقت بہت سی بی بیوں نے نماز کا خیال تک نہیں کیا اس لئے ایک دن محض اپنی تقریر کا موضوع نماز ہی کو رکھا ہر ہائینس نے بطور تمہید کے فرمایا کہ:-

خواتین!

اس زمانہ میں احکام مذہب اور شعائرِ اسلام سے جو غفلت عام طور پر برتی جاتی ہے میں نے اس کو اکثر عام مجمعوں اور گھروں میں دیکھا اور محسوس کیا ہے اور میں نہیں کہہ سکتی کہ اس بات سے مجھے کیسا صدمہ ہوتا ہے اور کس قدر مایوس ہو جاتی ہوں۔ خصوصاً جب عورتوں میں یہ حالت پاتی ہوں تو میرے صدمے اور مایوسی کی حد نہیں رہتی میں نے کئی مرتبہ

اور خاصکر پچھلے دو تین دن میں خود اس مکان کے اندر اوقاتِ نماز میں نماز سے جو تساہل
اور بے پروائی دیکھی اس نے مجھے مجبور کردیا کہ میں آج اسی جگہ اپنے اس ملال و افسوس
کو ظاہر کروں اور تم سب کو کچھ نصیحت کروں اور دعا کروں کہ خدا ہم مسلمانوں کو
اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے میں عورتوں کی اس بے پروائی کی ذمہ دار اگرچہ
مردوں ہی کو سمجھتی ہوں۔ لیکن عورتیں اگر خود اس کا التزام رکھیں تو غالباً مردوں کو
پابند بنا سکیں اور دونوں کی کوشش اگر جاری رہے تو اولاد پر بھی اس کے نیک اثرات
ہوں۔ افسوس ہے کہ ہماری لاپروائی کے اثرات ہماری آئندہ نسلوں کو بھی فرائض
مذہبی سے لاپروا کر رہے ہیں۔

حال ہی میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کے موقع پر جبکہ ایک رزولیوشن کے سلسلہ میں پردہ
اور سختی پردہ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنگیا تھا اور اس پر بڑی گرم گرم بحثیں ہوئی تھیں تو ہر ہائینس
نے جو تقریر بطور فیصلہ ارشاد فرمائی تھی وہ پورا مرقع ہر ہائینس کے خیالات پردہ کا ہے۔ ہر ہائینس نے
فرمایا کہ:-

خواتین! مسلمانوں میں پردہ مذہبی حکم اور مذہبی شعار ہے اور خواہ کسی خیال کا مسلمان
کیوں نہ ہو مسلمان رہ کر اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جن الفاظ
میں وہ حکم ہے اس کے معنوں پر بحث کر کے سختی یا نرمی کی جائے مگر یہ کام بھی علمائے امت
کا ہے عام آدمیوں کا نہیں ہے۔

میں بذاتِ خود اپنی موجودہ حالت میں پردہ کی حامی ہوں اور حکم پردہ کو از روئے
مذہب مسلمانوں کی معاشرتی حالت کی عمدگی کے لئے ضروری سمجھتی ہوں اور باوجودیکہ
میری عمر پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہو چکی ہے لیکن پردہ کا احترام قائم رکھنے لئے پردہ کرتی ہوں
میں نے اس مسئلہ پر غور کر کے ایک کتاب بھی لکھی ہے جو خدا نے چاہا تو عنقریب شائع ہوگی
میں نے طرح طرح سے سُنا ہے کہ پردہ کے باعث تعلیم میں ہرج ہوتا ہے اور پردہ ہی تعلیم

نسوان کی ترقی کا مانع اور حارج ہے۔ میں نے اس اعتراض پر خالی الذہن ہوکر غور بھی کیا ہے لیکن اس کو غلط پایا اور میرے نزدیک یہ اعتراض بالکل بے جان ثابت ہوا ہے البتہ میں یہ ضرور رکھوں گی کہ جن خاندانوں میں پردہ کو اس قدر شدید کر دیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو مدرسہ میں نہیں بھیجا جاتا یا وہ بڑی لڑکیاں جو تعلیم پاتی ہوتی ہیں باوجود انتظام پردہ کے ان کو مدرسہ سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔ یہ ایک زیادتی ہے اور محض فرضی بے پردگی ہے۔ ابھی تک اکثر زنانہ جلسوں تک کی شرکت بے پردگی خیال کی جاتی ہے۔ گذشتہ صدی کے ایک بڑے ہمدرد ریفارمر اور مصلح نے تو یہاں تک جائز نہیں کہا کہ اُن کی بہو جوان ور کلکٹروں کی بیویوں سے بھی ملیں۔ ایسی شدت کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک ماہ کے فرض روزوں کی جگہ سال بھر برابر روزے رکھے۔ روزہ بے شک فرض اور اچھی چیز ہے لیکن جب سال بھر تک پیہم رکھا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ قوت سلب ہو جائیگی۔ جسم کمزور پڑ جائیگا اور جان پر بن جائیگی۔

پھر وہی لڑکیاں اور بی بیاں پردہ کے ساتھ تقریبات میں دوسرے گھروں میں جاتی ہیں۔ ریلوں اور سواریوں میں سفر کرتی ہیں مگر اس جانے آنے اور سفر کے لئے پردہ مانع نہیں ہوتا پس ایسے ہی پردہ کے ساتھ مدارس میں بھیجنا چاہئے اور اس میں پردہ کے حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

تعلیم جو ایک فرض اور سنّت نبوی ہے اس کے حاصل کرنے میں اگر پردہ کی اتنی شدت کی جائے جو حکم سے بہت زیادہ ہو اور اس طرح ایک دوسرا فرض ساقط ہوتا ہو تو میں بلا خوف کہتی ہوں کہ وہ ایک زیادتی ہے۔ میں تو اس زیادتی سے بھی اختلاف نہیں کروں گی اور اس کو بھی جائز رکھوں گی اگر وہ مانع تعلیم نہ ہو اور اس سے اسلام کا ایک بہترین حکم بُری صورت میں نمایاں نہ ہو۔

کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اسلام تعلیم کا حکم دے، علم حاصل کرنے کی تاکید کرے حصول علم

کو درجات کا باعث قرار دے جیسا کہ ارشاد ہے یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (یعنی اللہ ان لوگوں کو بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھوں نے علم میں درجے حاصل کئے) اور دوسری طرف اس کے ذرائع کو مسدود کرے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا ہم پردہ میں جو حدود شرعی کے اندر ہو رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم حجاب کے اندر مہد سے لے کر لحد تک طلبِ علم کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ امر ناممکن نہیں ہے۔ ہمارے یہاں لاکھوں روایتیں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کی ہیں۔

میں دریافت کرتی ہوں کہ یہ مسلّم نہیں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ مردوں کو حدیث و مسائل کی تعلیم دیتی تھیں اور اُنھوں نے جنگ کی شرکت کے علاوہ بارہا مردوں کے مجمعوں میں تقریریں کیں اور پردہ قائم رکھکر۔

آپ کی جگر گوشہ اور ہم مسلمان عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ نے انصار و مہاجرین کے سامنے جو ماتم بپا کر دینے والی تقریر کی تھی وہ پورے حجاب اور پردہ کے ساتھ نہیں تھی۔؟

حضرت حفصہؓ نے اپنے باپ حضرت عمرؓ اور حضرت نائلہؓ نے اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر جو تقریریں کی تھیں کیا وہ بے پردگی کے عالم میں تھیں؟

حضرت امّ کلثومؓ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی نے کربلا سے واپسی پر اہل کوفہ سے جو خطاب کیا تھا وہ بے حجابانہ تھا؟ کیا بہ کثرت جن خواتین نے خلفا اور بادشاہوں کے جلال و جبروت سے بے خوف ہو کر درباروں میں آزادانہ گفتگوئیں کیں وہ بے پردہ ہو کر گئی تھیں؟ اُسی مبارک زمانہ اور اس کے قرب میں بعض خواتین ایسی زبردست مقرّر اور لکچرار ہوتی تھیں کہ پبلک کی طرف سے اُن کو خاص خاص خطابات دیے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک خاتون اسماء نامی کو جو انصار کے قبیلہ سے تھیں خطیبۃ الانصارؓ کا خطاب ملا تھا۔ کیا یہ سب حکم پردہ کے تابع نہیں تھیں؟ کیا وہ مسلمان عورتیں جو اس زمانے میں ہیں ان بزرگ و مقدس خواتین سے زیادہ احکامِ شرعی

کی پابندی کا دعویٰ کرسکتی ہیں یا اس زمانہ کے مسلمانوں کی غیرت اُس زمانے سے زیادہ ہے پردہ بے شک مسلمانوں کے لئے بہت سی مصیبتوں سے بچنے کا ذریعہ ہے لیکن اس کو بجائے خود ایک مصیبت عظیم نہیں بنایا جا سکتا۔ اصل یہ ہے کہ ہمارے رسم و رواج یا کسی ضرورت نے خواہ وہ اصلی ہو یا فرضی گرہ پر گرہ لگا دی۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہتی ہوں کہ وہ دن بلاشبہ بدقسمتی کا ہوگا جبکہ اس کو ایک قید یا ظالمانہ حکم سمجھا جائے گا لیکن اس کو اُن حدود سے گذارنا جو خدا نے قائم کی ہیں یہ بھی ایک ظلم ہے۔"

تصنیف و خطابت

ذیل کا مضمون ہمارے دوست مولوی محمد مہدی صاحب نے لکھا ہے جن کو علیا حضرت کے دفتر تصنیف و تالیف کے نائب مہتمم ہونے کی حیثیت سے ان صفات و حالات کا ذاتی تجربہ ہے۔"

مسند شاہی اور شغل تصنیف اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بہت کم حکمراں ایسے نظر آئیں گے جن کے نام کے ساتھ "مُصنف" کا پُرفخر لقب شامل ہو کیونکہ "مُسند شاہی" "شغل تصنیف و تالیف" کے لئے وضع نہیں ہوئی اور جو دماغ سیاست کی گتھیاں سلجھانے اور حکمرانی کے پیچیدہ مسائل حل کرنے میں مصروف رہتا ہو اس کے لئے علمی کام اُسی قدر صعب و مشکل ہے جس قدر تلوار کے لئے قلم کا کام۔ دونوں اقلیموں (علمی و سیاسی) کی فرماں روائی وہی دماغ کرسکتا ہے جس میں قدرت نے غیر معمولی قوت ودیعت فرمائی ہو۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تصنیف و تالیف سے یہی مراد نہیں ہے کہ ہر قسم کی رطب و یابس جمع کرکے ایک کتاب مرتب کردی جائے۔ یہ ایسا آسان کام ہے جو ایک معمولی استعداد کا آدمی بھی انجام دے سکتا ہے بلکہ تصنیف و تالیف کا اطلاق اُسی پر صادق آتا ہے جس میں مصنف کا دماغ صرف ہوا ہو۔ کُل مضامین تحقیق و تنقید کے بعد حُسن و قابلیت سے ترتیب دیے گئے ہوں اور کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتی ہو۔ علیا حضرت کو زمرۂ مصنفین میں

جو ممتاز جگہ دی گئی ہے وہ ان ہی خصوصیات کی بنا پر ہے اور یہی امر قابل حیرت ہے کہ ملکداری کے اہم ترین فرائض میں کامل مصروفیتوں کے باوجود بھی علیا حضرت نے فرائض تصنیف و تالیف میں بھی اسی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا جس قابلیت نے حکمرانی کی صنف میں اُنکو خلعتِ امتیاز بخشا ہے۔ اس اعتبار سے کوئی حکمران مصنف علیا حضرت کے مقابلہ میں نہیں لایا جا سکتا اور بہ لحاظ کثرتِ تصانیف کسی حکمران مصنف کا نام تاریخ کی ضخیم جلدیں نہیں پیش کر سکتا۔

فرماں روا مصنف خواتین | اگر صنف اُناث پر نظر کی جائے تو کسی ملک اور قوم کی تاریخ فرمانروا خواتین میں صاحب تصنیف خاتون کا نام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ فخر بھوپال ہی کی تاریخ کو حاصل ہے جس میں مسلسل دو بیگمات صاحبِ تصنیف ہوئی ہیں۔

پہلی سرکار خلد مکان نواب شاہ جہاں بیگم بالقابہا اور دوسری ان کی لائق و مفتخر جانشین علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ (طال حیاتہا) لیکن ان دونوں فخر نسوان بیگمات میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ سرکار خلد مکان کا تصنیف و تالیف مستقل مشغلہ نہ تھا لیکن علیا حضرت کی علمی و سیاسی زندگی مساوی حیثیت رکھتی ہے اور تصنیف و تالیف علیا حضرت کے مشاغل کا ایک لازمی جزو ہے۔ یہ رسم بھی علیا حضرت ہی کی ایجاد ہے کہ ہر سالگرہ یوم ولادت اور یوم صدر نشینی کے موقع پر حکام و اراکین ریاست کو ایک علمی تحفہ تقسیم فرمایا جاتا ہے جس میں عموماً خود علیا حضرت ہی کی ایک دو تصانیف ہوتی ہیں اس طرح ہر سال اردو لٹریچر میں ایک مفید و قابل قدر اضافہ ہو جاتا ہے۔

خواتین ہند میں ممتاز مصنف خاتون | علیا حضرت کی سب سے پہلی تصنیف روضۃ الریاحین (سفرنامہ حجاز) ہے جو حج سے واپسی کے بعد مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اس کے بعد جب سے آج تک گیارہ برس کے قلیل عرصہ میں ۱۸ کتابیں جن میں ہر کتاب اپنے موضوع میں بہترین تصنیف ہے حلیۂ طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں جن کے مجموعی صفحات قریباً پانچ ہزار ہوتے ہیں۔

ہندوستانی خواتین میں بعض بہت اچھی لکھنے والی ہیں اور انھوں نے اپنے مضامین اور تصنیف و تالیف سے ملکی بہنوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے لیکن جس خاتون نے سب سے زیادہ اور خواتین کے

لئے مفید و کار آمد لٹریچر کا اردو میں اضافہ کیا وہ علیا حضرت ہی کی ذات بابرکات ہے۔

طریقۂ تصنیف و تالیف

اس میں شک نہیں کہ ایک ایسی حکمران خاتون کے لئے جو فرائض حکمرانی کو کامل مصروفیت و توجہ کے ساتھ انجام دے تصنیف و تالیف کا کام نہایت مشکل اور بظاہر غیر ممکن ہے لیکن اُس خاتون کے لئے کوئی مشکل نہیں جس کو مبدء فیاض سے غیر معمولی دل و دماغ عطا ہوا ہو۔ علیا حضرت قدرتِ خداوندی کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہیں۔ حضور ممدوحہ جس طرح سیاست و حکمرانی کی اعلیٰ قابلیت لیکر پیدا ہوئی ہیں اُسی طرح قدرت نے تصنیف و تالیف کا امتیازی وصف بھی عطا فرمایا ہے۔ جس میں کسی کام کا جوہر طبعی ہوتا ہے وہ ظاہر و نمایاں ہوئے بغیر نہیں رہتا اس لئے غیر ممکن تھا کہ علیا حضرت جو بیدار مغزی، علم و فضل اور بصیرت میں شان امتیاز رکھتی ہیں اس جوہر سے کام نہ لیتیں۔ تصنیف و تالیف میں امداد کے لئے ایک دفتر تاریخ قائم ہے۔ لیکن اُس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جو کسی مصنف کے معاون شاگردوں کی ہوتی ہے۔ موضوع خود علیا حضرت متعین فرماتی ہیں اور دفتر تاریخ کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ مواد جس کا حکم دیا جائے فراہم کرے۔ مثلاً اگر علیا حضرت نے بھوپال کے کسی گذشتہ رئیس کی سوانح تالیف فرمانی چاہی تو دفتر تاریخ کے ذمہ یہ کام ہوگا کہ وہ پُرانے کاغذات اور اسناد تلاش کر کے اور امسلہ سے واقعات کا اقتباس کر کے علیا حضرت کی روبکاری میں پیش کر دے۔ پھر علیا حضرت اس حصہ کو تحریر فرماتی ہیں جو اصل تالیف یا تصنیف ہوتا ہے اگر کسی کتاب میں انگریزی کتابوں سے اقتباس کی ضرورت ہوتی ہے تو خود علیا حضرت پوری کتاب یا اُس کے بعض مقامات متعین فرما دیتی ہیں اُن کا ترجمہ کر کے پیش کر دیا جاتا ہے بعض اوقات خود ہی پوری کتاب کا ترجمہ کر لیتی ہیں اور اپنے خیالات قلم بند فرما لیتی ہیں۔

کتاب کا ابتدائی مسودہ صاف ہو کر پھر علیا حضرت کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اسے پھر علیا حضرت ملاحظہ فرماتی ہیں اور اثنائے ملاحظہ میں جو نئے خیالات ذہن میں آتے ہیں یا کچھ اضافہ مقصود ہوتا ہے وہ مقابل کے کالم پر قلم بند فرما دیتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نظر ثانی میں کئی

کئی کالم بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ بیان ہے کہ علیا حضرت جو کچھ تحریر فرماتی ہیں وہ قلم برداشتہ ہوتا ہے اور بہت جلد مسودہ ترمیم فرما کر واپس فرما دیتی ہیں، دفتر تاریخ میں عموماً دو ہی تین روز کے بعد مسودہ ترمیم و اضافہ ہو کر واپس آجاتا ہے، یہ اصلاح شدہ مسودہ پھر دوسری مرتبہ صاف ہو کر روبکاری میں بھیجا جاتا ہے، علیا حضرت پھر نہایت غور سے ملاحظہ فرماتی ہیں، اور جو الفاظ یا جملے نامناسب یا سست نظر آتے ہیں اُن کی اصلاح و درستی فرماتی ہیں، حتیٰ کہ کتابت کی جزئی و معمولی غلطیاں بھی نظر سے نہیں بچ سکتیں۔ غرض یہ مسودہ آخری مرتبہ صاف ہو کر مطبع بھیجدیا جاتا ہے۔

بعض اوقات مسودہ مکمل ہوجانے کے بعد اس موضوع میں خاص قابلیت رکھنے والے اصحاب کے پاس بغرض تنقید بھیجدیا جاتا ہے اور پھر علیا حضرت اِن کی آزادانہ تنقید پر غور فرماتی ہیں، اگر اعتراض و تنقید قابلِ قبول ہے تو اس کے مطابق مسودہ کی اصلاح کردیتی ہیں ورنہ اپنی رائے پر قائم رہتی ہیں اور اُس کو بزور دلائل تسلیم کراتی ہیں۔ ایسے مباحثے نہایت پرلطف ہوتے ہیں ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ علیا حضرت کی تصانیف کا عام رؤسا و امرا کی تصنیفات سے کس قدر بلند درجہ ہے۔

درجۂ تصانیف | علیا حضرت کی کل تصانیف پر اگر تفصیلی ریویو کیا جائے تو یہ مضمون ایک اچھا خاصہ رسالہ ہوجائے گا۔ اِن کتابوں کی بلند پائگی کا کچھ اندازہ اُن تبصرات سے ہوسکتا ہے جو ملک کے مشہور فضلا، اور ناقدینِ فن مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولوی عبدالماجد صاحب بی اے مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقیِ اردو اور مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کے اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں اس لئے ہم صرف اجمالی تبصرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

یوں تو ہندوستان میں کتابیں لکھنے والے بہت ہیں لیکن اپنی کتاب نہایت سلیقہ مندی اور دقیقہ سنجی سے تمام شرائطِ تصنیف و تالیف کو ملحوظ رکھکر مرتب کرنے والے گنتی کے چند ہی مصنف ہیں ان ہی میں سے ایک علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بالالقابہا کا نام نامی بھی ہے

حضور ممدوحہ کی کل کتابیں تصنیف و تالیف کے مشکل فن میں کمال تجربہ کاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ خوبی و صفائی سے خیالات ادا کرنے کی قابلیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ علیا حضرت اس خصوصیت میں بھی ملک کے کسی مشہور مصنّف سے کم نہیں ہیں۔ علیا حضرت ہر مضمون اور ہر مطلب کو جیسے شستہ اور دل نشین پیرایہ میں ادا فرماتی ہیں اس کی نظیر ملک کی دیگر مصنف خواتین میں مشکل سے ملے گی۔ علیا حضرت کی ہر تصنیف حشو و زوائد سے پاک اور صرف مفید اور کام کی باتوں پر حاوی ہوتی ہے۔ علیا حضرت کو علاوہ مذہب کے حفظان صحت میں ماہر فن کا درجہ حاصل ہے اور اس موضوع پر علیا حضرت نے جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں وہ ملک میں بے حد مقبول ہو چکی ہیں۔ پنجاب، بنگال، پونہ اور حیدر آباد دکن کے سررشتہ تعلیم نے تندرستی اور بچوں کی پرورش وغیرہ کتب نصابی میں داخل کی ہیں۔

تعلیم پر علیا حضرت نے اپنے لکچروں میں جن بیش بہا اور قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ اس پیچیدہ اور نازک مسئلہ پر مکمل ہدایت نامہ ہیں۔

فن تربیت و تدبیر منزل وہ فن ہے جس پر علیا حضرت نے خاص طور پر توجہ فرمائی ہے اور اپنے سالہا سال کے تجربہ اور غور و فکر کے بعد ایک نہایت مبسوط کتاب چار حصّوں میں تصنیف کی ہے۔ ہدیۃ الزوجین اور حفظِ صحت اس کتاب کے دو ابتدائی اجزا ہیں اور دو آخری حصّے معیشت و معاشرت کے نام سے موسوم ہیں۔ اس موضوع پر اُردو میں اس قدر جامع کثیر المعلومات اور موجودہ ضروریات پر حاوی کوئی کتاب موجود نہیں ہے علیا حضرت کی تصانیف کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ خشک اور روکھے پھیکے مضامین اس قدر دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں جس سے زیادہ کسی قادر الکلام مصنف سے ممکن نہیں ہے۔

خلاصہ ما فی الباب یہ ہے کہ علیا حضرت کو تصنیف و تالیف میں جو مرتبہ حاصل ہے وہ ملک کے کسی مشہور مصنف سے کم نہیں ہے۔ اور صنف اناث میں کسی خاتون کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔

(محمد مہدی)

سرکار عالیہ کی تصانیف پر ایک اجمالی تبصرہ

ذیل کا مضمون ملک کے مشہور اہل قلم مولوی عبد السلام صاحب ندوی کا اثر خامہ ہے

جنہوں نے علیا حضرت کی تمام تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کیا ہے۔

سرکار عالیہ کو جن لوگوں نے ایوانِ حکومت میں بہ حیثیت ایک حکمراں کے دیکھا ہے اُن کے لئے تصنیف و تالیف کے کمرے میں بہ حیثیت ایک مصنف کے دیکھنا کس قدر دلچسپ ہوگا

محرک تصنیف | سرکار عالیہ کے جو مشاغل زندگی ہیں اُن کی تفصیل اس کتاب کے مختلف عنوانات میں نظر آسکتی ہے اُن کو پڑھ کر ہر شخص آسانی سے یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ سرکار عالیہ سے زیادہ مصروف کون ہوسکتا ہے لیکن ان مصروفیتوں نے اُن کی علمی زندگی میں کوئی خلل نہیں ڈالا حقیقت یہ ہے کہ تصنیف و تالیف اور سکون و اطمینان میں ابتدا ہی سے تضاد ہے اسلام میں جو اکابر گذرے ہیں ان کی زندگی تمامتر مصائب و آلام کا مجموعہ تھی۔ امام بخاری۔ امام رازی شیخ الاشراق اور ابن رشد کے سوانح کو پڑھو تو اُن کے گرد مصیبتوں کا ہجوم نظر آئے گا لیکن کیا اِن مصائب نے اُن کو تصنیف و تالیف سے روکا ؟

تصنیف و تالیف کا محرک ہمیشہ مذہبی، تمدنی، یا علمی خدمت کا شوق ہوتا ہے اور وہ ایک مصنف کو کسی حالت میں چین نہیں لینے دیتا اسی شوق نے ہمارے علما کو باوجود تمام پریشانیوں کے تصنیف و تالیف میں مصروف رکھا اور یہی شوق تھا جس کی تحریک سے سرکار عالیہ نے علمی خدمات کو اپنی زندگی کا ایک ضروری مقصد قرار دیا۔

مقصد تصنیف | ہندوستان میں جب سے تصنیف و تالیف کا مذاق پیدا ہوا ایسی بہت کم کتابیں لکھی گئیں جو عورتوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ مفید ہوں اور ان کو امور خانہ داری اور تربیت اولاد میں مدد دیں اور اُن میں وہ مذہبی روح پیدا کرسکیں جو ہمیشہ سے عورتوں کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں عورت کو مرد کے لئے "سکینہ" کہا گیا ہے اور عورت مرد کے لئے اُسی وقت موجب سکون و اطمینان ہوسکتی ہے جب ان فرائض

کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ ادا کرے اور ان کو اپنا مذہبی فرض سمجھے۔ سرکار عالیہ نے جہاں اپنی جنس کی بہبودی کے ہزاروں کام کئے وہاں اس کمی کو بھی محسوس فرمایا چنانچہ ہدیۃ الزوجین کے دیباچہ میں لکھتی ہیں :-

"جدید تعلیم و تمدّن کے ساتھ لازمی طور پر معاشرت اور خانہ داری میں بھی تغیرات پیدا ہونے تھے اور وہ ہوئے جو ہر طبقہ اور درجہ میں بدیہی طور پر نظر آتے ہیں لیکن ترقی پذیر اور تعلیم یافتہ ملکوں میں جہاں ہر چیز کو ایک فن بنا لیا گیا ہے وہاں خانہ داری اور معاشرت کے اصول و ضوابط بھی مقرر ہو کر ایک فن کے تحت میں داخل کر لئے گئے ہیں۔ میری نظر سے اس فن کے متعلق بہت سی انگریزی کتابیں گذری ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ انگلستان کے مصنفین اور فضلاء سائنس، فلسفہ، منطق اور ایجادات اور مثل ان کے دیگر علوم و فنون تک ہی اپنی توجہ مبذول نہیں رکھتے بلکہ معاشرت اور خانہ داری کے متعلق بھی کیسے کیسے نکتوں کو صفحات کاغذ پر لاتے ہیں جس کا نتیجہ ہم سب یہ دیکھتے ہیں کہ خانہ داری کی تمیز اور سلیقہ اس قوم میں کیسی ترقی پر ہے برخلاف اس کے اگرچہ انگریزی حکومت کی برکات نے ہماری قوم اور ہمارے ملک میں بھی بہت سے قابل دل و دماغ پیدا کر دیے ہیں جو اپنی قابلیتوں سے ملک و قوم کو مادّی نفع پہنچا سکتے ہیں لیکن کسی کو اس طرف توجہ نہیں ہوتی جس سے روز بروز اسلامی طریق معاشرت اور سلیقہ میں تنزل ہوتا جاتا ہے"

اور اس لئے اپنے اوپر تکلیف برداشت کر کے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ سبیل الجنان میں لکھتی ہیں :-

"خواتین اسلام کو زمانہ حال کی تعلیم اور بہترین تمدن و معاشرت سے بہرہ یاب دیکھنے کا یقیناً مجھ سے زیادہ کوئی شخص آرزومند نہ ہوگا اور اس مقصد کے لئے میں اپنی ہر امکانی کوشش خواہ اس میں مجھ کو تکلیف ہی برداشت کرنی پڑے عمل میں لاتی رہتی ہوں۔ لیکن اس مقصد سے ایک اور بھی اعلیٰ مقصد میرے پیش نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہبی روح

مذہبی پابندی اور مذہبی حمیت بھی بدرجہ اولےٰ ہو۔"

آج تمدن و معاشرت کی ترقی نے امور خانہ داری کے انتظامات، تیمارداری کے طریقوں اور تربیت اطفال کے قواعد کو بالکل ایک فلسفہ بنا دیا ہے اس لئے اگر ان مضامین پر اسی فلسفیانہ انداز میں کتابیں لکھی جائیں تو وہ عورتوں کی عملی زندگی کے لئے بہت کم مفید ہوتیں اور مذہبی روح جو ایک ایشیا کی عورت کو ان فرائض کے ادا کرنے پر آمادہ کرتی ہے وہ نہ پیدا ہوتی۔ اس لئے سرکار عالیہ نے ان تصانیف کو ایک طرف تو نہایت سلیس، عام فہم اور واضح عبارت میں لکھا کہ ہر عورت آسانی کے ساتھ اُن سے فائدہ اُٹھا سکے دوسری طرف اِن مقاصد کو عورت کے سامنے بالکل مذہبی حیثیت سے پیش کیا تاکہ وہ ان خدمات کو ثواب کی غرض سے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ادا کرے چنانچہ تربیت الاطفال کے دیباچہ میں تحریر فرماتی ہیں:-

"سب سے اول ہم کو خدائے برتر کی مدد کا طالب ہونا چاہئے اور خشوع و خضوع قلب کے ساتھ وہ دعائیں مانگنی چاہئیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ

دیکھو یہ کیسی مبارک اور جامع دعا ہے جو تمناؤں پر محیط ہے اور جس میں تربیت کا منشا اشارۃً ہے

اسی طرح رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ کا ورد رکھنا چاہئے۔"

غرض سرکار عالیہ نے حکمت عملی کی ایک مفید قسم تدبیر منزل کو اپنا مقصدِ تصنیف قرار دیا اور اُس کو عورتوں کے سامنے مذہبی حیثیت سے پیش کیا۔

موادِ تصنیف ہندوستان میں قدرتی طور پر اس وقت دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں، جن کو قدیم اور جدید تعلیم یافتہ گروہ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اوران کی تصنیفات میں اُن کی تعلیم کی یہ خصوصیت نہایت نمایاں طور پر نظر آتی ہے قدیم تعلیم یافتہ لوگ اپنی تصنیفات کا ماخذ عموماً عربی کتابوں کو قرار دیتے ہیں، اور جدید تعلیم یافتہ لوگ صرف یورپین تصنیفات سے فائدہ

اُٹھاتے ہیں، لیکن ہندوستان کا موجودہ علمی مذاق اِن دونوں سے پوری طرح مانوس نہیں ہوتا اگر کسی کتاب کا ماخذ صرف قدیم عربی کتابوں کو قرار دیا جائے تو جدید تعلیم بالکل قدامت پسندی کو پسند نہیں کرتی، صرف انگریزی کتابوں سے کام لیا جائے تو قدیم ایشیائی دماغ کی فطری خصوصیت کو صدمہ پہنچتا ہے، لیکن سرکار عالیہ نے اِن دونوں سمندروں کو ایک قطرہ پر ملا دیا ہے وہ ایک طرف تو قرآن حدیث اور اکابر علمائے اسلام کی تصنیفات کو اصل قرار دیتی ہیں، دوسری طرف جدید علوم وفنون کی کتابوں سے بھی کافی طور پر فائدہ اُٹھاتی ہیں، اس وجہ سے دونوں گروہ اُن کی تصنیفات سے دلچسپی رکھتے ہیں اور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں

تصنیف بطریق املا | قدیم زمانے میں تصنیف وتالیف کا ایک طریقہ یہ تھا کہ استاد خود کچھ نہیں لکھتا تھا بلکہ کسی خاص موضوع پر بولتا جاتا تھا۔ اور طلبا اس کو لکھتے جاتے تھے اس طور پر جو مجموعہ مرتب ہو جاتا تھا اس کو امالی کے نام سے موسوم کرتے تھے، قدیم علما کی تصانیف میں اس قسم کی متعدد کتابوں کے نام ملتے ہیں، لیکن یہ خصوصیت ایک مدت سے مفقود ہو گئی ہے اور اس طرح تصنیف وتالیف کا ایک مفید طریقہ مٹ گیا ہے، لیکن سرکار عالیہ کی بعض تصانیف میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سبیل الجنان میں اسی طریقہ پر عورتوں کے سامنے مختلف مسائل کی تشریح کی گئی ہے۔

ریاست کی ارتقا کی تاریخ | حکمران گروہ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی حکومت کی تاریخ اس مکمل طریقہ سے مرتب کرے کہ وہ اس کے جانشین کے لئے ایک عملی نمونہ ہو اور اگر کوئی شخص اُس حکومت کے تمام تاریخی دور کا موازنہ ومقابلہ کرنا چاہے تو نہایت مستند طریقہ سے کر سکے، اس لئے قدیم سلاطین نے تصنیفات کا ایک خاص سلسلہ قائم کیا تھا جسکو تزک کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ تزک تیموری، تزک بابری اور تزک جہانگیری اسی سلسلے کی بہترین کڑیاں ہیں، ریاست بھوپال ایک مدت سے قائم ہے اُس پر مختلف تاریخی دور گذر چکے ہیں، لیکن مدتوں کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی، حضور نواب شاہجہان بیگم نے اس

کی داغ بیل ڈالی اور سرکار عالیہ نے اس پر ایک عظیم الشان عمارت قائم کردی، چنانچہ بھوپال کی جدید تاریخ جس مکمل طریقہ سے سرکار عالیہ کے زمانہ میں مرتب ہوئی ہے، کسی زمانے میں مرتب نہیں ہوئی تھی ان تصانیف کو پڑھ کر ہر شخص ریاست کی ارتقائی تاریخ کا نہایت آسانی کے ساتھ مقابلہ کرسکتا ہے، حکومت کی تاریخ پر خود فرماں روائے ریاست کی ذات کا بہت کچھ اثر پڑتا ہے، اس لئے اُن کی سوانح عمریاں بھی درحقیقت تاریخ ریاست کا ایک جزو ہیں اس لحاظ سے سرکار عالیہ نے نواب قدسیہ بیگم کی سوانح عمری حیات قدسی کے نام سے اپنی والدہ کی سوانح عمری حیات شاہ جہانی کے نام سے، مرتب کی اور اپنے تزک میں نواب سکندر بیگم کا تذکرہ لکھا ہے[۱]

سرکار عالیہ کی ایک تصنیفی خصوصیت | اگرچہ امراء و سلاطین میں بھی متعدد لوگ مصنف گذرے ہیں لیکن ان کی زندگی کا یہ حقیقی مقصد نہ تھا اس لئے ان کا کوئی اثر اُن کے خاندان پر نہیں پڑتا تھا، لیکن سرکار عالیہ نے تصنیف و تالیف کا مشغلہ کسی ملکی یا سیاسی ضرورت سے اختیار نہیں کیا بلکہ ان کو خالص علمی شوق اور سوشل و معاشرتی اصلاح نے اس کی طرف متوجہ کیا۔ اس لئے جس طرح قدیم زمانے میں علماء کا اثر ان کے تلامذہ پر پڑتا تھا، اسی طرح سرکار عالیہ کا علمی اثر ان کے خاندان پر پڑا ہے چنانچہ صاحبزادوں میں علمی سرپرستی کا ذوق پیدا ہوگیا ہے اور جناب شاہ بانو بیگم صاحبہ نے جو ہمیشہ اُن کی زیر تربیت رہتی ہیں مختلف کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔

نوعیت تصنیف | سرکار عالیہ کو موجودہ مصنفین میں یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ اُن کی تصنیف و تالیف کا مقصد صرف علمی نہیں بلکہ زیادہ تر عملی ہے اس لئے اُن کی تصانیف کی مختلف نوعیت قائم ہوگئی ہے۔ عمل کا سب سے بڑا میدان مذہب ہے اور اس میں سرکار عالیہ کی دو

---

[۱] لیکن نواب سکندر بیگم کی زندگی چونکہ گوناگوں انقلابات کا مرقع اور عجیب و غریب قابلیتوں کا مظہر ہے اس لئے یہ تذکرہ کافی نہیں ہوسکتا تھا اب سرکار عالیہ کی امداد سے اُن کے فرزند نواب زادہ میجر جنرل حافظ عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی اُن کی مفصل سوانح عمری مرتب کررہے ہیں ۱۲

کتابیں ہیں۔ ہدیۃ الزوجین وسبیل الجنان۔ فن حفظان صحت بالکل علمی فن ہے اور اس میں سرکار عالیہ کی چار کتابیں ہیں۔ تندرستی، بچوں کی پرورش، حفظ صحت اور ہدایات تیمار داری، فن تدبیر منزل جو حکمت عملی کے اقسام میں داخل ہے اس میں سرکار عالیہ نے دو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں معیشت و معاشرت، تعلیم و تربیت پر تربیت الاطفال اور متعدد خطبات ہیں جو شائع کر دیے گئے ہیں۔

باقی کتابیں تاریخ میں ہیں اور اُن کے نام یہ ہیں روضۃ الریاحین، تزک سلطانی، گوہر اقبال حیات شاہ جہانی، اختر اقبال، تذکرۂ باقی اور حیاتِ قدسی۔

پردہ پر ایک تصنیف سرکار عالیہ اگرچہ تعلیمی، معاشرتی، تمدنی غرض ہر حیثیت سے عورتوں کی اصلاح و ترقی کے لئے مفید تدبیریں عمل میں لاتی رہتی ہیں، تاہم اُن کو عورتوں کی اخلاقی اور مذہبی اصلاح کا سب سے زیادہ خیال رہتا ہے، اس بنا پر وہ ہمیشہ اُن اسباب کا استیصال کرنا چاہتی ہیں، جن سے عورتوں کے کیرکٹر کو کسی قسم کا صدمہ پہنچ سکتا ہے۔

موجودہ تمدنی خرابیوں میں جو چیز عورتوں کی اخلاقی روح کو سب سے زیادہ مردہ کر سکتی ہے، وہ بے پردگی ہے، تمام دنیا کے مصلحین نے اس کو سب سے بڑا تمدنی مرض خیال کیا ہے، اور اس کے اصلاح کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے، لیکن ان کوششوں کی لائنیں مختلف ہیں کسی نے تمدنی حیثیت سے اس کو مضر قرار دیا ہے، کسی نے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس کی برائیوں کا اظہار کیا ہے، کسی نے طبی حیثیت سے اس کے نقصانات بتائے ہیں، کسی نے معاشرتی حیثیت سے اس کو برا کہا ہے،

مصر و شام، بلکہ یورپ میں بھی اس موضوع پر بہ کثرت کتابیں لکھی گئی ہیں، اور ہر مصنف نے اپنے مذاق کے مطابق اپنی روش الگ اختیار کی ہے، لیکن اب تک کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی تھی، جو عام فہم، سادہ، اور سلیس ہونے کے ساتھ ان تمام حیثیات کی جامع ہو، یعنی اُس میں تمدنی، مذہبی، اخلاقی، طبی، معاشرتی، غرض ہر پہلو سے بے پردگی کے نقصانات

دکھائے جائیں، اور اُس کے ساتھ احادیث، قرآن، فقہ، اور علمائے اسلام کے فتاوے اور مضامین سے پردہ کی فضیلت ثابت کی جائے، سرکار عالیہ نے اس کمی کو محسوس کیا اور اس کی تلافی کے لئے پردہ کے موضوع پر ایک کتاب تدوین و تالیف فرمائی، اس کتاب میں سب سے پہلے پردہ کی تاریخ غایت تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، اور خواتین اسلام میں پردے کا جو التزام تھا اُس کے متعلق غایت اور مؤثر واقعات جمع کئے ہیں، اس کے بعد حدیث و قرآن سے پردے کی فضیلت اور اس کا وجوب ثابت کیا ہے، پھر بے پردگی کے تمام نقصانات دکھائے ہیں اور بے پردگی کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے جاتے تھے، اُن کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

حصۂ مذہب میں علمائے سلف و حال کے مضامین و فتاوے کو بطور تتمہ منضم کر دیا ہے جس سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ جدید و قدیم دونوں نے پردہ کی پابندی پر اتفاق کیا ہے۔ غرض اس کتاب میں اُن تمام حیثیتوں کو جن سے پردہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے پوری قابلیت کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

(ہمارے دوست مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کی نظر سے علیا حضرت کی جدید تالیف باغ عجیب جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے نہیں گذری اس لئے وہ اس کے متعلق اپنی قیمتی رائے کا اظہار نہ کر سکے ہم نے مناسب سمجھا کہ مولوی صاحب موصوف کے تبصرہ کے سلسلہ میں اس کتاب کا تذکرہ بھی اضافہ کر دیں۔ علیا حضرت جبکہ صنف اناث کے لئے بہترین معلومات کا کافی سرمایہ مہیا فرما چکی ہیں تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ بچے حضور ممدوحہ کی شفقت سے محروم رہ جاتے چنانچہ حضور ممدوحہ نے بچوں کے لئے بھی اخلاقی اسباق کا ایک مفید سلسلہ قائم فرمایا ہے اسی سلسلے کی پہلی کتاب "باغ عجیب" ہے۔ اگرچہ علیا حضرت کی ادبی قابلیت اور کمال نشاپردازی حضور ممدوحہ کی تصانیف کے ہر صفحہ سے عیاں ہے لیکن ابتک حضور ممدوحہ نے خالص ادب کیطرف کبھی توجہ نہیں فرمائی تھی "باغ عجیب" سب سے پہلی کتاب ہے جو خالص ادبی کہلائی جا سکتی

ہے گوکہ اس کا موضوع بھی اخلاق ہے۔ اس کتاب میں ایک دلچسپ قصّے کے پیرایہ میں بچّوں کو معائب و محاسن اخلاق سمجھائے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت نہایت دلنشین اور طرز بیان بالکل سہل و سادہ ہے اور بچّوں کے لئے اس "باغ عجیب" میں وہ تمام دلچسپیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ خوشی اور دلی شوق کے ساتھ مطالعہ کر سکتے ہیں علیا حضرت نے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ اس سلسلے کی اور کتابیں بھی مرتب فرما رہی ہیں۔ جب یہ سلسلہ مکمّل ہو جائے گا تو بچّوں کے لئے اخلاقی تعلیم کا بہترین نصاب ہوگا)

یہاں تک سرکار عالیہ کی تصنیفات پر ایک اجمالی تبصرہ تھا، لیکن ان تصانیف نے سرکار عالیہ کی ذات کو اس قدر وقیع کر دیا ہے کہ تنہا ان کی ذات کو ہندوستان کی تمام تعلیم یافتہ عورتوں کے مقابل میں ترجیح پیش کیا جا سکتا ہے، ہندوستان میں تعلیم نسوان کی تحریک ایک مدّت سے جاری ہے، متعدد زنانہ اسکول قائم ہو چکے ہیں، بہت سی خواتین نے یونیورسٹی کی ڈگریاں بھی حاصل کرلی ہیں، بہت سی بی بیاں یورپ بھی ہو آئی ہیں، لیکن تعلیم و تربیت کے جو نتائج ہیں وہ ابتک ظاہر نہیں ہوئے۔ ہندوستانی عورت یورپ کی عورتوں سے بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہے اُس کی ضروریات زندگی کا تمام تر بار اُس کے شوہر یا اُس کے خاندان پر ہے اس بنا پر اس کی تعلیم کا مقصد خالص علمی ہونا چاہیئے تھا، لیکن اب تک کسی مسلمان خاتون نے علمی حیثیت سے اپنے جنس کی بہبودی کے لئے سرکار عالیہ کے عشر عشیر بھی کام نہیں کیا یا یوں کہنا چاہیئے، کہ موجودہ تعلیم نے اُن کو اس قابل ہی نہیں بنایا۔ (عبدالسلام ندوی)

قوّتِ تقریر اور حسن بیان

قوتِ گویائی بھی آپ کے مجموعہ کمال کی ایک مخصوص صفت ہے تقریر کرتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و روانی اور سلاست و شیوا بیانی آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہے اور اس سے جس طرح چاہتی ہیں کام لیتی ہیں۔

آپ کو تقریر و تحریر میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے موزوں و مناسب استدلال و استشہاد کرنے کا ایک خاص ملکہ حاصل ہے جس سے زور دلائل اور اثر بیان دونا ہو جاتا ہے آپ تقریر کرنے سے پہلے اپنے خیالات قلم بند فرما لیتی ہیں جیسا کہ اکثر مہذب ممالک کے مقررین کا عام قاعدہ ہے کہ تحریری تقریر سامعہ نواز بزم و انجمن ہوتی ہے لیکن اگر ایسا اتفاق بھی ہو کہ بغیر کسی ما قبل اطلاع کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے کا موقع آجائے تو فی البدیہہ زبانی تقریر کرنے میں بھی ہر ہائینس مجبور نہیں بلکہ اُس میں تحریری تقریر سے زیادہ زور اور جوش پیدا ہوتا ہے۔

علیا حضرت کی خطابت میں جو سب سے زیادہ ما بہ الامتیاز وصف ہے وہ یہ ہے کہ مختلف النوع مسائل پر اظہار خیالات کا طرز جملوں کی ترتیب الفاظ کی نشست بلاغت و فصاحت سب ان ہی مسائل کی شان کے مطابق ہوتی ہے پھر اس خطابت میں مردانہ اور زنانہ موقعوں کا امتیاز بھی صاف نظر آتا ہے۔ مردانہ جلسوں میں چہرہ مبارک مستور نقاب رہتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تقریر کے اثر میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا حالانکہ خطابت و تقریر میں مقرر و خطیب کے چہرہ کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ گفتگو میں نہایت نرمی اور رداہنت ہوتی ہے مگر نہ ایسی کہ رعب و عظمت کے اثر سے خالی ہو۔ رعب و عظمت اور رحم و عطوفت بظاہر متضاد چیزیں ہیں مگر ہر ہائینس کا طرز تکلم ان دونوں چیزوں کے امتزاج کی ایسی صحیح اعتدالی کیفیت ہے کہ اس کی خصوصیت کسی طرح لفظوں میں نہیں بیان کی جا سکتی۔

تقریر کی جان فصاحت و بلاغت اور دقیقہ سنجی ہے علیا حضرت کی تقریر ان سچے موتیوں کی ایک مسلسل لڑی ہوتی ہے علامہ شبلی مرحوم سے زیادہ کون باریک بین اور دقیقہ رس ہوگا اُنھوں نے علیا حضرت کی گفتگو سن کر جو رائے قائم کی ہے وہ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ مرحوم ایک مضمون[1] میں

---

[1] اس مضمون کا بقیہ حصہ بھی نہایت دلچسپ ہے جو ذیل میں درج ہے۔

وہ لطف و عنایت سے تواضع کے لہجہ میں مجھ سے دریافت فرماتی تھیں کہ آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں" اور میں ہمہ تن استعجاب تھا کہ کیا مجھ جیسے ہیچ میرز کو ایک حکمراں ذوی الاقتدار اس طرح مخاطب بنا سکتا ہے؟

میں لکھتے ہیں کہ:-

"مجھکو حکمرانانِ اسلام سے متعدد رؤسا اور والیانِ ملک کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔ اِن سے گفتگو اور ہم کلامی کی بھی نوبت آئی ہے لیکن میں بغیر کسی قسم کی روا داری اور تملق کے اس کہنے پر مجبور ہوں کہ میں نے اس وقت تک کسی رئیس یا والی ملک کو اس قدر وسیع المعلومات، خوش تقریر، فصیح اللسان، نکتہ سنج اور دقیقہ رس نہیں دیکھا وہ تقریر فرما رہی تھیں اور میں محو حیرت تھا کہ کیا دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے علاوہ اور کسی ملک کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اردو کے بولنے پر قادر ہو سکتا ہے؟

وہ مختلف علمی اور انتظامی امور پر گفتگو کرتی تھیں اور میں سوچتا تھا کہ مخدرات اور حجلہ نشین بھی اس قدر معلومات حاصل کر سکتی ہیں"؟

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۱۳) سب سے پہلے جناب ممدوحہ نے (میزبانہ اخلاق کے بعد) مجھ سے سوال کیا کہ تم نے یہاں کے مدارس دیکھے، چونکہ دیوالی کی تعطیل کی وجہ سے مدارس بند تھے میں نے عرض کیا کہ "نہیں" اس پر افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ کاش آپ ایسے زمانہ میں آتے کہ مدارس کو دیکھکر رپورٹ کر سکتے۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر حاضر ہونگا اس پر نہایت مسرت ظاہر کی اور کہا "یہ میرے فائدہ کی بات ہے"،

عربی علوم و فنون کے تنزل پر نہایت افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ "میں نے خود جس پایہ کے علماء و فضلاء دیکھے تھے آج ایک بھی اس درجہ کا نظر نہیں آتا میں نے کہا کہ اسباب ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں انگریزی گورنمنٹ میں عربی دانی کسی قسم کی معاش کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اور دنیا کا کوئی کام بغیر معاش کے انجام نہیں پا سکتا، اسلامی ریاستیں البتہ عربی کو سنبھال سکتی ہیں، لیکن وہ بھی تمام نوکریوں اور ملازمتوں میں انگریزی دانی کی شرط لگاتے جاتے ہیں،" میری اس تقریر کے جواب میں جو کچھ جناب ممدوحہ نے فرمایا اس نے نہ صرف مجھکو ساکت کر دیا بلکہ میں ندامت و انفعال سے عرق عرق ہو گیا، فرمایا کہ "آپ لوگ جس طرح عربی کی تعلیم دیتے ہیں، اس سے کوئی شخص اس قابل نہیں ہو سکتا کہ کسی ملکی خدمت کو انجام دے سکے، عربی خواں طلباء کا یہاں یہ حال ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس برس سے عربی پڑھ رہے ہیں اور فارغ التحصیل ہی نہیں ہوتے اور صرف اس وجہ سے کہ اگر فراغ کا نام ہو گا تو ان کا وظیفہ بند ہو جائیگا چونکہ عربی دان کسی ملکی خدمت کے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اسی مضمون میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

غرض اس قسم کے مضامین پر کامل ڈیڑھ گھنٹے تک گفتگو کی اور اس فصاحت کے ساتھ کہ میں ہمہ تن محو حیرت رہا۔ تقریر میں بعض بعض جملے ایسے ہوتے تھے جو انشاپردازی کی شان ظاہر کرتے تھے مثلاً "جب سے عنان حکومت میں نے اپنے ہاتھ میں لی ملک کی تعلیمی حالت پر میرا دل رو رہا ہے، یہاں کے لوگ لیاقت حاصل نہیں کرتے بلکہ استحقاق آبائی پیش کرتے ہیں"

لیکن یہ جملے ان کی زبان سے اس سلاست اور صفائی کے ساتھ ادا ہوتے تھے کہ مطلقاً تصنع اور آورد نہیں معلوم ہوتی تھی۔"

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۱۳) انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے اس لئے مجبوراً ان کو کوئی خدمت نہیں دی جا سکتی، جناب ممدوحہ کی یہ رائے بالکل صحیح ہے اور اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا، البتہ میں نے اس قدر کہا کہ ندوۃ العلماء نے اسی غرض سے طرز تعلیم اور نصاب میں تبدیلی کی ہے۔

اس کے بعد دیر تک اس پر گفتگو ہوتی رہی کہ اہل ملک تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس وجہ سے تعلیم پر جو کچھ صرف ہو رہا ہے اس سے خود ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا"، میں نے عرض کیا کہ تعلیم جبری کیوں نہ کر دی جائے جیسا کہ بعض ریاستوں نے اس پر عمل کیا ہے، فرمایا کہ جبری تو نہیں کر سکتی لیکن یہ کیا کم ہے کہ تمام بڑے بڑے عہدے باہر والوں کو ملتے ہیں، اہل ملک میں سے ایک بھی کسی بڑے عہدہ پر مامور نہیں اگر غیرت ہو تو یہ امر جبر سے کیا کم ہے۔ اہل ملک وظائف اور مناصب کے خوگر ہو گئے ہیں ان کو نوکری اور ملازمت سے غرض ہی نہیں وہ ہر وقت صرف وظائف اور مناصب کے متقاضی رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ "اردو میں علوم جدیدہ کی کتابیں کیوں نہیں ترجمہ کی جاتیں" میں نے کہا کہ "ترجمہ کون کرے انگریزی خوان مصطلحات علمی کا اردو میں ترجمہ نہیں کر سکتے اور عربی خوان انگریزی نہیں جانتے، میں نے انجمن اردو کی طرف سے اشتہار دیا اور کمسٹری کے مصطلحات چھاپکر شائع کئے لیکن کہیں سے کوئی صدا نہیں آئی" فرمایا کہ کیوں نہ ایک محکمہ قائم کیا جائے جس میں عربی و انگریزی دونوں زبانوں کے زباندان ملازم رکھے جائیں ریاست آصفیہ جو سب سے بڑی مقتدر ریاست ہے آسانی سے اس کام کو انجام دے سکتی ہے"

مذہبی خصوصیات

ہر ہائینس ایک ایسی مسلمان خاتون ہیں جنہوں نے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے متعلق روایت ہی سے واقفیت حاصل نہیں کی بلکہ اُس روایت میں ذاتی درایت کا بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمیشہ ہر مسئلہ پر کافی غور کیا ہے اور جب کبھی کسی مسئلہ کے متعلق پورے طور پر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو اُس کے سمجھنے کے لئے علمائے کرام سے استصواب اور مباحثہ کیا ہے اکثر مولانا شبلی مرحوم سے بھی ایسے مسائل پر دیر تک گفتگو رہی ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب سے بھی وقتاً فوقتاً بہت سے مباحث رہے ہیں ہر ہائینس کی تمام تصنیفات میں ایسی تحقیقات کا رنگ نمایاں ہے علیا حضرت تمام مسائلِ مذہب پر عبور رکھتی ہیں اور جب موقع ہوتا ہے تو نہایت تبحر کے ساتھ گفتگو فرماتی ہیں چونکہ فطرت نے قوت حافظہ بھی کامل عطا فرمائی ہے اس لئے جو چیز یا جو بات دیکھی یا سُنی ہے وہ حاضر فی الذہن ہے وہ اگرچہ حافظ نہیں ہیں لیکن کثرت سے قرآن مجید کی آیتیں یاد ہیں اور اُن سے تقریر و تحریر میں استناد کرنے کا تو ایک خاص ملکہ ہے اسی طرح کثرت سے حدیثیں یاد ہیں اور جہاں موقع ہوتا ہے فوراً اُن سے سند لیتی ہیں اور اُن کا حوالہ دیتی ہیں عورتوں کے متعلق مسائل و روایات پر پورے طریقہ سے حاوی ہیں۔

ایک مرتبہ ہر ہائینس کے روبرو امہات المومنین کا کچھ تذکرہ تھا۔ اتفاق سے اُس وقت تین آدمی موجود تھے جن میں ریاست کے ایک رکن مولوی سعید الدین صاحب بہادر بھی تھے جنہوں نے دار العلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی ہے اور اُن کا علم بھی حاضر ہے۔ اس تذکرہ میں امہات المومنین کے ناموں کا شمار شروع ہوا۔ تین چار ناموں پر جا کر سب رُک گئے قبل اس کے کہ سرکار عالیہ کچھ فرمائیں میں نے عرض کیا کہ "حضور اب ہماری یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ ہم کو اپنی ماؤں کے نام تک یاد نہیں"

ہر ہائینس نے دو تین سکنڈ کے وقفہ کے بعد فرمایا کہ "ہاں بیٹے بھول جائیں لیکن بیٹیاں نہیں بھولتیں" اور یہ فرما کر پورے نام گنوا دیے۔

ہر ہائینس کی معلومات مذہبی کا اندازہ سبیل الجنان اور ہدیۃ الزوجین سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ پہلی کتاب اگرچہ ارکان اسلام پر ہے لیکن اُس میں ضمناً اور بھی بہت سے مباحث ہیں اور ہر رکن مذہب

کی پوری حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہدیۃ الزوجین میں زن و شوہر کے حقوق و اختیارات پر بالکل شرعی بحث ہے اور کوئی جزئیہ ان حقوق کے متعلق فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

علیاحضرت مذہباً حنفی اور سُنّی ہیں۔ عقائد میں نہایت راسخ اور مضبوط ہیں خلاف شرع امور سے انکو اجتناب ہے اور اُن اوہام سے بالکل مبرا ہیں جن کی وجہ سے عموماً فرقہ نسوان کی کمزوریوں پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

فرائض مذہبی کو خشوع اور پابندی کے ساتھ ادا فرماتی ہیں اور اس طرح موجودہ زمانے میں مذہبی پابندی کی ایک بہترین مثال ہیں۔

جناب سرور کائنات رحمۃ للعالمین کے ساتھ جو عقیدت کاملہ ہے اس کا مہتم بالشان ثبوت تالیف سیرۃ نبوی کی امداد و شوق ہے گویا یہ سعادت اخروی ازل ہی سے علیاحضرت کے لئے مقدر تھی۔

علیاحضرت کی یہ عقیدت اس دنیا میں بھی بے صلہ نہیں رہی اور زمانۂ قیام قسطنطنیہ میں وہ موئے مبارک حاصل ہوا جو دنیا میں نہایت مستند ہے اور جو نہ صرف علیاحضرت کے لئے ہمیشہ سرمایۂ سعادت و فخر رہے گا بلکہ خاندان ریاست اور ملک بھوپال کے لئے افتخار و برکات کا باعث ہوگا۔

ہر ہائینس اگرچہ ایک نہایت فراخ دل اور غیر متعصب خاتون ہیں لیکن اُن کے دل میں منزل میں مذہبی عصبیت کا وہ جوہر جو ہر ایک مسلمان کے لئے اسلام کے ساتھ لازم ہے اپنے انتہائی درجہ پر موجود ہے۔ اسلام پر کسی حملہ کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں مسلمانوں میں جو معائب ہیں اُن کا اعتراف کرتی ہیں لیکن اس کو شامت اعمال اور بدقسمتی پر محمول کرتی ہیں۔ عام بحث و مباحثہ سے دور رہتی ہیں کیونکہ ان امور میں مشغولیت کے لئے نہ وقت ہے نہ فرصت اور تقسیم عمل کی رو سے اُن کی ذات شاہانہ سے غیر متعلق ہے لیکن کبھی کبھی اکثر یورپین لیڈیز سے یا کسی عیسائی جنٹلمین سے اسلام پر یا اسلام و عیسائیت کے موازنہ پر گفتگو میں آ ہی جاتی ہیں اس وقت ایک پرجوش مناظر کی طرح مباحثہ کرتی ہیں۔ غیر اقوام کے تعلیم یافتہ لوگوں میں مذہب اسلام کے متعلق جو بدعقیدگی ہے اس کو ہر ہائینس ہمیشہ تاریخ و روایات اسلامی کی ناواقفیت پر مبنی سمجھتی ہیں اور اسی وجہ سے اپنے پرائیویٹ کتب خانہ میں بہ کثرت ایسی کتابیں

موجود رکھتی ہیں جن میں اسلام کے متعلق صحیح صحیح واقفیت بہم پہنچائی گئی ہے جیسے سرسید مرحوم، مولوی چراغ علی مرحوم اور سید امیر علی وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ عموماً جن لیڈیز میں ہر ہائنس مذہبی دلچسپی دیکھتی ہیں یا تو اُن کو اُن کتابوں میں سے دو تین کتابیں تحفۃً عطا فرماتی ہیں اور اسی غرض سے اپنی کتاب ہدیۃ الزوجین اور سبیل الجنان کا بھی انگریزی میں ترجمہ کرایا ہے۔

ہر ہائنس کے طریق استدلال، طرز مباحثہ اور انداز عصبیت معلوم کرنے کے لئے ایک خط درج کیا جاتا ہے جو حضور ممدوحہ نے مس ڈی سلنکوٹ کے نام تحریر کیا تھا مس موصوف الہ آباد گرلس اسکول کی ہیڈ مسٹریس ہیں۔ لندن میں ایک بہت بڑا جلسہ مشرقی عورتوں کی تعلیم میں ترقی کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا اس میں بڑی بڑی تقریریں ہوئیں اور تقریر کرنے والی خواتین نے مشرقی مستورات کی تعلیم اور حالت کے متعلق اپنے اپنے خیالات و تجربات ظاہر کئے۔ مس رچرڈسن بی اے نے ایک تقریر کی تھی جس میں مسلمان عورتوں کی نسبت اور مذہب اسلام کے احکام و تعلیمات کے متعلق نہایت نامناسب اور سخت جملے استعمال کئے تھے۔

مس ڈی سلنکوٹ نے اس جلسہ کی مطبوعہ رُوداد ہر ہائنس کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کر کے خواہش کی کہ حضور ممدوحہ بھی اپنے خیالات عالی اور رائے مبارک سے اس جلسہ کی معاونت فرمائیں۔ ہر ہائنس نے اس رُوداد کو بڑے شوق کے ساتھ ملاحظہ کیا لیکن جب مس رچرڈسن کی تقریر نظر انور سے گذری تو اسوقت نہایت افسوس اور رنج ہوا اور اُسی تاسف اور رنج کے باعث ذیل کا خط تحریر کیا:۔

احمد آباد دیلیس ۳۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء

ڈیر میڈم!

میں آپ کے خط مورخہ ۲۰۔ اگست اور ان کاغذات کا جو اس کے ہمراہ آئے تھے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں نے ان کاغذات کو نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا واقعی بات یہ ہے کہ ہم یورپ کی اُن قابل اور شریف الخصال خاتونوں کے بے حد مشکور ہیں جو نہایت پُرجوش کوشش کے ساتھ اُن تدابیر

کو جن میں اُن کی مشرقی بہنوں کی بہبودی کے اغراض شامل ہیں عمل میں لا رہی ہیں میں بخلوص دل
آرزومند ہوں کہ یہ نہایت ہی قابل اعتراف کوششیں اسی کامیابی کے ساتھ بارآور ہوں جس
کی وہ بے انتہا مستحق ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہفتہ گذشتہ کی ڈاک میں آپ کو تفصیل کے ساتھ
اپنی ریاست کے مشاغل کی وجہ سے تحریر نہ کر سکی۔ کاغذات موصولہ کو غور و خوض سے پڑھنے کے بعد
مجھکو جرأت ہوتی ہے کہ میں اس مضمون کے متعلق آپ کو اپنے خیالات سے مطلع کروں مجھے امید ہے کہ آپ
براہ نوازش اس کو ممبران مجلس کے روبرو اُن کے ملاحظہ کے لئے پیش کریں گی۔

قبل اس کے کہ میں اس مضمون کے متعلق کچھ بیان کروں میں آپ سے اور دیگر اشخاص سے جن کو
اس اسکیم کی ترقی مقصود ہے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جو خیالات مس رچرڈسن نے خواتین اسلام کے
نسبت ظاہر کئے ہیں وہ کسی طرح ہمارے مذہب اور سوسائٹی کے متعلق کامل اور صحیح واقفیت پر
مبنی نہیں۔ مس موصوف کے خیال میں اسلام ایسے اصول پر مبنی ہے جو عورتوں کو قعر مذلت میں گراتا
ہے اور کسی دوسرے مذہب کے مقابلہ میں اُن کو سوسائٹی کے قابل نہیں کہتا۔ مس صاحبہ کے نزدیک
یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ بہت مسلمان خواتین دغاباز، شریر النفس، ذلیل اور فتنہ انگیز ہیں
میرے خیال میں یہ کبھی جائز نہیں ہو سکتا کہ بالعموم تمام مسلمان عورتوں پر ایسا ذلیل الزام عاید کیا جائے
میں مذہباً مسلمان ہوں اور اپنے اصول عقائد سے خوب واقف ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ اسلام
میں کوئی اصول، کوئی مسئلہ اور کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے عورتیں کسی طرح ذلیل اور
بے قدر ہو سکیں بلکہ اس کے برعکس یہ بات ہے کہ مذہب اسلام نے عورتوں کو ایک منصفانہ اور
عمدہ حیثیت عطا فرمائی ہے اور وہ اس حیثیت کی بہرصورت مستحق ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جو
عورتوں کی ذلیل حالت تھی اسلام نے اُن کو اُس سے نکالا اور اُن کے حق میں ایسی صاف صاف
قانونی ہدایتیں نافذ فرمائیں جو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام نے اُس وحشیانہ
برتاؤ کو روک دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے پیشتر تھا۔ اور جو عورتوں کے ساتھ عمل
میں آتا تھا۔ سرور کائنات صلعم نے اپنے پیروؤں کو عورتوں سے عزت کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارشاد

فرمایا ہے کیا قرآن شریف میں یہ حکم نہیں آیا ہے کہ عورتیں مرد کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے مساوی حقوق کی تلقین فرمائی ہے۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ اسلام ہی صرف ایسا مذہب ہے جس نے عورتوں کی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے بہترین سے بہترین قواعد مرتب کئے ہیں۔ اسلام عورتوں کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ لحاظ اور عزت کا حکم دیتا ہے۔ کاش ایسا ہو تا کہ یورپ کی عورتیں زبان عربی کی تحصیل کرتیں اور خود قرآن مجید کو غور سے پڑھتیں جس کا نتیجہ ہوتا کہ بہت سی غلط فہمیوں کا وجود مٹ جاتا۔ مسلمان مصنفوں اور یورپ کے ایسے فاضلوں نے جو تعصب سے پاک ہیں اس مسئلہ پر بہت قابلیت سے بحث کی ہے اگر اُن کی تحریرات غور سے پڑھی جائیں تو یقیناً پڑھنے والے کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو جائیگی کہ اسلام نے عورتوں کیلئے وہ کام کیا ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا فی الواقع یہ جتنے غلط الزامات ہمارے مذہب پر لگائے جاتے ہیں اور جن کی اس قدر شہرت ہوگئی ہے اُس کی محض یہ وجہ ہے کہ لوگ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے محض ناواقف ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ عورتوں نے دماغی قابلیت اور شائستگی محض اپنے پاک مذہب کے اثر سے بلا کسی دیگر ترغیب کے حاصل کی ہے۔ یہ عورتیں قانون دینیات اور فنونِ لطیفہ سے خوب ماہر تھیں۔ ان کی نیکی اور بہادری کے ایسے ایسے اعلیٰ کارنامے موجود ہیں جو کسی دوسری ملت یا قوم میں نہیں پائے جاتے۔ ان عورتوں نے ممبر پر پُر اثر وعظ کہے ہیں انہوں نے کالج کے کمروں میں دینیات پر لیکچر دیے ہیں امور ملکی میں نمایاں حصہ لیا ہے اور بجائے اس فوجی قوت کا اظہار کرنے کے جو سفرجیٹ عورتیں آجکل عمل میں لا رہی ہیں نظم و نسق اور ملک کی بہبودی اور حکمت عملی پر اپنی صلاح نیک سے اثر ڈالا ہے میدانِ جنگ میں مسلمان خواتین نے زخمیوں اور مریضوں کی تیمارداری کی ہے۔ اپنے مذہب اور ملت کی عزت قائم رکھنے کے لئے سپاہیوں کا دل بڑھایا ہے اور یہ بات تو آپ کو بھی معلوم ہوگی کہ متعدد لڑائیوں میں مردوں کے دوش بدوش بہادری کے جوہر دکھلائے ہیں یہ وہ اوصاف ہیں جن کی خواتین اسلام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نشوونما ہوئی تھی جن سے ہماری مغربی بہنیں ابھی تک واقف نہیں ہیں۔

اگرچہ ہم سب آپ کی مخلصانہ ہمدردی کے مشکور ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہم آپ سے یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک آپ ہمارے مذہبی احکام سے واقف نہ ہوں اور جب تک آپ ہمارے دین کے ابتدائی اصول سے نابلد ہیں آپ فی الحال ہماری پستی، افتادہ حالت اور زوال کا علاج نہ کریں۔ یہ ممکن ہے کہ بعض مقامات پر مسلمان عورتیں بھی بالکل اسی طرح قعر ذلت میں گر گئی ہوں جس کا ذکر مس رچرڈسن کرتی ہیں مگر ہمیشہ کثرت تعداد پر نظر ڈالنی چاہئے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا سچا مذہب ہے جس کے ذریعہ سے ہم کو نجات ابدی حاصل ہو سکتی ہے یہ وہ مذہب نہیں ہے جو اُن چند مقامات میں رائج ہے جن کا صرف مس رچرڈسن ہی کو علم ہے وہ خراب عادتیں جو بقول مس رچرڈسن کے بعض اسلامی عورتوں میں سرایت کر گئی ہیں ہمارے قومی ادبار اور گردش قسمت کا نتیجہ ہیں۔ جب قوم پستی کی طرف مائل ہوتی ہے تو کہیں کہیں ذلیل حرکتیں بھی اُس سے سرزد ہوتی ہیں اور مذہبی احکام سے تساہل کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی سچا مذہب ہے تو وہ اسلام ہے اور اس کی تعلیمات پڑھنے کے قابل ہیں یہ وہ مذہب ہے جو تمام سچے مسلمانوں کے لئے تائید غیبی اور قوت کا حکم رکھتا ہے میں سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں دیکھتی کہ اپنی مغربی بہنوں سے درخواست کروں کہ قرآن مجید پڑھیں (جو ہمارے ایمان کا سرچشمہ ہے) اور اس مضمون پر نامور مسلمان مصنفین کی تحریر مطالعہ کریں جہاں تک مجھکو علم ہے یورپ میں بہادری کی صفت مشرق سے آئی ہے اور زمانہ متوسط کے ہر ایک مورخ نے بھی تحریر کیا ہے۔ یہ امر کہ ہماری مغربی بہنیں ایشیائی عورتوں کو ایسی چشم عقارت سے دیکھیں میرے نزدیک صرف تقدیر کی خوبی ہے۔

اب میں اُس اصلی مقصد کی طرف متوجہ ہوتی ہوں جس کی وجہ سے میں نے آپ کو یہ خط تحریر کیا ہے۔ ہندوستان میں تعلیم نسواں کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ہم کو سب سے پیشتر اُن کوششوں پر نظر ڈالنی چاہئے کہ جو اس کے متعلق کی گئی ہیں ہم کو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ تعلیم کی ترقی ہمیشہ اس ملک کی گورنمنٹ پر محمول رہی ہے گورنمنٹ نے ہی تمام مشہور مقامات پر یونیورسٹیاں قائم کی ہیں

لیکن اُن سے صرف مردوں نے فائدہ اٹھایا ہے اور عورتیں بالکل محروم رہی ہیں اسلامی سلطنت کے دور میں اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کو بچ کے طور پر گھر کی بڑی بوڑھیوں کے زیر نگرانی تعلیم دیجاتی تھی۔ اس طرز عمل سے نہایت مفید نتائج پیدا ہوتے تھے اور اُس زمانہ کے لئے یہ بات موزوں بھی تھی اب زمانہ بدل گیا ہے اور اس امر کی ضرورت ہے کہ لڑکیوں کو باقاعدہ اور جوق درجوق تعلیم دی جائے اس لئے تعلیم نسواں کا مسئلہ بہت بڑی اہمیت اختیار کرتا جاتا ہے اور اس مقصود کی تکمیل کے لئے نہایت سچے دل سے اس امر کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں کثرت سے اس کی اشاعت کی جائے۔ میرے خیال میں اگر ہم آنکھیں بند کرکے مغربی درسگاہوں کی تقلید کریں گے تو اس سے ہم کو کوئی زیادہ فائدہ نہ ہوگا۔ مشرقی ممالک میں عورتوں کو مغربی ممالک سے بالکل مختلف اصول پر تعلیم دینا چاہیئے کیونکہ پردہ کے رواج نے بہت سی قیدیں لاحق کردی ہیں۔

اس معاملہ میں تعلیم کا بہترین مقصود حاصل کرنے کے لئے سب سے بڑی اور پہلی ضرورت یہ ہے کہ نصاب تعلیم تجویز کیا جائے اور ہندوستانی زبان میں عمدہ عمدہ کتابیں تالیف کی جائیں۔ خاص خاص مقامات پر ٹریننگ کالج کھولے جائیں جہاں ضروری طور پر وظائف دے کر عورتوں کو پڑھانے کے لئے تیار کیا جائے اور اس پیشہ کے لئے شریف خاندان کی عورتیں آمادہ کی جائیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ امتحانات کا جو معیار ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں رائج ہے لڑکیوں کے واسطے عمدہ نتائج پیدا نہیں کرسکتا۔ لڑکیوں کے جو مدارس میں نے بھوپال میں قائم کئے ہیں اُن کا کام خوب چل رہا ہے اور شریف خاندان کی ایسی لڑکیوں کے دستیاب ہونے میں وقت نہیں پڑتی کہ جو پابندی کے ساتھ اسکول میں حاضر ہوں۔

علیگڈھ میں بھی لڑکیوں کا مدرسہ خاطر خواہ کام کررہا ہے اور ہندوستان میں لڑکیوں کے بہت سے اسکول اور کالج ہیں جہاں پردہ کے انتظام کے ساتھ عمدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ سب سے بڑی اور اہم ضرورت یہ ہے کہ پردہ کے انتظام کو مد نظر رکھنا چاہیئے اور مجھے امید ہے کہ ہماری مغربی بہنیں

اس بڑی ضرورت کو نظر انداز نہ کرینگی۔

ڈیر میڈم! یقین مانئے کہ میری آرزو ہندوستان میں تعلیم کی ترقی کے لئے کسی سکم نہیں ہے جو کچھ امداد کہ اس سلسلہ میں میرے امکان میں ہے بہت خوشی سے دی جائیگی۔ خدا آپ کو اس بڑے کام میں کامیاب کرے۔"

یہ خط اُس وقت تو پریس میں شائع نہیں ہوا لیکن خواجہ کمال الدین صاحب نے اس کو اسلامک ریویو میں شائع کیا۔ اس کے شائع ہونے کے بعد (جیسا کہ خواجہ صاحب فرماتے تھے) عام طور پر تعلیم یافتہ طبقہ نے خاص اثر قبول کیا۔ لنڈن ٹائمس جیسے اخبار نے اس پر نوٹس لیا اور ووکنگ کے تبلیغی مشن کو اس سے ایک خاص قسم کی تقویت پہنچی۔

خواجہ صاحب موصوف اس مشن کی تقویت کے لئے اسلامک ریویو میں ہدیتہ الزوجین کے خاص خاص حصے بھی شائع کرتے رہتے ہیں۔

ہر ہائینس نے جس طرح کہ ووکنگ کے تبلیغی مشن کو گراں قدر امداد دی ہے اور مشہور جاپانی مشنری قاری سرفراز حسین صاحب کو امداد عطا کرتی ہیں اسی طرح ہندوستان میں تبلیغی تحریکات میں امداد عطا کرتی ہیں مولوی ابوالفضل صاحب کو جو ایک خاموش مسلم مشنری ہیں اور جنہوں نے اسلام پر متعدد کتابیں تصنیف کر کے طبع اور شائع کی ہیں اور جن پر یورپ کے بڑے بڑے لوگوں نے اچھی رائیں لکھی ہیں فکر معاش سے مستغنی فرما دیا ہے انجمن تبلیغ اسلام علیگڈھ کو جو فرزندان علیگڈھ نے بڑے جوش سے قائم کی تھی ہر ہائینس نے معقول امداد مرحمت فرمائی تھی لیکن مجبوراً وہ امداد بند کرنی پڑی کیونکہ ہر ہائینس نے جب انجمن کی کارروائیوں کی باقاعدہ تحقیقات کرائی اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اُس کی رپورٹ پیش کی تو معلوم ہوا کہ اس روپیہ کا مصرف صحیح نہیں ہے۔

ہر ہائینس کو ہمیشہ اس امر کا بہت افسوس رہا ہے کہ موجودہ تعلیم میں تاریخ و روایات اسلامی کو کچھ بھی دخل نہیں ہے اور خیال یہ ہے کہ کم سے کم ہر پڑھے لکھے مسلمان کو کچھ نہ کچھ مسائل اسلام پر عبور ہو جائے اور تاریخ و روایات اسلام سے واقفیت ہو اس امر کو مدنظر رکھکر ہمیشہ ترجمہ قرآن مجید کے

پڑھنے پر زور دیا ہے اور مدارسِ نسوان میں تو ترجمہ قرآن مجید کا درس لازمی کر دیا ہے۔
اسی سلسلہ کوشش میں تاریخ و سیرۃ نبوی سے واقفیت حاصل ہونے کے لئے علیا جناب شاہ بانو صاحبہ نے پہلے مولانا شبلی کی کتاب بدء الاسلام کا ترجمہ اردو میں کرایا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری مرتب کرائی جو "ذکر مبارک"[ل] کے نام سے موسوم ہے اور تاریخ اسلام کی ایسی سیریز کا سلسلہ قائم کرا دیا ہے جو بطور نصاب پڑھایا جا سکے۔ عورتوں کے لئے امہات المومنین کی سیرۃ کے لئے انعام مقرر فرمایا۔ خاص طور پر علیا حضرت کی فرمائش سے مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے کئی سال کی محنت اور جد و جہد علمی کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سیرۃ تالیف کی ہے۔ دو اور قابل اصحاب مولوی مظہر الحسن صاحب اور مولوی سید طلحہ صاحب نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہما کی سیرتیں مرتب کی ہیں۔
خاص بھوپال میں غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو مسائل دین سے واقف کرنے کے لئے واعظ مقرر فرمائے ہیں جو جا بجا وعظ کرتے اور ضروری مسائل بتاتے ہیں۔
ہر ہائینس کی مذہبی خصوصیات میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ فروعی اختلافات سے متاثر نہیں ہوتیں اور صرف اصول کو پیش نظر رکھتی ہیں اور انہیں اصول کی اشاعت کے لئے امداد عطا فرماتی ہیں۔

اصلاح رسوم

رسم و رواج کے مصلحین کی اگر فہرست مرتب کی جائے تو اس کا سرنامۂ عنوان ہر ہائینس کا اسم گرامی ہوگا وہ اصلاح رسوم کی اول درجہ کی حامیوں میں ہیں اور اس کی عملی مثال و نظائر سے زندگی کی کوئی شاخ خالی نہیں جب کبھی خاندانِ شاہی میں کوئی تقریب ہوتی ہے تو پوری توجہ اور سعی بلیغ اس بارے میں صرف کی جاتی ہے کہ حتی المقدور سادگی برتی جائے اور کوئی رسم خلافِ شرع عمل میں نہ آئے علاوہ اس کے وہ بحیثیت ایک مصلح کے ہمیشہ اپنا فرض سمجھتی ہیں

[ل] ذکر مبارک چھوٹی تقطیع کی ۱۳۱ صفحات کی کتاب ہے جو متعدد مدرسوں میں داخل نصاب ہو چکی ہے۔

کہ یہ خیال جہاں تک ممکن ہو عام ہو اور ہر خاندان اس کو اپنا دستور العمل بنائے جو عورتیں شرفیاب حضوری ہوتی ہیں اُن کو اخلاق و مذہب اور عقلی مصلحت اندیشیوں کے مختلف و مؤثر پیرایوں میں عموماً نصائح دل پذیر فرماتی رہتی ہیں تاکہ رفتہ رفتہ رسم و رواج کی بندشیں ڈھیلی ہوتی جائیں اور عورتوں کے خیالات روشن ہوں۔ چنانچہ اسی خیال سے فروری ۱۹۱۰ء میں پرنسس آف ویلز کلب کے جلسہ میں ایک زبردست تقریر بھی فرمائی تھی جس کی تمہید میں فرمایا تھا کہ:-

"مجھے ایک عرصہ سے اس امر پر یقین ہے کہ اگر مسلمانوں کی تقریبات کی رسومات میں اصلاح ہو جائے تو ایک بڑی حد تک افلاس کی مصیبت دور ہو جائیگی اور اِن کو گناہوں اور بداخلاقیوں سے جو اُن رسومات کا لازمی نتیجہ ہیں نجات ملے گی۔

میں نے جہاں تک غور کیا ہے ان فضول اور غیر شرعی مراسم کا میلان عورتوں میں بہت زیادہ ہے اور اگر عورتیں ان رسومات کو مٹانا چاہیں تو بآسانی مٹا سکتی ہیں۔ میرا یہ خیال و یقین نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے جس قدر عقلمند لوگ گذرے ہیں اور موجود ہیں سب کا یہی خیال اور یقین ہے میری والدہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کا بھی اسی پر عملدرآمد تھا چنانچہ تم میں سے بعض نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ میری شادی میں کوئی فضول اور نامشروع رسم ادا نہیں کی گئی تھی۔ اور حتی الامکان وہ دوسروں کے لئے بھی اسی کی کوشش کرتی تھیں مسلمانوں میں اس وقت جو رسمیں جاری ہیں اُن میں کچھ تو وہ ہیں جو غیر اقوام کے میل جول سے پیدا ہوئیں لیکن بالآخر مسلمانوں کی قومی رسمیں بن گئیں اور کچھ وہ رسمیں ہیں جن کو مذہب نے بتایا اور اخلاق اسلام میں داخل ہوئیں اور وہ مسلمانوں کے لئے واجب و مسنون ہیں۔ لیکن اُن میں بھی افراط تفریط کرکے نہایت مضر بنالیا ہے۔"

اس کے بعد پھر تمام رسوم پر ایک عمیق تبصرہ تھا جو خواتین اسلام کے غور و مطالعہ کے قابل ہے۔

خاندانی تقریبات

ہر ہائینس کسی تقریب میں فضول تکلفات کو کبھی روا نہیں رکھتیں لیکن وہ تمام لوازم جو شاہی تقریبات کے لئے موزوں ہیں ضرور ہوتے ہیں تقریبات میں اہل خاندان، اراکین وعہدہ داران کو خلعت عطا کئے جاتے ہیں، ایسے موقعوں پر بالعموم دو دربار ہوتے ہیں ایک مردوں کا اور دوسرا عورتوں کا۔

مردوں کے دربار میں علیا حضرت پس چلمن تشریف فرما ہوتی ہیں تمام اشخاص بسلسلہ مراتب یکے بعد دیگرے پیش ہوتے ہیں اور ان کو ہر ہائینس خلعت عطا فرماتی ہیں۔

عورتوں کے دربار میں اپنے معمولی لباس میں سب کے سامنے جلوہ افروز ہوتی ہیں اور شاداں و فرحاں خلعت تقسیم فرماتی ہیں حاضر دربار خواتین اسی وقت خلعت کے قیمتی ڈوپٹے کو اوڑھ لیتی ہیں اور ہر ہائینس کی شفقت و عطوفت اور شگفتگی مجسم شکل میں عیاں ہوتی ہے۔

ایسی تقریبات میں یوروپین لیڈیز بھی شریک کی جاتی ہیں اور اگر وہ متوسل ریاست ہوتی ہیں تو وہ بھی خلعت سے ممتاز کی جاتی ہیں لیکن یہ تمام تقریبات نہایت سادہ ہوتی ہیں اور کوئی غیر مشروع رسم ادا نہیں ہوتی۔

عالیجناب نواب میجر محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر و عالیجناب نوابزادہ برگیڈیر جنرل حافظ حاجی محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی کی شادیوں میں بھی سادگی کو ہی ملحوظ رکھا البتہ تمام مستحقین و متوسلین کو نہایت فیاضی کے ساتھ انعام واکرام مرحمت فرمائے

نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر کی شادی شاہ شجاع والیٔ کابل کے خاندان میں شہزادہ جہانگیر کی پوتی کے ساتھ ہوئی جن کا خاندان عرصہ سے پشاور میں بہ ظل سرکار برطانیہ سکونت پذیر ہے ۲- رجب ۱۳۲۳ہجری = ۲- ستمبر ۱۹۰۵ء کو بہ کمال تزک و احتشام بارات پشاور گئی اور واپسی میں سانچی میں ہر ہائینس نے اس کا خیر مقدم کیا۔

اس شادی میں جہاں شاہانہ شان و شوکت کا پورا اہتمام کیا گیا تھا وہاں یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا تھا کہ کوئی فضول اور غیر مشروع رسم ادا نہ ہونے پائے البتہ مستحقین اور خاندانِ ریاست کو بیش بہا جوڑے اور گرانقدر انعامات عطا کئے گئے۔ نیز خیرات و صدقات میں غربا کو روپیہ تقسیم کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ہائینس کے تمام اعمال شاہانہ کی طرح یہ تقریب بھی دیگر والیانِ ریاست کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال تھی جس کو خلافِ شرع اور فضول رسم کی آمیزش سے ہر طرح محفوظ رکھا گیا تھا۔ چونکہ یہ شادی صغر سنی میں ہوئی تھی اس لئے ممکن ہے کہ ناظرین اس تقریب کا حال پڑھکر متعجب ہوں کہ ہر ہائینس جیسی روشن ضمیر اور اہل الرائے نے صغر سنی کی شادی کیوں روا رکھی بلکہ اس کی مثال قائم کر دی۔ لیکن اس کا جواب خود ہر ہائینس کی اُس تقریر مبارک میں موجود ہے جو اسی تقریب میں حضور ممدوحہ نے برٹش افسران رزیڈنسی و ایجنسی کی دعوت میں فرمائی تھی۔ جس کا اقتباس ذیل میں درج ہے:۔

"مَیں گمان کرتی ہوں کہ اس چھوٹے سے دولھا کو دیکھکر آپ خیال کرتے ہونگے کہ اس صغر سنی میں دُلہن بیاہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ شاید آپ کو یہ بھی خیال ہوگا کہ ہندوستان کے رسم و رواج کا اثر مجھ پر بھی ہے اور صغر سنی کی شادی کو جو عموماً معیوب سمجھی جاتی ہے میں بھی مستحسن سمجھتی ہوں۔

میرا اصل مقصود شادی میں اس قدر عجلت کرنے کا یہ تھا کہ اپنی ننھی سی بہو کو اپنا نورِ نظر بنا کر اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت دے سکوں۔ کیونکہ عمدہ تعلیم و تربیت کو مستورات کے لئے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ خوشنما زیور سمجھتی ہوں۔ یہ ایسا بیش بہا اور پائدار زیور ہے جس کی آب و تاب کبھی کم نہیں ہو سکتی مجھے امید ہے کہ اس توضیح کے بعد آپ اس صغر سنی کی شادی کو موافق مصلحتِ وقت خیال کر کے میری اس تمنا میں میرے ہم زبان ہونگے خدا کرے کہ دُلہن کی تعلیم و تربیت میری مرضی اور خواہش کے موافق ہو جائے۔"

ہر ہائینس نے سب سے پہلے خود ہی اس امر کو محسوس کیا لیکن نکتہ سنج نظر جس گہری مصلحت

کو دیکھ رہی تھی وہ ہر ایک شخص کو محسوس نہیں ہو سکتی۔ اسی مصلحت سے حضور ممدوحہ نے اس صغر سنی کی شادی کو روا رکھا اور اس تقریب مبارک میں عموماً جلدی کی بیگم صاحبہ موصوفہ کی تعلیم و تربیت نہایت وسیع پیمانے پر ہوئی اور اب تک سلسلہ جاری ہے جو لوگ حضور سرکار عالیہ کے طریقہ تعلیم و تربیت کا اندازہ کر چکے ہیں وہ اُن کے مستقبل کو نہایت خوشگوار امیدوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو یقین ہے کہ مسلمان مستورات کے لئے بیگم صاحبہ موصوفہ کی تعلیم و تربیت ایک عمدہ مثال ہوگی اور اُن کے ہاتھوں اپنے کمزور و بیکس فرقۂ نسوان کے لئے نہایت مفید اور ترقی خیز امور انجام پائیں گے۔ جن کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور اس عمر اور اس عرصہ میں جس طرح بیگم صاحبہ[1] موصوفہ نے صنفِ اُناث کی بہبودی میں ہر ہائینس کو امداد دی ہے اور بذاتِ خود صرف ہمت کر رہی ہیں وہ نہایت امید افزا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ جناب موصوفہ علیا حضرت کی تعلیم و تربیت کا نہایت بہترین نمونہ ہو گئی ہیں۔ خداوند کریم اُن کی عمر اور مساعی جمیلہ میں برکت دے اور اُن کے ہاتھ میں وہ قوت عطا کرے کہ جس سے وہ اپنی صنف اور قوم کے لئے مفید کام کرتی رہیں۔

---

[1] بیگم صاحبہ موصوفہ کے مالکہ کا نام میمونہ سلطان اور سسرالی خطاب شاہ بانو ہے۔ اردو، فارسی اور انگریزی کی پوری تعلیم پائی ہے قرآن مجید باترجمہ پڑھا ہے اور مسائل کی درسی کتابیں بھی ختم کر لی ہیں دستکاری اور خانہ داری کی تعلیم و تربیت کی بھی تکمیل ہو چکی ہے ہر ہائینس کی معیت میں یورپ کا سفر کیا ہے اور واپسی پر ہر ہائینس کی یادداشتوں وغیرہ سے سفر یورپ کے حالات مرتب فرما کر سیاحت سلطانی کے نام سے شائع کئے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ سلک مروارید، گل و ریحان، ذکر مبارک، آغازِ اسلام یعنی ترجمہ بدر الاسلام اور اخلاقی حکایات فرائض مادری آپ کی مؤلفہ و مرتبہ اور مترجمہ کتابیں ہیں۔ نمائش مصنوعات خواتین ہند اور آل انڈیا لیڈیز کانفرنس میں آپ نے بڑا حصہ لیا ہے۔ لیڈیز کلب کے جلسوں میں ہمیشہ دلچسپی ظاہر فرماتی ہیں۔ اور اکثر اوقات مختلف مضامین پر تقریریں کرتی ہیں ؎

سفر و سیاحت

سفر حجاز زاد اللہ شرفہ[1] ۱۳۲۱ھ میں ہر ہائینس نے ایک بہت بڑے قافلہ کے ساتھ ادائے فریضۂ حج کے لئے سفر فرمایا۔

سفر سے قبل ہر ہائینس نے دو اعلان شائع فرمائے جس کا ہر ہر فقرہ اُن کے پاک و مقدس ارادت و جذبات قلبیہ کا ترجمان تھا جس سے ایک طرف ہر ہائینس کی شفقت وعطوفت ظاہر ہوتی تھی کہ اپنی وفادار رعایا کی جُدائی سے اُن کا مہربان دل کیسا اندوہ گیں ہے۔ اور دوسری طرف نظر آتا تھا کہ یہ پیغام شفقت جس دل سے نکلا ہے وہ خدا ترسی اور انسانی ادائے فرائض کے خیال کا کیسا نورانی دریا ہے۔ اس کے آخر میں التجا کی گئی کہ:۔

"اگر احیاناً اور نادانستہ کوئی غلطی یا ناانصافی عمل میں آئی ہو تو میری وفادار رعایا کھلے دل سے معاف کرے کہ بندگان خدا کی پرورش و نگرانی کا بوجھ مجھ پر قدرت نے ڈالدیا ہے اس کا متحمل ہونا نہایت مشکل ہے۔"

جس شخص نے اس اعلان کو پڑھا یا سُنا بے اختیار متاثر ہو کر اشکبار ہو گیا۔

۲۴۔ رجب المرجب کو نماز عصر کے بعد جبکہ ہر ہائینس قرنطینہ میں تشریف لیجانے والی تھیں اول مسجد آصفیہ میں تشریف لائیں اور اپنی زبانِ فیض ترجمان سے مضمون اعلان کا اعادہ فرمایا۔ اللہ اکبر یہ کیا عجیب وقت اور کیسا پُر اثر منظر تھا۔ ہر شخص زار وقطار رو رہا تھا اور کوئی سخت سے سخت دل بھی ایسا نہ تھا جو نشتر درد والم سے دو نیم نہ ہو۔ خود ہر ہائینس کی آنکھیں بھی پُر نم تھیں اور اس موقع کے درد انگیز اثر کو سب سے زیادہ محسوس فرما رہی تھیں۔ غرض اس حسرت آمیز منظر کو ختم فرما کر قرنطینہ میں تشریف لے گئیں۔ قرنطینہ بھوپال ہی میں ہوا تھا۔ چند دن کے بعد قرنطینہ سے فارغ ہو کر براہ راست اسپشیل ٹرین میں مہنضت فرمائے بمبئی ہوئیں۔ اسپشیل ٹرین بندر کے پلیٹ فارم تک گیا جہاں سفر سمندر کے لئے اکبر نامی جہاز چشم براہ تھا۔ دوسرے روز جہاز

[1] علیا حضرت نے خود اپنے سفر کے حالات قلمبند فرما کر روضۃ الریاحین کے نام سے شائع فرما دیئے ہیں ۱۲

نے لنگر اُٹھایا۔ اور ۲۲ دن کے بعد بلد ربیوع میں داخل ہوا۔ یہاں عثمانی فوج کا ایک بڑا حصّہ استقبال کے لئے موجود تھا۔ توپ خانہ سے شلکِ سلامی سر ہوئی۔ ہر ہائینس نے ایوان سکونت میں پہنچکر حسب قاعدہ ایک دریچہ سے فوج کا جائزہ لیا اور ایک ہفتہ آرام کے بعد مدینۂ منورہ کی طرف عثمانی گارڈ اور توپ خانہ کی حفاظت میں مع قافلہ روانہ ہوئیں۔ جن لوگوں کو سرزمین حجاز کی بادیہ پیمائی کا شرف حاصل ہوا ہے وہ سب جانتے ہیں کہ اس گلزار میں کانٹے بھی ڈالدیے گئے ہیں تاکہ ہر ہر گام قدم شوق کا امتحان ہوتا جائے۔ بدوؤں کے بیسیوں گروہ اور قبائل ہیں جن سے مدینے کی راہ بھری پڑی ہے۔ وہ اگر نقصان رسانی پر آجاتے ہیں تو حجاج کے لئے پیغام ہلاکت ہوتے ہیں علی الخصوص امراء اور اصحابِ دول کے سفر کی خبر سن کر تو اُن کا دہن آب طمع سے بھر جاتا ہے۔

چنانچہ ہر ہائینس کے قافلہ کی شہرت وقت سے بہت پہلے تمام قبائل میں گونج گئی تھی اور وہ مختلف ارادوں اور منصوبوں کے ساتھ ورودِ قافلہ کے منتظر تھے۔ متعدد مقامات پر انھوں نے مزاحمتیں کیں۔ یہاں تک کہ فوج کو بھی مقابلہ کرنا پڑا مگر اقبالِ شاہی ہر جگہ سینہ سپر ہوا اور بالآخر دُور سے روضۂ نبوی کے دل فریب گنبد کا نظارہ کرتا ہوا یہ قافلہ مدینۃ الرسول میں داخل ہوا۔

ہر ہائینس کے استقبال کے لئے مقامی حکومت کی طرف سے خاص اہتمام کیا گیا تھا تمام اکابر واعیانِ مدینہ کے علاوہ عثمانی فوج کا استقبالی دستہ اور بینڈ بھی منتظرِ ورود تھا سلامی کی شلک اور نغمۂ خیر مقدم نے ورودِ قافلہ کی خبر دی۔ تمام لوگ استقبال کے لئے بڑھے ہر ہائینس نے ایک خیمہ میں (جو آپ کے آرام فرمانے کے لئے حکومتِ عثمانی کی طرف سے نصب کر دیا گیا تھا) اعیان و شرفاءِ مدینہ سے ملاقات فرمائی اور ایک مؤثر تقریر کی جس میں زیارتِ مدینہ کی شرفیابی پر شکرِ الٰہی کا اظہار کیا۔ پھر سلطان معظم کی عنایت، عثمانی فوج کی خدمات اور اعیانِ حجاز کے اظہار محبت وخلوص کا تشکریہ اور تعریف و توصیف تھی۔

اعیان مدینہ نے زمانۂ قیام میں نہایت احترام ومحبت کا برتاؤ کیا۔ ہر ہائینس بھی اُن کے احترام ومحبت کا معاوضہ ویسے ہی اعزاز وخصوص سے فرماتی رہیں۔

مدینہ منورہ میں ڈھائی ماہ کے قیام کے بعد پھر یہ مبارک قافلہ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ علاوہ محافظ ترکی فوج کے شامی قافلہ بھی ساتھ تھا۔ مدینہ سے تیسری منزل پر قافلہ پہنچا تھا کہ بدوؤں کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا اور چوتھی منزل میں علانیہ بدوؤں نے گولیاں برسائیں۔ پہاڑوں کے سبب سے موقع نہایت سخت تھا کیونکہ یہ لوگ قدرتی حفاظت میں چھپ کر حملہ کرتے تھے۔ اور اس طرف سے حملہ کا جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ عام طور پر تمام قافلہ میں تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ اور گولیوں کی مسلسل بارش نے ایک عجیب ہل چل ڈال دی تھی۔ کئی گولیاں ہر ہائینس کے تختِ رواں کے پاس سے نکل گئیں مگر ہر ہائینس نہایت اطمینان و استقلال کے ساتھ سفر کرتی رہیں بالآخر آگے بڑھ کر ایک موقع پر اُن لوگوں نے اپنے تئیں پورے طور پر ظاہر کیا اور حملہ و مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آ گئے۔ فوج سلطانی نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ تمام بدو شکست کھا کر منتشر ہو گئے اُس کے بعد عنایتِ الٰہی سے کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ اور ۶ - ذیحجہ ۱۳۲۱ھ - ۲۳ - فروری ۱۹۰۴ء کو بارہ بجے قافلہ شاہی مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ والی اور شریف مکہ فوجی جمعیت اور بینڈ کے ساتھ بیرونِ شہر استقبال کے لئے موجود تھے۔ داخلہ کے وقت توپ خانہ سے باضابطہ شلکِ سلامی سر ہوئی۔

۲۱ - ذیحجہ تک ہر ہائینس مکہ معظمہ میں مقیم رہیں۔ اس عرصہ میں شریف اور والی مکہ کے علاوہ اکثر اعیان و امراء حجاز سے سلسلۂ ملاقات جاری رہا اور یہ کہنا ضرور نہیں کہ جو لوگ ہر ہائینس کی خدمت میں شرف یاب ہوتے تھے وہ کس قسم کا اثر اپنے ساتھ لیجاتے تھے۔

۲۲ - ذیحجہ کو ہر ہائینس فوجی حفاظت میں جدہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ساحلِ جدہ پر جہاز اکبر منتظرِ قدوم تھا۔ ۲۵ ذیحجہ کو جہاز نے لنگر اُٹھایا اور ۸ - محرم کو مع الخیر بمبئی کے ساحل پر پہنچا۔ یہ داخلہ چونکہ باضابطہ تھا اس لئے گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے گارڈ آف آنر اعزاز و استقبال کے لئے موجود تھا۔ بمبئی میں چند دن قیام فرمانے کے بعد دارالریاست میں تشریف لائیں۔ تمام

فوج ریاست استقبال کے لئے حاضر تھی۔ عام رعایا نے جس جوش و خروش اور محبت و خلوص کے ساتھ اپنے شفیق فرمانروا کا استقبال کیا وہ ایک نہایت مؤثر واقعہ تھا۔
تمام شہر کی نہایت تکلف کیساتھ آرایش کی گئی تھی۔ در و دیوار رعنائی و دلفریبی کی تصویر تھے۔ جھنڈیاں ہر طرف لہرا رہی تھیں۔ عام نشان مسرت کا یہ عالم تھا کہ عید سے بھی بڑھ کر کسی تقریب شادمانی کا دھوکا ہوتا تھا۔ ادنیٰ سے اعلیٰ تک اور ایک عام مزدور رعایا سے ارکان ریاست تک کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو پیکر انبساط نہ ہو اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ ہر ہائینس کے شفقت و محبت کی کشش مقناطیسی نے کوئی قلب ایسا نہ چھوڑا تھا جو بے اختیار انہ کھنچ رہا ہو کیونکہ محبت ایک ایسی جنس ہے جو صرف نقد محبت ہی سے خریدی جا سکتی ہے۔ ہر ہائینس کے قلب مبارک پر بھی اپنی رعایا کے اس پُر جوش خیر مقدم کا خاص اثر تھا۔
سفر حجاز میں بدوؤں کی شورش جن تکلیفات کا باعث ہوئی اور شریف مکہ نے جو کارروائیاں کیں وہ ظاہر ہے کہ محض طمع زر کے باعث تھیں۔

ہر ہائینس کا سفر حج ایسا نہ تھا جو معمولی طور پر شہرت پذیر ہوتا تمام بدو قبائل میں شہرت ہو گئی تھی۔ خود شیوخ ہمہ تن حرص بنے ہوئے تھے۔ ہر ہائینس محض بنظر ثواب جو کچھ ان لوگوں کو دینا چاہتی تھیں وہ اُن کے اندازۂ خیال سے بہت کم تھا۔ پس اُنھوں نے بجائے عاجزی و استدعا کے تکلیف و ایذا دیکر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا۔ لیکن یہ امر ہر ہائینس کی شان کے خلاف تھا کہ وہ کسی خوف سے دب کر بے اعتدالانہ جود و بخشش پر آمادہ ہو جائیں۔ یہی اسباب تھے جو ان خطرات و فسادات کا باعث ہوئے۔ البتہ جن شیوخ نے اظہار طماعی سے اپنے تئیں بچایا وہ ہر ہائینس کے جود و سخا اور فیاضی سے مالامال ہو گئے۔
ہر ہائینس سے پہلے فرمانروا خواتین میں صرف ہر ہائینس نواب سکندر بیگم صاحبہ کو حج کا شرف حاصل ہوا ہے لیکن جو احترام و عزت منجانب سلطنتِ عثمانیہ ہر ہائینس کے ساتھ کی گئی اُس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی +

سیاحتِ یورپ[1] | سیر و سفر کے تذکروں میں اکثر مثالیں یورپین لیڈیز کی بڑی بڑی سیاحتوں کی موجود ہیں اور خال خال مشرقی بیگمات کے بھی حالاتِ سفر نظر آجاتے ہیں۔ لیکن ان میں ہر ہائینس کی سیاحت فی الواقع عدیم المثال ہے۔

ہر ہائینس کا سنِ شریف اُس وقت ۵۴ سال کا تھا اس عمر میں یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہونا اور پھر وہ بھی مذہب و پردہ کی کامل پابندی کے ساتھ ایک عجیب حیرتناک امر ہے۔ بے شک مشرقی بیگمات ہی نہیں بلکہ عموماً مسلمان خواتین ارضِ حجاز و بغداد اور کربلائے معلیٰ کو حج و زیارت کے لئے جاتی ہیں اور بعض ہندو رانیاں اور امیر عورتیں یورپ کو بھی گئی ہیں اور چند یورپین لیڈیز نے دنیا کے اُن تمام حصص کی سیاحت کی ہے جہاں ریل و جہاز کے ذریعہ سے امکانِ سفر ہے۔ لیکن ہر ہائینس نے جس طرح سفرِ حجاز کیا وہ ناظرین پڑھ چکے ہیں اور سیاحتِ یورپ کے لئے جس طریقہ پر قدم اُٹھایا اور جس کو آخر تک نباہا وہ ناظرین کے زیرِ مطالعہ ہے۔ یہی تمام باتیں ہر ہائینس کے سفر کو ایک ایسا سفر بناتی ہیں جس کی مثال اس سے قبل نہیں دیکھی گئی ہے۔

اپریل ۱۹۱۱ء کو ہر ہائینس بندر بمبئی سے کالیڈونیا اسٹیمر پر سوار ہوئیں۔ اس سفر میں ہر ہائینس کے ہمراہ (۲۰) آدمی تھے۔ ان میں نوابزادہ حاجی حافظ کرنل محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر بالقابہ، نوابزادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر، علیا جناب شہریار دلھن صاحبہ بانوئے محترمہ کرنل صاحب بہادر، علیا جناب شاہ بانو صاحبہ بانوئے محترمہ نوابزادہ حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ہر ہائینس نے راستہ میں مارسیلز کی بھی سیر فرمائی۔ یہاں ہندیوں نے اپنے ملک کی ایک جلیل القدر والی ریاست کے اعزاز و اظہار محبت کے لئے پُرجوش اور شاندار استقبال کیا۔

---

[1] علیا حضرت کے اس سفر کے حالات کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں علیا جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ نے قلمبند کر کے "سیاحتِ سلطانی" کے نام سے شائع کیا ہے ۱۲

چونکہ ہر ہائینس پہلے فرانس کی سیر کرنا چاہتی تھیں اس لئے مارسیلز سے پیرس کو روانہ ہوئیں راستے میں اٹلی، سسلی اور پورٹ سعید کے مناظر بھی ملاحظہ کئے۔ پیرس پہنچنے پر ایک مشہور ہوٹل میجسٹک نامی میں مقیم ہوئیں۔ اور یہاں تاریخی مقامات اور عمدہ عمارات کی سیر فرمائی۔ میوزیم کو ملاحظہ کیا جو نپولین بونا پارٹ کے ایوان سلطنت میں ہے۔ اور جہاں لوئیس پانزدہم قید کیا گیا تھا۔ سب سے بڑے گرجا کو بھی دیکھا جو شہر پیرس کی ناک سمجھا جاتا ہے۔

ہر ہائینس کے اپنے مصاحبات و خدام سمیت ہوٹل میں پہنچنے سے بہت دیر پہلے اخباروں کے نامہ نگار، فوٹو گرافر اور سینو میٹو گراف (متحرک تصاویر) کے تماشہ دکھانے والوں نے ہوٹل کی عمارت کے تمام دروازوں کو گھیر لیا تھا کہ مشرقی ملکہ کے آتے ہی ان کی تصویریں لے لیں۔ اور اخباروں میں خبریں دوڑا دیں لیکن یہ لوگ اپنے اس خیال باطل کے پورا کرنے میں سخت مایوس ہوئے کیونکہ انگریزی افسروں نے جو ہمرکاب تھے دانشمندی اور سیاسی حکمت عملی سے نہایت عجلت کے ساتھ ہر ہائینس کو قیامگاہ کے کمروں میں پہنچا دیا اور یہ لوگ سوائے سفید سفید ٹوپی دار برقعوں کے جلوس کے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ لطف یہ ہے کہ اس پر اسرار منظر نے اہل پیرس کے دلوں میں اور بھی اشتیاق بڑھایا کہ وہ علیاحضرت کے متعلق مزید استفسار کریں۔

پیرس کی سیر کے بعد ہر ہائینس انگلستان تشریف لے گئیں۔ ڈوور تک بحری سفر تھا اور ڈوور سے ریڈہل تک اسپشل ٹرین میں سفر کیا۔ ڈوور پر اسپشل ٹرین ساحل سمندر تک لائی گئی یہاں تک کہ سیلون کا دروازہ جہاز کے قریب ہو گیا۔ ہر ہائینس نے ریڈہل میں قیام فرمایا۔ یہ ایک فرحت افزا مقام ہے جو لندن سے چند گھنٹہ کے فاصلے پر واقع ہے اور مضافات لندن میں داخل ہے۔

چونکہ ہر ہائینس ہمیشہ مناظر قدرت کی شایق ہیں اور آبادی کے شور و شغب سے دور رہنا پسند کرتی ہیں اس لئے خاص لندن میں قیام کرنا پسند نہ فرمایا اور اس قصبہ کو انتخاب کیا

ایک اخبار نے ریڈھل میں ہرہائینس کی مصروفیتوں کے متعلق تحریر کیا تھا کہ:۔

"ہرہائینس پابندِ اوقات اور صبح اُٹھنے والی ہیں۔ وہ نہایت مضبوط کیرکٹر رکھتی ہیں
۵ بجے صبح اُٹھتی ہیں اور ۷ بجے ناشتہ فرماتی ہیں۔ ناشتہ سے پہلے اپنے گراونڈ پر
چہل قدمی کرتی ہیں اور پھر دوسری مرتبہ ٹہلتی ہیں۔ اُس کے بعد کچھ مطالعہ کرتی ہیں
اور پھر اپنے ہمراہی لیڈیز کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہوتی ہیں۔ دن بھر گھر کے
اندر رہتی ہیں انگریزی اور دوسری زبانوں کے اخبارات کا مطالعہ کرتی ہیں۔ ناول
پڑھتی ہیں لیکن عمدہ تصنیفات کو ترجیح دیتی ہیں اگرچہ اُن کی لیڈی ڈاکٹر کے پاس انگریزی
ادویات کا بکس ہے لیکن ہرہائینس بہت تندرست ہیں۔ دن کا معمول حصہ پینٹنگ
میں بھی صرف فرماتی ہیں۔"

ہرہائینس نے مدارس اور شفاخانجات، نباتات کے شاہی باغ کا معائنہ کیا۔ پال مال
میں واٹر کلر اگزیبیشن کی سیر کو بھی تشریف لے گئیں۔ جہاں اُن کو پریسیڈنٹ نے ریسیو کیا۔
مارل برو ہوس میں ملکۂ الگزنڈرا (کوئن مدر) سے ملاقات کی اور قصر بکنگھم میں ۹۔ مئی کو جبکہ ملک
معظم جارج پنجم قیصر ہند کا پہلی مرتبہ نہایت شاندار دربار منعقد ہوا تھا اعزازِ حضوری حاصل کیا
انعقادِ دربار سے تھوڑی دیر پہلے ڈیر مجسٹیز نے ہرہائینس اور نوابزادہ کرنل محمد عبید اللہ خاں
صاحب بہادر کو ریسیو کیا۔ پھر یہاں سے درباری کمرے میں تشریف لے گئیں۔ جہاں سے اس
شاہی دربار کا نظارہ کیا۔

۲۳۔ جون یوم جمعہ کو تاج پوشی کا جو عظیم جلوس قصر بکنگھم کو کیا گیا تھا اور جس میں تمام سلطنت
کے قائم مقام شریک تھے ہرہائینس نے اُس میں بھی مع ہر دو نوابزادگان ممدوح الشان کے
شرکت کی وہ ایک کھلی گاڑی میں بہ لباسِ برقع اُن کے ہمراہ سوار تھیں۔ غرض تمام شاہی تقریبات
میں شرکت کی۔ مختلف سوسائٹیوں اور امرا کی پارٹیوں میں بھی شریک ہوئیں۔

ہرہائینس نے اپنے نہایت معزز و ممتاز احباب ارل اور کونٹس آف منٹو، اور دیگر یورپین

جنٹلمین اور لیڈیز سے جن سے ہندوستان میں راہ و رسم تھی اور دیگر ہندوستانی احباب سے جو یہاں مقیم تھے ملاقاتیں کیں ایک مرتبہ ناہم میں بھی تشریف لے گئیں۔ جو پروشیا میں واقع ہے اور جہاں کا ہسپتال بہت مشہور ہے اور اس میں بجلی کے ذریعہ سے علاج کیا جاتا ہے۔

انگلستان میں ڈیڑھ مہینہ قیام کے بعد براہ جنیوا اور بوڈاپسٹ وغیرہ استنبول داخل ہوئیں داخلہ بالکل پرائیوٹ تھا تاہم علاوہ عہدہ داران سفارتِ برطانیہ کے سلطان المعظم کے ایک سکرٹری اور ایک اے ڈی کانگ اسٹیشن پر موجود تھے اور شاہی گاڑی بھی حاضر تھی۔ اس میں سوار ہو کر پیرا تشریف لے گئیں جہاں قیام قرار پایا تھا۔ سفیر برطانیہ سے تھراپیا میں ملاقات ہوئی۔ وزرائے عثمانی بھی ملاقات کو آئے۔ احمد رضا بے ہیڈ آف پارلیمنٹ کے زنانہ مدرسہ کا بھی معائنہ کیا۔ اُنکی بہنوں سے بھی ملاقات ہوئی جو نہایت تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بھی قابل ترکی خواتین ملنے کو آتی رہیں۔ اعلیٰحضرت سلطان المعظم سے سفیر برطانیہ کے ذریعہ سے دولما باغچہ میں ملاقات ہوئی۔ اور فارسی میں گفتگو ہوئی پھر حضور ممدوحہ سلطانہ سے ملنے کو حرم سرا میں تشریف لے گئیں۔ خود سلطان المعظم ہمراہ تھے اور تعارف کرانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ آٹھ روز قیام کے بعد تھراپیا کے سمر پیلس ہوٹل میں قیام کیا۔ خرقۂ مقدس، قدمِ شریف، علمِ مبارک حضرت عثمانؓ کے قلمی نسخہ قرآن مجید جو وقت شہادت آپ تلاوت کر رہے تھے اور جس پر ہنوز خون کے داغ موجود ہیں، حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ کی تلواروں کی زیارت کی۔ اس سفر میں حضور ممدوحہ کو سلطان المعظم نے ایک نہایت مقدس تحفہ دیا جو بھوپال کے لئے دائمی خیر و برکت کا باعث رہے گا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک جو سلطان المعظم کی ذاتی ملکیت تھا۔

یہاں سے بیت المقدس کا ارادہ تھا لیکن شدتِ گرما وغیرہ کے باعث ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ بہرحال یہاں سے روانہ ہو کر بڈھاپسٹ تشریف لائیں۔ مشہور پروفیسر ومبیری سے ملاقات ہوئی۔ فلارنس کا خوبصورت شہر دیکھا اور یہاں دوگانہ عید الفطر ادا کیا۔ پھر برنڈزی سے پورٹ سعید ہوتے ہوئے قاہرہ میں داخلہ ہوا۔ یہاں آنے کی اطلاع پہلے سے لارڈ کچنر بہادر کو

کردی گئی تھی اور اُنہوں نے مصری گورنمنٹ کو مناسب ہدایات دیدی تھیں۔ پورٹ سعید میں خدیو کا سیلون موجود تھا۔ مصری گورنمنٹ نے باقاعدہ استقبال کا انتظام کیا تھا۔ قاہرہ کے مشہور مقدس مقامات کی زیارت کی۔ لارڈ کچنر ملاقات کے لئے آئے اور ہر ہائنیس نے بھی بازدید کی۔ خدیو موجود نہ تھے۔ اس لئے اُن سے ملاقات نہ ہوسکی۔ یہاں سے روانہ ہو کر ۲۲ اکتوبر کو مع الخیر ساحلِ بمبئی پر اور اُسی دن ریل میں سوار ہو کر ۲۳۔ اکتوبر ۴ بجے، ۷ ماہ ۱۶ یوم کے سفر کے بعد دار الریاست میں رونق افروز ہوئیں۔

اس سفر میں ہر ہائنیس نے اپنی ممتاز صفت پردہ کو کہیں ترک نہیں کیا حتیٰ کہ جب اعلیحضرت سلطان المعظم کی ملاقات کو گئیں تو اگرچہ عثمانی قاعدہ کے مطابق کوئی نقاب پوش خاتون اعلیٰ حضرت کے سامنے حاضر نہیں ہوسکتی اس لئے ہر ہائنیس سے کہا گیا کہ نقاب اوتار دیں لیکن آپ نے صاف انکار کردیا اور جب سلطان المعظم کو اطلاع کی گئی تو صرف حضور ممدوحہ کی ذات کے لئے اس قاعدہ میں استثنا کیا گیا۔

ہر ہائنیس کی سیاحت کے متعلق اکثر اخبارات میں عجیب مضمون شائع ہوئے جنکو ہم ہندوستانی لوگ دیکھکر مضمون نگاروں کی معلومات پر قہقہہ لگائیں تو بھی بیجا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کے اخبارات کو مشرقی معلومات بہت کم ہیں اور وہ مسلمانوں کی معاشرت و حالات سے بالکل بیخبر ہیں یا انکا علم قصص و حکایات یا ادنےٰ قسم کی تاریخوں تک محدود ہے۔ مثلاً ایک اخبار نے لکھا تھا کہ:۔

"وہ اپنے ساتھ پینے اور استعمال کا پانی جس کی اُن کے ملک سے باہر ضرورت ہوگی ہمراہ لائی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے دین آنکھیں اُن کو نہ دیکھ سکیں۔ ہمیشہ برقع میں رہتی ہیں کیونکہ ہندوؤں میں جیسی کہ وہ ملکہ شمار کیجاتی ہیں ویسے ہی خدا کا اوتار مانی جاتی ہیں۔"

ایک اخبار ایک ہمراہی مولوی صاحب کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

اُن کے ساتھ وہ راہب ہیں جن کا یہ عہد ہے کہ وہ اپنی ملکہ کی مغربی وحشیوں کے جادو سے

حفاظت کریں گے۔"

ان ہی مولوی صاحب کو کہیں پجاری اور کہیں منتظم کے نام سے خطاب کیا گیا ہے۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ:-

جب مشرقی ملکہ کا سفر ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہاتھی متقدس طاؤس اور غلام بھی ساتھ رہتے ہیں اُنھوں (ہر ہائینس) نے یورپ کی دریوں پر بھی قدم رکھنے سے انکار کیا اور مشرقی قیمتی قالینوں پر اُن کا پاؤں رکھا جاتا ہے۔"

ہندوستان کے سفروں کے حالات | ہر ہائینس نے علاوہ اُن سفروں کے جو سرکار خلد مکان کی معیت میں کئے صدر نشین ریاست ہونے کے بعد شاہنشاہی درباروں اور تقریبات کی شرکت اور قومی انسٹی ٹیوشنوں کے ملاحظہ کیلئے حصص ہند میں متعدد سفر کئے ہیں۔ اور ان سفروں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ہر ہائینس نے ہمیشہ اُن سے نتائج اخذ کئے اور سفر کا اصل مقصد صرف سیر و تفریح اور ملاقات ہی نہیں سمجھا بلکہ اُس میں کوئی قومی و ملکی مقصد پیش نظر رکھا ہے اور علاوہ شہنشاہی تقریبات کے موقعوں کے ہمیشہ سادگی کے ساتھ یہ سفر کئے ہیں۔

دہلی | مسند آرائے ریاست ہونے کے بعد سب سے پہلا سفر ۱۹۰۳ء کے دربار کارونیشن دہلی کے لئے کیا۔ ۱۸۷۷ء کے دربار کے بعد یہ دوسرا موقع دارالسلطنت دہلی کی اس عظیم الشان تقریب کی شرکت کا تھا اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ جس سال ہز امپیریل مجسٹی دی کنگ ایڈورڈ سریر آرائے برطانیہ ہوئے اُسی سال ہر ہائینس بھی مسندِ ریاست پر جلوہ افروز ہوئیں۔

ہر ہائینس کا کیمپ رُہتک کی سڑک پر نصب کیا گیا تھا جس پر ایک سبز جھنڈا شان و شوکت کے ساتھ نمایاں صورت میں لہرا رہا تھا۔ اُس پر ہلال کا خوشنما دائرہ اور زردوزی سے عربی فارسی کے درخشندہ طغرے صاف ظاہر کر رہے تھے کہ یہ ایک مسلمان والی ملک کا کیمپ ہے۔ اس کیمپ میں سب سے زیادہ قابل دید چیز ایک اونچی قنات تھی جو وسط میں نصب کی گئی تھی جو چاروں طرف سے سراپردۂ شاہی کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔

باغ نہایت خوبصورتی کے ساتھ لگائے گئے تھے اور صبح سے شام تک ریاست کا مشہور بینڈ بجتا رہتا تھا۔

ویرا کسلنسیز وبیسرائے ولیڈی کرزن وویررائل ہائینس ڈیوک وڈچز آف کناٹ کے داخلۂ دہلی کے وقت ہرہائینس کے لئے پلیٹ فارم پر رئیسوں کی قطار کے داہنے سرے پر ایک چھوٹا سا رنگین شامیانہ نصب کردیا گیا تھا جس کے دروازے پر زربفت کی چلمن پڑی ہوئی تھی۔ ہرہائینس اسی میں تشریف فرما ہوئیں اور ویرا کسلنسیز اور ڈیوک وڈچز آف کناٹ نے شامیانے کے پاس تشریف لاکر ملاقات کی۔

یکم جنوری کو جب ایمفی تھیٹر میں ہز اکسلنسی وبیسرائے کی تقریر کے بعد رؤسا پیش ہوئے تو ہرہائینس بھی اپنی جگہ سے شہ نشین تک تشریف لے گئیں۔

ہرہائینس نے خاتون پردہ نشین ہونے کی وجہ سے خاص اپنی مبارکباد بصورت تحریر پیش کی جو ایک کاسکٹ میں رکھی ہوئی تھی اور وہ متعدد بیش بہا جواہرات سے مرصع تھا اور جس پر نواب احتشام الملک عالی جاہ جنت آشیان اور تینوں صاحبزادوں کی تصویریں ہاتھی دانت پر کندہ تھیں ہرہائینس نے ہز اکسلنسی وبیسرائے سے مصافحہ کرنے کے بعد یہ شاہی تحفہ پیش کیا۔ غرض ہرہائینس نے تمام تقریبات دربار میں حصہ لیا اور بہ لباس برقع ونقاب شریک ہوئیں۔

۱۹۱۱ء کا دربار دہلی دسمبر ۱۹۱۱ء کے مشہور دربار دہلی میں شریک ہوئیں اور ہر تقریب میں برقع و نقاب کے ساتھ آزادانہ حصہ لیا۔ جب بارگاہ خاص میں تمام رؤسا، و والیانِ ملک کو فرداً فرداً اعلیٰحضرت شہنشاہ معظم نے باریابی عطا فرمائی ہے تو ہرہائینس نے اس موقع پر ایک فصیح ومختصر تقریر میں مبارکباد دی اور ایک ایڈریس پیش کیا جو کشتی کی شکل کے کاسکٹ میں رکھا ہوا تھا اور اس کے کمروں میں ہرہائینس اور خاندان کے ممبروں کی تصویریں تھیں۔ اور اس کشتی کو ہندوستانی ملاح کھے رہے تھے۔ جس وقت یہ ایڈریس پیش ہوا ہے تو ہرہائینس نے انگریزی میں کہا کہ "یہ تحفہ ہمارے جہازران بادشاہ کے لئے ہے"

اعلیٰحضرت نے اس تحفہ کو بہت پسند فرمایا اور ارشاد کیا "یہ تحفہ میرے شوق کے مطابق ہے"
تذکرہ دربارِ قیصری کے سلسلہ میں ایک قابل و معزز یورپین خاتون "مسز بیری بلنگٹن" کا ایک مضمون مندرجہ وومینس میگزین مئی ۱۹۱۲ء کا اقتباس خاص طور پر دلچسپ ہے۔ خاتون موصوفہ دربار میں شریک تھیں اور ان کو ہر ہائینس سے ملاقات و تبادلۂ خیالات کا موقع ملا تھا انہوں نے اس مضمون میں ہر ہائینس کے مختصر حالات بطور تذکرہ کے تحریر کئے ہیں جو جزءً حضور ممدوحہ کی کتاب این اکونٹ آف مائی لائف (تزک سلطانی) سے لئے گئے ہیں اور جزءً اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات سے لکھے ہیں اور تمہید میں ذات و صفات شاہانہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جزوِ اوّل تفصیل کے ساتھ اس تذکرہ میں موجود ہے اُس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ البتہ تمہید اور جزو دوم کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جو دلچسپی سے مملو ہے۔

"ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے تمام فرمانرواؤں میں علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو ذاتی اوصاف اور قابلیت کے اعتبار سے جو برتری اور اعلیٰ اعزاز حاصل ہے وہ کسی فرمانروا کو بھی حاصل نہیں آپ کو مختلف حیثیتوں سے جو مابہ الامتیاز وقار حاصل ہے وہ اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ آج کل کوئی خاتون ایسی نہیں اور نہ کسی کے ہونے کی امید ہے کہ جو ایک ہندوستانی تخت پر حکومت کرے بعد ملکہ معظمہ کے آپ ہی اپنی صنف میں ایسی ہیں جو گرینڈ کراس آف دی آرڈر آف دی اسٹار آف انڈیا کے خلعتِ فاخرہ اور تمغہ کو زیب تن فرماتی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایسے ہی اعلیٰ مرتبہ کے آرڈر آف دی انڈین ایمپائر کا افتخار بھی صرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ ان دونوں کے ساتھ ساتھ عدیم المثال طریقہ سے آپ کو کراؤن آف انڈیا ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے سوائے آپ کے ہندوستان کی بڑی سرزمین میں کسی خاتون کو بھی یہ وقار حاصل نہیں جس کو تقریبات سلطنت کے تمام مواقع پر اکیس توپوں کی سلامی دی جاتی ہو۔ آپ کو انگریزی اور فارسی کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت حاصل ہے۔ آپ نے دور دور تک

سفر فرمایا ہے۔ مساوی حیثیت سے ہوم گورنمنٹ اور ہندوستانی گورنمنٹ اور ہندوستانی انگریزی احباب کو آپ پر کامل اعتماد ہے۔ غالباً متوسط درجہ کی انگریزی خواتین کو (جو ہمیشہ عورتوں کی مساوات پہ بحث کیا کرتی ہیں) تاریخ ہندوستان سے بہت ہی کم واقفیت ہے اس لئے وہ ریاست بھوپال کی جگمگاتی ہوئی مثال کو پیش نہیں کرتیں کہ خواتین معاملات حکومت میں کیا کیا کر سکتی ہیں۔

پرائیویٹ زندگی | جب میں دربار کے موقع پر دہلی گئی تھی تو مجھکو اپنی خوش نصیبی سے ایک بار سے بادہ علیا حضرت سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ آپ کا شاندار خیمہ تھا۔ خاص ملاقات کے خیمہ میں ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی تصویریں تھیں جو ملک معظم اور ملکہ معظمہ نے خود عطا فرمائی تھیں۔ یہ تصاویر خوبصورت گنگا جمنی چوکھٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ نادر و کمیاب قالین بچھے ہوئے تھے اور پہلوؤں میں خوبصورت ریشم کے پردے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔

دربار کے اگلے دن علیا حضرت خاص خاص یورپین خواتین اور نیز بہت سی رانیوں اور دیگر ہندوستانی خواتین کو سہ پہر کے وقت پارٹی میں مدعو فرما رہی تھیں۔ آپ نے مجھکو یہ افتخار بخشا تھا کہ میں دیگر مہمانوں سے نصف گھنٹہ پیشتر آؤں تاکہ کچھ لطف گفتگو رہے۔ چنانچہ میں قریب قریب انگریزی اور امپیریل افواج کے شاندار منظر کو دیکھکر براہ راست آئی تھی۔
فطرتی طور پر آپ کا پہلا سوال یہ تھا کہ ہندوستان کے باقیماندہ دیسی رسالوں کے ساتھ ساتھ وکٹوریہ لانسرز بھی اچھا معلوم ہوتا تھا یا نہیں؟
میں نے علیا حضرت کو یقین دلایا کہ پریڈ کے وسیع میدان میں وکٹوریہ لانسرز کے مقابلہ میں کسی مارچ پاسٹ کیا پرجوش اور سرپٹ رفتار میں کسی نے بھی اس سے زیادہ پھرتی اور بہادری کا ثبوت نہیں دیا۔
اگرچہ صبح آپ کے لئے مایۂ ناز تھی لیکن افسوس کی گھٹا بھی چھائی ہوئی تھی۔ آپ کے منجھلے

فرزند (جو آپ کو اس لئے زیادہ عزیز ہیں کہ اُنھوں نے ایک نیک مسلمان کی حیثیت سے
سب سے نمایاں اعزاز حاصل کیا تھا یعنی وہ حافظِ قرآن ہیں) سخت بیمار تھے اور وہ ان بڑی
بڑی تقریبوں میں بالکل شریک نہ ہو سکے اس واقعہ سے چند روز پیشتر علیا حضرت نے ملکہ معظمہ
سے اس موقع پر جبکہ ملکہ معظمہ نے آپ کو تخلیہ میں شرف باریابی عطا فرمایا تھا) اپنی پریشانی
خاطر کا اظہار کیا تھا ملکہ معظمہ نے (جو ہر وقت ہمدردی کے لئے تیار رہتی ہیں اور جو اُن کی
طبیعت کا خاصہ ہے) اپنے خاص سرجن سر ہیو ریلاک چارلس کو اس نوجوان کے دیکھنے
کے لئے بھیجا تھا۔ سرجن مذکور نے جو رائے دی وہ بالکل مسرت خیز نہ تھی۔ چنانچہ جب علیا
حضرت اس امر کا تذکرہ فرماتی تھیں تو اُن کے چہرے سے غم کی جھلک نظر آتی تھی اور اسی کے
ساتھ آپ کی اُس شکرگذاری اور افتخار کا اظہار بھی صاف صاف نمایاں تھا جو ملکہ معظمہ
کی پُر اثر تشویش خاطر سے پیدا ہوا تھا۔

میزبان کی حیثیت | میزبان کی حیثیت سے آپ بہمہ وجوہ کامل تھیں۔ ہر شخص بے تکلف
تھا آپ اپنی ذہانت اور ادراک سے معلوم کر لیتی تھیں کہ ہر ایک مہمان کو کس کس بات سے
خاص دلچسپی ہے۔ چار اور انواع اقسام کی بہ کثرت یورپین انداز کی کیک کے ساتھ ساتھ
عجیب و غریب مشرقی مٹھائیاں بھی موجود تھیں۔ اور بڑے بڑے پھلوں کے نمونے شکر پر
منقش تھے جو اصلی معلوم ہوتے تھے۔

اس خاص موقع پر نہیں بلکہ اس سے پہلے تقریب دربار کے موقع پر آپ نے ایک بڑی
پیاری بات کہی۔ کسی حرف گیر شخص نے یہ شکایت کی تھی کہ جلوس کے وقت ملک معظم اور
ملکہ معظمہ کی سواری کے لئے ہاتھی نہ تھے یہ کسر ضرور رہ گئی۔ علیا حضرت نے آہستہ سے کہا
کیوں؟ نکتہ چین نے حسب معمول نپا تلا جواب دیا کہ مشرقی شان و شوکت کے لئے یہ ضروری
ہے غرضکہ اس قسم کی باتیں کہیں۔ علیا حضرت نے کسی قدر زور سے جواب دیا لاحول ولا
قوۃ یہ بھی کوئی بات ہے۔ دہلی کا پہلا فاتح گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا ملک معظم جارج نے بھی

مسودهٔ قلمی هر هائینس نواب شاه جهان بیگم صاحبه خلد مکان

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد بیحد آن احسن الخالقین را که این نوع انسان را در
اشرف مخلوقات و اکرم کائنات ساخت و نسل آدم ابو
البشر را از بطن حوا علیهم السلام در همه اقالیم دنیا پراگنده نمود
و صلاة و سلام بجناب نبوت که بعلم الیقین [illegible] را در [illegible]
از دیاد و کثرت امت مرحومه فرزند را [illegible]
اطفال و تعلیم و تربیت اولاد خود [illegible]
و سلام بر آل و اصحاب که [illegible]
[illegible] صلعم آمد اما بعد [illegible] اکثر
زنان بسبب جهل و نادانی خود اولاد خود را خصوصی
دختران را بی علم و بی فن میدارند و آنها بسبب بی علمی
و بی هنری در ابتدا از تکلیف هر نوع گرفتار [illegible] بوده
آخر الامر با فلاس و غیره مبتلا می مانند بلکه همه مال و اسباب
که در ترکه و غیره از جانب والدین یا طرف شوهر بدست می آید

جو ہمارے دلوں کا فاتح ہے یہی کیا ہے۔"

مذاق علمی | آپ کی باتیں بڑی پر لطف ہوتی ہیں۔ آپ کے متین و سنجیدہ مگر شفقت آمیز چہرے سے آپ کے اخلاق کا استحکام ہویدا ہے آپ انگریزی علم ادب کی بڑی قدر فرماتی ہیں۔ تمام بہترین کتابیں شائع ہوتے ہی اور زیادہ عمدہ رسالے (جن میں دو مینس میگزین بھی شامل ہے) برابر آپ کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ نے بارہا اپنی کامل انگریزی دانی کے ثبوت بھی دیے ہیں۔

نمایاں موقعوں پر آپ کی تقریریں قابل اعتراف طریقہ سے تیار ہو کر دی گئی ہیں۔ آپ فارسی کے اساتذہ کی کتابیں بڑی خوشی سے پڑھتی ہیں۔ خواہ اس زمانہ کو لیجئے یا کسی اور زمانہ کو نواب سلطان جہاں بیگم ایک نہایت ہی غیر معمولی قابلیت کی خاتون ہیں اور ہندوستان میں آپ سے بڑھ کر انگریزی سلطنت کا کوئی زیادہ عقلمند یار یا دہ عقیدت کیش حامی نہیں ہے"

اس دربار کے علاوہ متعدد مرتبہ دہلی جانے کا اتفاق ہوا رؤسا ہند کی اعلیٰ تعلیم کی بابت جو کانفرس ہوئی تھی اُس میں بھی شریک ہوئیں اور پھر چیفس کانفرس کے اجلاسوں میں شریک ہو کر نہایت بیدار مغزی اور دلچسپی سے حصہ لیا اور اُس ڈنر میں شریک ہوئیں جو رؤسا ہند نے امپیریل وار کانفرس کے ہندوستانی ممبروں کو دیا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر آنریبل مسٹر مانٹیگو سے ملاقات ہوئی اور دیر تک مختلف معاملات پر گفتگو ہوئی

ہر ہائینس نے دہلی میں ایک زنانہ باغ کا بھی افتتاح کیا جس کا انتظام مسز ہیلی نے ہندوستانی عورتوں کے لئے کیا ہے۔

اپریل ۱۹۱۸ء میں وار کانفرنس میں مدعو ہوئیں۔

ہندوستان کی تاریخ برطانیہ میں بہت سے موقعے دہلی اور کلکتہ وغیرہ میں سرکاری طور پر عام اجتماع کے ہوئے ہیں حتیٰ کہ پچھلے تین دربار تاریخ عالم میں یادگار ہیں۔ لیکن اپریل کا اجتماع جو تمام حصص ہند کے چیدہ اور سربرآوردہ اصحاب امپیریل کونسل کے ممبروں اور والیان ملک کا

ایوانِ کونسل میں ہوا تھا جس میں ہز اکسلنسی ویسرائے نے ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم کا وہ مشہور پیغام سُنایا جس میں موجودہ جنگ کے متعلق اہل ہند کو امداد کے لئے توجہ دلائی گئی ہے۔ پھر امداد کے متعلق ریز ولیوشن پیش ہوئے۔ اس موقع پر ہر طبقہ کے اصحاب نے تقریریں کیں۔ ہر ہائینس نے بھی ایک مختصر تقریر انگریزی میں ارشاد کی۔ اگرچہ ہر ہائینس انگریزی میں بلا تکلف گفتگو فرماتی ہیں، کتابیں ملاحظہ کرتی ہیں اور اپنی تصانیف میں بعض اوقات اپنے ترجموں سے مدد لیتی ہیں لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ ایسے منتخب مجمع میں آپ نے انگریزی میں تقریر فرمائی۔

یہ تقریر اس لحاظ سے اور بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اگرچہ آپ بہ حیثیت ایک والیہ ملک کے اُس وقت موجود تھیں مگر آپ اپنی ذات مبارک سے نصف آبادیِ ہندوستان کی قائم مقام تھیں۔ اور آپ کی موجودگی اُن جذبات کو ظاہر کر رہی تھی جو ہندوستان کی عورتوں کے دلوں میں تاجدارِ برطانیہ کے ساتھ اور حفاظت و حمایت سلطنت کے متعلق ہیں۔

جس وقت ہر ہائینس تقریر فرما رہی تھیں تمام حاضرین جلسہ آپ کے اندازِ تقریر اور پُرجوش لہجہ پر متحیر تھے۔ خصوصاً گیلری میں جس قدر یورپین خواتین موجود تھیں اُن کی خوشی اور اظہارِ مسرت کے چیرز سے تمام ایوان گونج اُٹھا تھا۔

اندور — ہر ہائینس کئی مرتبہ اندور تشریف لے گئی ہیں اور یہیں ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز (یعنی شہنشاہ ملک معظم جارج پنجم) سے جب حضور ممدوح ۱۹۰۴ء میں تشریف لائے تھے ہر ہائینس نے ملاقات کی تھی۔ اور اسی موقع پر خود ولیعہد سلطنتِ برطانیہ نے علیا حضرت کو تمغہ، جی، سی، آئی، ای عطا فرمایا تھا۔ ڈیلی کالج کونسل کے اجلاس اندور ہی میں منعقد ہوتے ہیں۔ اور اُن اجلاسوں میں عموماً تشریف لے جاتی ہیں۔

پہلی مرتبہ جب ہر ہائینس اس اجلاس میں شریک ہوئیں تو کونسل کا رنگ ہی بدل گیا اور آنریبل کرنل ڈیلی نے اس کا اعتراف مہاراجہ سیندھیا بہادر کے خاص الفاظ میں ایک ڈنر کی تقریر میں اس طرح کیا کہ:-

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب یور ہائینس پہلی مرتبہ ڈیلی کالج کی مینیجنگ کمیٹی کے ایک جلسے میں شریک ہوئی تھیں تو مہاراجہ سیندھیا نے اس جلسہ سے واپس آکر ہم سے کہا تھا کہ اس سے پہلے تمام معاملات ایسی صفائی اور خوش انتظامی کے ساتھ طے نہیں ہوئے"

آگرہ کا مشہور دربار | ۱۹۰۵ء میں آپ آگرہ کے اُس مشہور معروف دربار میں شریک ہوئیں جو ہز مجسٹی امیر افغانستان کی سیاحت ہند کے زمانے میں ہز اکسلنسی لارڈ منٹو نے منعقد کیا تھا اور پہلی مرتبہ ایک غیر ملک کے ہم مذہب بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ ہر ہائینس نے گارڈن پارٹی وغیرہ میں ہز مجسٹی سے از اول تا آخر مختلف معاملات پر فارسی زبان میں گفتگو فرمائی اور اس بے تکلفی و روانی و سلاست کے ساتھ کہ ہز مجسٹی کو بھی استعجاب ہوا اور بیساختہ آنکے مُنہ سے یہ شعر نکل گیا ؎

نہ انجیر شد پختہ ہر میوۂ ✣ نہ شلِ زبیدست ہر بیوۂ

شملہ | ۱۹۱۰ء میں شملہ تشریف لے گئیں جہاں آپ کو جی، سی، ایس، آئی کا تمغہ لارڈ منٹو نے دیا اس موقع پر آپ نے پہلی مرتبہ یورپین بچوں کا فینسی بال ملاحظہ کیا۔ لیڈی ڈین کی پارٹی میں بہت سی ہندوستانی خواتین و بیگمات سے ملاقاتیں ہوئیں۔

الہ آباد | دسمبر ۱۹۱۰ء میں مشہور عالم نمائش دیکھنے کی غرض سے الہ آباد تشریف لے گئیں اور نمائش کے ہر صیغہ کو بنظرِ امعان دیکھا۔ یہاں مہامنڈل سبھا کے جلسے میں شریک ہوئیں جو رانی پرتاب گڈھ نے قائم کی تھی۔ اس جلسہ میں حضور ممدوحہ کا ارادہ کسی تقریر کا نہ تھا لیکن تمام تقریریں انگریزی میں ہوئی تھیں۔ اور بہت زیادہ عورتیں انگریزی سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ تقریریں سمجھ نہ سکتی تھیں اور نہ کارروائی میں حصہ لے سکتی تھیں اس لئے حضور ممدوحہ نے بغیر کسی ماقبل تیاری کے اُردو میں تقریر کرکے مہامنڈل سبھا کے فوائد وغیرہ بیان کئے اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

بمبئی | لارڈ منٹو، لارڈ ہارڈنگ ویرا میپریل مجسٹیز اور ممبرانِ امپیریل وار کونسل کو خدا حافظ کہنے اور دوسری ضرورتوں سے بمبئی کا بھی چند مرتبہ سفر کیا۔ اور یہاں کے تقریبًا کل زنانہ

انسٹی ٹیوشنوں کو بنظرِ امعان ملاحظہ کیا اور قابل و تعلیم یافتہ لیڈیز کو شرفِ ملاقات عطا فرمایا۔
۱۹۱۰ء میں مظفر الملک والدین اعلیٰحضرت حضور نظام آصف جاہ سابع میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ اور بیگمات سے ملاقاتیں ہوئیں دورانِ قیام بمبئی میں کئی دفعہ پونہ کی سیر کے لئے بھی تشریف لے گئیں۔

علیگڑھ | ۱۹۱۰ء میں منصوری سے واپسی میں محمڈن کالج کا معائنہ فرمایا۔ کلاسوں کو بحالت تعلیم ملاحظہ کیا۔ سائنس لیبارٹیری اور بورڈنگ ہاؤس، لٹن لائبریری، اسٹریچی ہال، نظام میوزیم، اسکول اور انگلش ہاؤس وغیرہ تشریف لے گئیں۔
سر سید، سید محمود، نواب محسن الملک کے مزارات پر فاتحہ پڑھی اور مسجد دیکھی۔ غرض کامل تین گھنٹے تک ہر حالت، ہر صیغے اور ہر بورڈنگ ہاؤسوں کو بنظر غور ملاحظہ فرمایا۔ مختلف سوالات اور مختلف ریمارک کئے۔ دوسرے وقت زنانہ اسکول کی عمارت کے نقشے ملاحظہ کئے اور اسکول کے متعلق ہر مسئلہ پر خیالات ظاہر فرمائے اور شام کو خواتین سے ملاقات کی اور زنانہ مسائل پر گفتگو رہی۔

پھر ۲۵۔ فروری ۱۹۱۱ء کو تشریف لے گئیں۔ اور اس موقع پر کئی دن تک قومی کاموں میں مصروف رہیں۔ اس سفر میں بیگم صاحبہ جنجرہ اور زہرا بیگم صاحبہ بھی ہمراہ تھیں۔ چونکہ زہرا بیگم فیضی صاحبہ واقعہ نگاری میں ید طولےٰ رکھتی ہیں اور قومی نقطۂ نظر سے اس سفر کے حالات بھی بہت ہی دلچسپ ہیں لہذا اُن ہی کے ایک مضمون سے اقتباس کر کے لکھے جاتے ہیں:۔

> ہم لوگ یعنی ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جزیرہ اور میں سرکار عالیہ (فرماں روائے بھوپال) کے ساتھ ۲۵ فروری کو سویرے علی گڑھ روانہ ہوئے۔ سرکار عالیہ کا سیلون نہایت نفیس اور اسبابِ آسائش سے معمور ہے۔ ہلکے آسمانی رنگ کا فرنیچر ہے۔ اور ایسے ہی پردے اور قالین وغیرہ ہیں جس سے موزونیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ لکڑی کی چیزوں پر بھی سنہرے نقش و نگار ہیں جو نہایت نظر فریب ہیں۔ خوابگاہ میں تمام ضروری چیزیں موجود ہیں اور

بڑے آرام کے ساتھ سفر ہو سکتا ہے۔ گول کمرہ اگرچہ کشادہ ہے مگر اُسی کے ساتھ اور بھی کمرے ہیں غرض اس سیلون میں سفر کرنے سے تکلیفاتِ سفر جہاں تک ممکن ہے ضرور دور رہتی ہیں۔ مجھے پہلی ہی دفعہ اس میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا لیکن سرکار عالیہ کی صحبت ہی بجائے خود ایک عجیب نعمت ہے۔ آپ کی بیدار مغزی، دور اندیشی اور ذہانت حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ آپ کے ہم سفر ہونے میں ہم دونوں کو عجب لطف حاصل ہوا چونکہ ہماری گاڑی قریباً نصف گھنٹہ لیٹ تھی۔ تونڈلہ میں پنجاب میل نہ مل سکا۔ اس لئے وہاں فوراً اسپیشل تیار ہوا اور ہم سب ۸ بجتے بجتے علی گڑھ داخل ہوئے۔ اسٹیشن پر صاحبانِ ذوی الاحترام مع ممبرانِ اسٹاف خیر مقدم کے لئے موجود تھے، ان سب صاحبوں کو ہز ہائینس حمید اللہ خاں سلمہ اللہ تعالیٰ نے سیلون ہی میں سرکار عالیہ کے حضور میں باریاب کرایا، اس کے بعد سیلون ایسی جگہ لگایا گیا جہاں پردہ کا انتظام تھا، وہاں ہم سب اُترے اور سرکار عالیہ کے ساتھ موٹر میں سوار ہو کر بہاسو ہاؤس آئے جو پارٹی کے قیام کیلئے تجویز کیا گیا تھا۔ اس موٹر کو خود پرنس لائے تھے اور یہ دیکھ کے مجھے تو بہت اچھا معلوم ہوا کہ اپنی والدہ کے بارِ محبت کو پرنس آپ اٹھا کے چلے ہیں، بہاسو ہاؤس نواب فیاض علی خاں صاحب وزیر جے پور کی کوٹھی ہے۔ اور نہایت آرام دہ اور وسیع ہے کالج کے جملہ معزز مہمان اسی کوٹھی میں مقیم ہوتے ہیں۔ بہت سی بی بیاں روز ملاقات کے لئے آتی تھیں۔ اور سرکار عالیہ اُن لوگوں کو کیسے تحمل، بردباری، اور عمدگی سے تعلیم نسوان کے لئے ترغیب دلاتی اور بحث کرتی تھیں۔ سرکار اس قدر سادہ مزاج ہیں اور ایسے ملائم لہجہ اور مؤثر الفاظ میں گفتگو کرتی ہیں جس سے لوگوں کے دل مسخر ہو جاتے ہیں۔ خود بخود ایک اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اتنا تو میں یقین کرتی ہوں کہ اُنہوں نے طبقۂ نسوان کے اُبھارنے میں جو کوششیں کی ہیں اور کر رہی ہیں اگر لڑکیوں کی قسمت سیدھی ہے تو ان ہی کے عہد حکومت میں ان کے لئے ضرور کچھ تو ہو جائیگا۔

۴ نمبر پر سرکاری مہمان

۲۷- فروری کو سرکار عالیہ نے عمارتِ کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور ایک مفید تقریر فرمائی۔ وہاں بڑی رونق اور بڑا مجمع تھا۔

۲۸- فروری کو اسٹریچی ہال میں ٹرسٹیانِ کالج کا ایڈریس قبول فرمایا اور یہ ایک نیا قدم تھا کہ گیلری میں خواتین کے لئے بھی انتظام تھا۔ سُنتی ہوں کہ بعض اشخاص نے اس انتظام پر اعتراض کیا تھا خدا جانے کب یہ تعصبات دور ہوں گے اور یہ لوگ احکامِ الٰہی کی اصلیت کو سمجھیں گے۔ خیر ۱۲ بجے تک تمام ہال طلبائے کالج اور معزز آدمیوں سے بھر گیا۔ ان سب کو دیکھ کر عجیب فرحت پیدا ہوتی ہے۔

تمام لڑکوں کے سر پر سُرخ فیز (ترکی ٹوپی) نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی اور جب وہ چلتے یا پھرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ بحرِ احمر لہریں مار رہا ہے۔

اس وقت اتفاق سے ترکی ہلال احمر کے ممبران ڈاکٹر عدنان بے اور ڈاکٹر کمال بے بھی جو علی گڈھ میں موجود تھے شریکِ جلسہ تھے۔

صاحب کلکٹر ضلع صاحب کمشنر، اور صاحب انسپکٹر جنرل پولیس اور چند یورپین لیڈیز اور جنٹلمین بھی موجود تھے۔ غرض تمام ہال آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔

نواب حاجی محمد اسحٰق خاں آنریری سکریٹری نے اجازت کے بعد منجانب ٹرسٹیان ایڈریس پڑھا۔ ایڈریس کے بعد سرکار عالیہ نے ایک دلچسپ تقریر پڑھی۔

اس تقریر[۱] کے وقت عجب قسم کی متضاد کیفیتیں پیدا ہوتی تھیں کبھی زور شور کے

---

[۱] اس تقریر کو کالج کی اُن تمام تقریروں میں جو آج تک اسٹریچی ہال میں کی گئی ہیں سب سے اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے۔ ہر ہائینس نے کالج کے چہرے پر سے نقاب اُٹھا کر یہ تقریر کی تھی اور تمام اہم مسائل پر بالخصوص طلباء واسٹاف اولڈ بوائز اور ٹرسٹیز، شیعہ سنی کے تعلقات، کالج کی توسیع و انتظامات، اس کی عظمت و شہرت، طلباء واسٹاف کے فرائض، گورنمنٹ کے ساتھ تعلقات، محسنین کے احسانات سب پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے اس تقریر کے اس حصہ میں جو طلباء کو خطاب بطور پند نامہ [illegible] کر کے نصیحت فرمائی ہے وہ نہایت پُراثر ہے ۱۲

چیرز ہوتے تھے کبھی ایک ایسا سناٹا ہوتا تھا جو مشفقانہ نصائح کے اثر سے ہوتا ہے۔ اسپیچ قریباً ۲۰ منٹ میں ختم ہوئی۔

شام کو کرکٹ کے میدان میں تشریف لے گئیں۔ وہاں کالج کی باہمی مقابلہ کرنے والی ٹیموں میں سے کامیاب ٹیم کو شیلڈ عنایت فرمایا۔ آج کل کالج کے کپتان پرنس حمید اللہ خاں ہیں اور جب سے یہ کپتان ہوئے ہیں۔ کرکٹ کو خاص رونق ہوگئی ہے ان کی ٹیم مشہور اور بڑی بڑی ٹیموں کو ہرا چکی ہے۔ یہ بھی عجب حسنِ اتفاق ہوا ہے کہ کالج کے اس مقابلہ کی کامیاب ٹیم کا کپتان بھی بھوپال کا طالب علم تھا جو سرکار عالیہ کی فیاضی کی بدولت کالج میں تعلیم پا رہا ہے۔ جس وقت شیلڈ لینے کے لئے اس طالب علم کا نام پکارا گیا اور وہ پیش ہوا تو بڑے زور شور کے ساتھ چیرز دی گئی۔ چونکہ کرکٹ کے مصارف بہت ہیں اور کرکٹ ٹیم کالج کی عزت و شہرت کا باعث ہے۔ اس لئے سرکار عالیہ نے دو سو روپیہ ماہوار اس کلب کو عطا فرمائے۔

یہاں سے ٹرسٹیوں کے کلب میں تشریف لے گئیں۔ اور وہاں بھی تعلیم نسوان کے متعلق بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین جو اپنی تعلیم کے لحاظ سے ہماری قوم میں ایک بڑے ممتاز شخص ہیں۔ افسوس ہے کہ تعلیم نسوان کے متعلق محدود خیالات رکھتے ہیں۔ اس موقع پر ان سے بہت پُر لطف گفتگو فرمائی۔

یکم مارچ کو وہ جلسہ ہوا جس میں قومی ترقی کی علامتیں نظر آتی تھیں۔ ٹھیک ۱۱ بجے سرکار عالیہ کے ہمراہ ہم دونوں اسلامیہ بورڈنگ اسکول کی رسم افتتاح دیکھنے کے واسطے گئے، ہم لوگ بورڈنگ کے پھاٹک پر اُترے اور سرکار عالیہ سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کا سنگِ بنیاد رکھنے تشریف لے گئیں وہاں مجمع تھا، سرکار عالیہ نے اس بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھنے سے انکار کر دیا تھا لیکن جب وہاں تشریف لے گئیں اور شیخ

عبداللہ نے اس کی فوری ضرورتوں کو ایڈریس میں ظاہر کیا۔ اور اُن کو سرکار عالیہ نے قابل توجہ سمجھا تو سنگ بنیاد رکھنا منظور کیا اس رسم کے وقت بھی سرکار نے برجستہ اور زبانی تقریر فرمائی اور نہایت فصاحت کے ساتھ تعلیم نسوان کی اشاعت و ترقی کی طرف توجہ دلائی۔

ہم بورڈنگ اسکول کے پھاٹک میں داخل ہوئے وہاں عجب نظارہ دکھائی دیا جناب محمود بیگم، جناب بیگم صاحبہ سید محمد علی، جناب راجہ نوشاد علی خاں صاحب کی بیگم صاحبہ اور آپ کی ہمشیرہ عبداللہ بیگم صاحبہ، اور اُن کی تین بہنیں، آپ کی صاحبزادیاں، اور ہمشیرزادیاں، مسس شاہ دین صاحبہ مس شاہ دین صاحب نواب اسحق خاں صاحب کی بیگم صاحبہ اقتدار دولہن صاحبہ، آپ کی بہو بیگم صاحبہ مسس یعقوب صاحبہ، نذر سجاد صاحبہ، فاطمہ بیگم صاحبہ، اڈیٹر شریف بی بی بیگم سید علی شاہ رئیس سردھنہ، اور آپ کی صاحبزادی محمود بیگم صاحبہ، نفیس دولہن صاحبہ بھیکم پور کی بیگم صاحبہ اور آپ کی سسرال کی چند بی بیاں اور ہمشیرہ، اور والدہ بیگم صاحبہ آفتاب احمد خاں، بیگم خواجہ عبدالمجید اور آپ کی خوشدامن صاحبہ اور تین نندیں، مریم بیگم صاحبہ صاحبزادی شیخ احمد خاں، مسس یعقوب خاں اور آپ کی صاحبزادی، ان کے علاوہ اور بہت سی خواتین موجود تھیں، قریباً دو سے زائد بی بیاں اور بچے تھے۔ پھاٹک سے بورڈنگ ہاؤس تک سب کے سب مختلف رنگ، مختلف وضع کے لباس پہنے دھوپ میں بے سایہ کھڑے تھے یہ دیکھ کر مجھے بہت بُرا معلوم ہوا کہ اس قدر بے انتظامی ہے، کاش شامیانہ ہی لگا دیا ہوتا کہ تمازت آفتاب سے چہرے نہ جھلستے جب ایسی بدنظمی ہوتی ہے تو جلسہ کی خوشی بھی کافور ہو جاتی ہے آنے والیاں کیا کہہ سکتی تھیں تو وہ طوعاً کرہاً اغماض کر گئیں۔ مگر منتظمین سے میری شکایت ضرور ہے، امید ہے کہ آئندہ اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے گا۔ ہر ہائینس بیگم صاحبہ

جنہوں نے ان بی بیوں سے کچھ ملے کچھ نہ ملے اور بورڈنگ میں چلے گئے، اور وہیں سرکار عالیہ کا انتظار کرتے رہے، ہماری طاقت سے باہر تھا کہ ہم ایسی سخت دھوپ کی تکلیف برداشت کر سکتے البتہ سایہ میں بیٹھ کر رنگا رنگی، جگمگاتے لباس دور سے دیکھنا ایک حد تک لطف پیدا کرتا تھا، لیکن جب یہ خیال آتا تھا کہ یہ بیچاریاں خود تکلیف اٹھا کر ہماری آنکھوں کے لئے لطف کا سامان پیدا کرتی ہیں تو بُرا معلوم ہوتا تھا تھوڑی دیر کے بعد سرکار عالیہ بورڈنگ میں رونق افروز ہوئیں سب بی بیاں استقبال کے لئے دروازہ تک آئیں۔ بعد حمد و ثنا اور درود کے سرکار عالیہ نے قفل کھولا اور کواڑ کھول کر بورڈنگ میں داخل ہوئیں اور اُن کے بعد سب بی بیاں اندر چلی گئیں، تمام کمرہ بھر گیا تھا اور واقعی ایک خوشی پیدا ہوتی تھی کہ مختلف دیار و امصار کی بی بیاں بعید مسافت طے کر کے صرف شرکت کی غرض سے یہاں تک آئی ہیں خداوند کریم کا شکر ہے کہ جس نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اور موقع دیا کہ تبادلۂ خیالات کر سکیں

اس کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ پہلے عبداللہ بیگم نے ایڈریس پڑھا۔ اس کے بعد سرکار عالیہ کی تقریر ہوئی سرکار عالیہ کے تقریر کے بعد محمود بیگم صاحبہ نے شکریہ ادا کیا پھر زُہرہ۔ شگفتہ غائب بیگم صاحبہ کے اشعار پڑھے گئے۔ اس قدر کارروائی کے بعد جلسہ ختم ہوا۔ ایڈریس سرکار عالیہ کو کارچوبی کام کے خریطہ میں پیش کیا گیا، ہار پہنائے گئے اور مجلس برخاست ہوئی۔ نماز ادا کرنے کے لئے مہلت دی گئی، ذرا سستائے اس کے بعد لیڈیز کانفرنس سرکار عالیہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اکثر بی بیوں نے تائید میں تقریریں کیں، سرکار عالیہ سرپرست اور صدر مقرر ہوئیں۔ بارہ وائس پریزیڈنٹ بنائی گئیں ۶۰ کے قریب ممبر ہوئیں۔ نفیس دولہن صاحبہ سکریٹری اور محمود بیگم صاحبہ جائنٹ سکریٹری قرار دی گئیں، ممبری کی فیس چھ روپیہ سالانہ مقرر ہوئی۔ ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ اور دیگر اولی العزم خواتین نے عطیات و وظائف کا اعلان کیا۔

اس کے بعد سرکار عالیہ نے اپنی مصنفہ کتابیں تقسیم فرمائیں، اور کانفرنس ختم ہوگئی۔ اس کے
بعد ایک پارٹی ہوئی جس میں ہمیں بھی موجود تھیں۔ پارٹی ختم ہونے پر ہم چلے آئے۔
یہ بھی ایک عجیب قابل بیان لطیفہ ہے کہ بورڈنگ کے افتتاح کے وقت سرکار عالیہ
نے کنجی سے قفل تو کھول دیا لیکن بلی چونکہ انگریزی وضع کی اور نئی ہونے کے باعث بہت
سخت تھی اس لئے حضور عالیہ سے کوششوں کے ساتھ بھی نہ کھلی اور کئی بی بیوں نے
کوشش کی مگر بے فائدہ۔ اسی وجہ سے سب کے دلوں میں ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی
آخر بیگم خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹر نے آگے بڑھ کر دقت کے ساتھ کھول لیا مگر اس
جد وجہد سے اُن کے ہاتھ میں ایک زخم آگیا۔ اس واقعہ کو ملاحظہ کرکے نواب بیگم صاحبہ
جنجیرہ نے اُس وقت بہت موزون فرمایا کہ "خواتین دیکھو یہ تعلیم نسوان کے دروازے
ہیں زبردستی اور دقتوں سے ہی سہی لیکن آخر کار کھولنے میں ہم لوگ کامیاب ہوگئے
ہیں" یہ فقرہ ایسا بہ برمحل اور دلفریب تھا کہ اس پر خوب قہقہہ پڑا اور چیرز ہوئے"

تیسری مرتبہ ہر ہائینس فروری ۱۹۱۶ء میں عمارت کانفرنس کا افتتاح کرنے تشریف
لے گئیں۔ کانفرنس کی جدید عمارت نہایت آراستہ کی گئی تھی یہ وسیع وخوشنما عمارت ہر ہائینس
اور نوابزادگانِ ممدوح الشان کی فیاضی سے تعمیر ہوئی ہے اور کالج کی عمارت میں بہترین عمارت
ہے اس کا نام سلطان جہاں منزل رکھا گیا ہے۔

اس موقع پر ہر ہائینس کی تقریر پہلے سے بھی زیادہ صاف بیانی کے ساتھ تھی اور قومی تعلیم
کے جملہ مسائل پر بحث فرمائی تھی اور اُن نقائص پر جو قومی تعلیم کی اشاعت میں کارکنوں کی غلطیوں
کی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں شفقت آمیز نصیحت اور قومی سرمایہ کو کفایت شعاری کے ساتھ
خرچ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر بھی نہایت آزادی کے ساتھ اظہار رائے
فرمایا تھا۔ یہ تقریر اگرچہ ایسے اصحاب کے لئے جو ہمیشہ ان موقعوں پر تعریف وستائش سُننے
کے مشتاق وعادی ہیں بظاہر تلخ معلوم ہوئی۔ لیکن دراصل اس کا ہر ایک لفظ مقاصد قومی کے

احیا کے لئے قطرۂ حیات تھا۔ نواب عماد الملک بہادر بھی اس موقع پر موجود تھے تقریر کے بعد اُنھوں نے اعتراف کیا اور کہا کہ کاش ان نصائح پر عمل کیا جائے۔

لاہور | مارچ ۱۹۱۳ء میں لاہور تشریف لے گئیں۔ ہز آنر سر لوئیس ڈین اور اُن کی بانوئے محترم لیڈی ڈین نے جن سے دیرینہ اور خاندانی مراسم ہیں آپ کو اصرار کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ یہاں ہر ہائینس نے علاوہ مشہور مقامات کی سیر کے زنانہ مدارس وغیرہ کو دلچسپی سے ملاحظہ فرمایا۔ اور خواتینِ لاہور کی درخواست و اصرار سے ایک زنانہ ہال کا[1] جس کو اُنھوں نے سلطانیہ ہال کے نام سے موسوم کیا تھا زنانہ جلسہ میں سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر حضور ممدوحہ نے ایک دلچسپ تقریر فرمائی جو عموماً مسائل و تجاویز ترقی و اصلاح نسوان پر مشتمل تھی۔ زیب النسا بیگم کے مقبرہ پر بھی گئیں۔ یہ مقبرہ لاہور سے چند میل کے فاصلہ پر نہایت کثیف و غلیظ مقام پر واقع ہے ہر ہائینس کی شاہانہ طبیعت اور نفیس مزاج کے لئے ایسی جگہ جانا نہایت سخت کام تھا۔ تمام راستہ غلاظت و کثافت سے بھرا ہوا تھا۔ قدم قدم پر عفونت و بدبو تھی تقریباً ایسے ہی راستہ پر ڈیڑھ دو فرلانگ پیادہ بھی جانا پڑا۔ مقبرہ پر بھی صفائی نہ تھی اور اس کو کثیف انسانوں اور مویشیوں کا مسکن بنا دیا گیا تھا۔ ہر ہائینس نے قبہ میں جا کر فاتحہ پڑھی اور اس عبرت انگیز منظر کو حسرت و تاسف سے چند منٹ تک ملاحظہ کرتی رہیں۔ ہر ہائینس نے اس کی صفائی و درستی کے لئے گورنمنٹ پنجاب کو ایک معقول رقم بھی تفویض فرمائی ہے۔

لکھنؤ و نینی تال | ہر ہائینس اور سر جیمس مسٹن اور لیڈی مسٹن سے نہایت گہری راہ و رسم ہے ان کی دعوت و اصرار پر ایک مرتبہ لکھنؤ اور ایک مرتبہ نینی تال تشریف لے گئیں نینی تال میں ہز آنر نے ہر ہائینس کے اعزاز میں ایک بڑا ڈنر دیا اور اس موقع پر ہر ہائینس نے زبانی

---

[1] اس ہال کے چندۂ تعمیر میں ہر ہائینس نے پانچ ہزار روپیہ مرحمت فرمایا لیکن افسوس کہ وہ زمین جس پر سنگ بنیاد رکھا گیا تھا فروخت کر دی گئی اور ہنوز ہال صرف تخیل ہی تخیل میں ہے ۱۲ [2] بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ مقبرہ زیب النسا بیگم کا نہیں ہے ۱۲

تقریریں جو بہت طویل تھی ہز آنر اور لیڈی مسٹن کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارات وغیرہ کا شکریہ ادا کیا۔ ہز آنر نے کوئی دقیقہ ہر ہائینس کی خاطر و مدارات اور قیام کو دلچسپ بنانے میں فروگذاشت نہیں کیا تھا اور خود کاٹ گودام تک استقبال و مشایعت بھی کی تھی۔

گوالیار ہر ہائینس دو مرتبہ ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۷ء میں گوالیار تشریف لے گئیں ہر ہائینس اور ہز ہائینس مہاراجہ سیندھیا بہادر (بالقابہ) میں مادرانہ و فرزندانہ تعلقات ہیں اور ہز ہائینس کی والدۂ ماجدہ اور ہر ہائینس میں خواہرانہ محبت ہے اور دونوں طرف سے دلی خلوص کے ساتھ شفقت و الفت اور محبت کا قابل احترام اظہار ہوتا رہتا ہے۔ ان تعلقات کے علاوہ دونوں ہم سوانہ رئیس ہیں اور عرصہ سے دونوں ملکوں کے فرمانرواؤں میں دوستانہ ارتباط ہے۔ پہلی مرتبہ ہمراہیوں میں بیگم رحمٰن فیضی بھی تھیں جو شادی سے قبل ادبی و قومی دنیا میں "عطیہ" کے نام سے مشہور رہی ہیں انہوں نے ہر ہائینس کے اس سفر کے واقعات کو نہایت تفصیل و قابلیت سے قلمبند کیا ہے جو نہایت دلچسپ ہیں لہٰذا اس موقع پر ان کے مضمون کو نقل کیا جاتا ہے:۔

> "جو محبت و ہمدردی گوالیار اور بھوپال کے شاہی خاندانوں میں ہے اس کی وجہ سے ہماری ہر دلعزیز سرکار عالیہ نے گوالیار تشریف لے جانے کا قصد کیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ پہلا ہی موقع ہے کہ وہ کسی ہندوستانی ریاست میں تشریف لیجا رہی ہیں جب انہوں نے فرمایا کہ مجھکو بھی اُن کے ہمراہی میں چلنا ہوگا تو مجھکو بے حد خوشی ہوئی کیونکہ اراکین خاندان گوالیار ہمارے معزز دوست رہے ہیں اور باوجود یکہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کئے ہیں لیکن کسی نہ کسی خاص اتفاق سے اُن کی عنایت آمیز دعوت کبھی قبول نہ کر سکی تھی۔ مجھے اس موقع کے حاصل ہونے سے بے حد خوشی ہوئی اول تو اس وجہ سے کہ حضور سرکار عالیہ کی ہمراہی سے دوسرے اپنے عزیز دوستوں سے ملاقات ہوگی۔

جمعرات - ۱۱ - مارچ ۱۹۱۵ء بھوپال سے گوالیار تک راستہ میں کوئی بات قابلِ تذکرہ پیش نہیں آئی سوائے اس کے کہ حضور سرکار عالیہ کا سیلون (گاڑی) نہایت تکلفات سے آراستہ و پیراستہ تھا اور حضور عالیہ کی عقل و حکمت کی باتوں اور اُن کی خوشگوار ہمراہی میں راستہ بالکل معلوم بھی نہ ہوا جس وقت گوالیار ٹرین پہنچی تو ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر سیندھیا نے گاڑی میں داخل ہو کر حضور سرکار عالیہ کا خیر مقدم کیا پھر تھوڑی دیر بعد مسٹر جارڈن رزیڈنٹ تشریف لائے اور حسب دستور سلام وغیرہ ہوئے اور رسمی طور پر خیر مقدم کے الفاظ دوہرائے گئے۔ اس وقت انجن ٹرین سے حضور سرکار عالیہ کی گاڑی علیحدہ کر کے اُس پرائیویٹ پلیٹ فارم پر لے گیا جہاں پر پردہ کے لئے قناتیں کنارے تک لگی ہوئی تھیں سفید اور باناتی فرش بچھا ہوا تھا اور پھولوں اور نارنگی کے درختوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ ویٹنگ روم اس موقع کے لئے مثل گول کمرے کے آراستہ تھا۔ مہارانی سنکھیا راجہ صاحبہ، مہارانی جنکو راجہ صاحبہ اور مہاراجہ صاحب کی ہمشیرہ منو راجہ صاحبہ نہایت شاندار ساڑھیاں پہنے ہوئے اور چمکتے ہوئے ہیروں اور جواہرات میں لدی ہوئی یہاں پر ہمارا انتظار کر رہی تھیں اور اُنھوں نے نہایت تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ چار خواصیں جو عمدہ ہلکے رنگ کے ململ کی ساڑھیاں باندھے تھیں۔ جن پر سنہرا ٹھپہ وغیرہ لگا تھا اور اسی قسم کا زیور وہ گلے میں کانوں اور ہاتھوں اور چاندی کا زیور پاؤں میں پہنے ہوئے نہایت ادب سے سنہرا اور ہیرے جڑا ہوا پاندان اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑی تھیں۔

یہ رواج بڑودہ میں بھی ہے کہ جب کبھی مہارانی صاحبہ گائیکواڑ کو کہیں تشریف لے جانا ہوتا ہے خواہ وہ ایک بے ضابطہ ٹی پارٹی ہی کیوں نہ ہو تو وہاں خواصیں پہلے سے پہنچ جاتی ہیں اور مہارانی صاحبہ موصوفہ کی آمد اور حکم کا انتظار کرتی ہیں۔

غرض ہم پورے اسٹاف کے ساتھ محل پر گاڑیوں میں پہنچے اور حضور سرکار عالیہ

کے پہنچنے پر توپوں کی سلامی سرہوئی۔ جے بلاس ایک عالیشان محل ہے جس میں دو سو یا زیادہ کمرے ہیں اور یہ وسط میں ایک مربع سفید عمارت ہے اور اس کے چاروں طرف وسیع میدان ہے جس میں ہو کر مختلف ڈیوڑھیوں میں موٹریں جاتی ہیں۔ مہاراجہ صاحب بڑی مہارانی صاحبہ، جنکو راجہ عنا اور چھوٹی مہارانی گجرا راجہ صاحبہ اور ان کا چھوٹا بچہ میری کملا راجہ[1] سب اس محل میں رہتے ہیں اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ کثیر تعداد کمروں کی ہے اور ہر ایک کے پاس بیس سے لے کر تیس تک سلیقہ دار ہوشیار اور صاف پوشاک پہنے ہوئے خواصیں انکی خدمت کے لئے موجود رہتی ہیں۔

ہماری گاڑی منو محل کی ڈیوڑھی کے پاس جاکر ٹھیری جہاں پر ہم اترے اور ایک سنگ مرمر کے احاطہ میں جس میں سنگ مرمر ہی کا فوارہ چل رہا تھا داخل ہوئے۔ ایک بڑے زینہ سے جو بالکل سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اور جس کا جنگلہ شیشے کا تھا ہم اوپر کی منزل میں پہنچے۔ محل کے نیچے کا حصہ کم و بیش مہمانوں کے استقبال کیلئے سجا ہوا تھا اور اوپر کی منزل کا حصہ اُن کے رہنے کے لئے تھا ہم زینے کے اوپر پہنچے اور وہاں گول کمرے میں داخل کئے گئے۔ یہ کمرہ بہت بڑا ہے اور اُس پر سنہری کام خوب کیا گیا ہے۔ اور اس میں قدیم سنہری تصاویر منقش ہیں اور وہ طرح طرح کے پردوں اور سامان سے آراستہ ہے۔ یہاں پر مشرقی شان و شوکت کی حقیقی حالت کا نمونۃً اثر ہوتا ہے۔ خاندانِ گوالیار کی معزز خواتین اور سرداروں کی بیویاں عمدہ پوشاکیں اور زیورات پہنے ہوئے یہاں پر ہم سے ملیں اور خواصوں کی جماعتیں جو عمدہ اور خوبصورت لباس اور زیورات سب ایک ہی قسم کا پہنے ہوئے تھیں یہاں پر وقتاً فوقتاً خدمت کے لئے ادب سے کھڑی ہوئی تھیں کمرے کے بیچ میں طلائی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں یہاں پر ہم بیٹھے اور ہمارے چاروں طرف

---

[1] میری کملا راجہ صاحبہ ہز ہائینس کی صاحبزادی ہیں جن کو ہز امپیریل مجسٹی کوئن میری قیصرۂ ہند نے اپنا نام مبارک میری عطا فرمایا ہے ۱۲

اس طور سے وہ خواتین بیٹھیں کہ ایک شاندار گروپ بن گیا۔ اس کے بعد عطر و پان کی رسم عمل میں آئی۔ جڑاؤ پاندان اور عطردان میں گلوریاں اور عطر پیش کیا گیا۔ گلاب پاشیوں میں عرق گلاب بھرا ہوا تھا جو چھڑکا گیا۔ چاندی کی کشتیاں جو پھولوں کے ہار ونسے بھری ہوئی تھیں پیش ہوئیں دستور یہ ہے کہ جو کشتیاں تمہارے سامنے پیش کی جائیں ان کو چھولو اور اُن کا سامان تمہارے کمروں میں بھیجدیا جاتا ہے اور ہار گلے میں پہنا دیے جاتے ہیں چند منٹ بعد مہارانی صاحبان ہمکو ہمارے کمروں میں لے گئیں۔ جن میں ہم بہت سے کمروں اور سنگ مرمر کی غلام گردشوں میں سے ہو کر پہنچے جہاں پر تاڑ کے درخت اور دیگر اقسام کے پودے وغیرہ خوبصورتی سے لگائے گئے تھے۔ ہمارے قیام کے کمرے موجودہ زمانہ کے تمام سامانِ آرائش سے مکلّف تھے میں نے اپنے کمرے میں جا کر قیام کیا اور وہاں پر ایک خاص قسم کے اطمینان اور راحت کا احساس ہوا منھ وغیرہ دھونے اور کپڑے بدلنے کے بعد ہم ایک بالا خانے پر بیٹھے جہاں سے وسیع میدان نظر آتے تھے اور وہاں پر چاء پی اور باوجودیکہ ابر ہو رہا تھا اور گھٹا چھا رہی تھی تاہم دل یہ چاہتا تھا کہ موٹر کا میں بیٹھکر گھوڑ دوڑ کے میدان میں ہوتے ہوئے جو ابھی گوالیار میں بنا ہے بازار کی جانب چلیں جہاں پر رزیڈنٹ صاحب رہتے ہیں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ بارش ہونے لگی اور بہت زیادہ اولے پڑے مگر مجھکو اس سے زیادہ خوشی ہوئی کیوں کہ اس سے گرمی کم ہو گئی۔

ساڑھے آٹھ بجے ہم نے کھانا کھانے کے کمرے میں جس میں سنگ مرمر کا فرش تھا کھانا کھایا ہندوانی قدیم طرز کی پیالیوں میں جو کل خالص نقرہ کی تھیں قسم قسم کی ترکاریاں قورمہ، قلیہ، دال وغیرہ تھی۔ یہ سب پیالیاں ایک نقرئی تھالی میں سجادی گئی تھیں اقسام اقسام کے چاول چینی کی طشتریوں میں میز پر لگا دیے گئے تھے۔ اور سب کے سامنے میز پر رکھے گئے تھے۔ اچار چٹنیاں، دودھ کی بنی ہوئی چیزیں۔ چار پانچ قسم کی روٹیاں

چپاتیاں، باقرخانی، پھلکے، دال، کھیر کی قابیں، مٹھائیاں وغیرہ وغیرہ اس قسم کے لذیذ کھانوں کو بیٹھکر کھایا اور اُن سے حظ اُٹھایا۔ مہارانی صاحبہ گوالیار کے باورچی نہایت عمدہ قسم کے کھانے پکاتے ہیں۔ اسلامی زردہ، پلاؤ، کباب وغیرہ بھی، ایسے ہی عمدگی سے پکائے گئے تھے جیسے کہ برہمنی، سودی پوریاں شیر قند وغیرہ وغیرہ۔

حضور سرکار عالیہ کھانیکے بعد ہی اپنے کمرے میں تشریف لے گئیں لیکن ہم سب مہارانی جنکو راجہ صاحبہ کے گول کمرے میں بہت رات تک بیٹھے ہوئے گاتے اور باتیں کرتے رہے۔

یوم جمعہ - ۱۲ مارچ ۱۹۱۵ء | باوجود رات کو دیر تک جاگتے رہنے کے میں صبح ہی اپنی تھوڑی دیر کی نیند سے جس کا مجھے موقع ملا تھا سوکر اُٹھ بیٹھی۔ بارش سے ہوا میں عجب خنکی پیدا ہو گئی تھی اور یہ نہایت ہی فرحت بخش تھی ہندوستان کے میدانی مقامات کی خشک گرم ہواؤں سے بڑا حبس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سخت ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔ قریب ساڑھے نو بجے کے ہزہائینس مہاراجہ صاحب بہادر سرکار عالیہ کو ہسپتال دکھلانے لے گئے۔ میں اور جنکو راجہ صاحبہ ہمراہ تھیں۔ یہ ایک بڑی شاندار دو منزلہ عمارت ہے جس میں زنانہ اور مردانہ دونوں حصے ہیں۔ گوالیار کی پچے کاری کا کام واقعی قابل دید ہے اقلیدس کی شکلیں جو نفاست سے بنائی گئی ہیں وہ نہایت ہی خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ ہسپتال مشرقی طرز کی ایک نہایت عمدہ عمارت ہے۔ لیڈی ڈاکٹر میٹرن اور ان کے اسٹاف نے دروازہ پر ہمارا استقبال کیا اور ہم کو چاروں طرف لیجا کر وہ سب چیزیں دکھلائیں جو معمولاً ایک اعلیٰ درجہ کے اسپتال میں اس زمانہ کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی افسردگی کا کام ہے کیونکہ اس میں طرح طرح کی بوئیں اور مریضوں کے کراہنے کی آوازیں آتی ہیں۔ وہاں نرسوں اور دائیوں کی تربیت بھی تین برس کی کامل پڑھائی سے کیجاتی ہے۔ ہماری روانگی کے وقت عطر و پان کی معمولی رسم ادا کی گئی اس کے بعد ہزہائینس

نے محل پہنچنے سے پیشتر شہر کی سیر کرائی۔ جدید گوالیار (لشکر) کی آبادی حقیقت میں کچھ خوشنما نہیں معلوم ہوتی۔ نئے چوک میں چند عمدہ عمارتیں ہیں اور شہر کی بڑی سڑک عمدہ ہے کیونکہ اس کے دونوں طرف نہایت عمدہ پچے کاری کے جھروکے بنے ہوئے ہیں۔ سکونتی مکانوں کی آبادی شہر میں کم و بیش دور دور ہے۔

ہم جائے قیام پر دیر سے پہنچے اور نہایت ہی لذیذ کھانے کا لطف اٹھایا اس وقت کھانا دوسری قسم کا تھا مگر ویسا ہی خوش ذائقہ تھا۔ بلاشبہ یہاں کے باورچی مہارانی صاحبان کی قابل قدر نگرانی میں کھانا پکانے میں نہایت عمدہ مہارت رکھتے ہیں کھانے کے بعد حضور سرکار عالیہ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئیں اور جنکو راجہ صاحبہ نے مجھکو محل لے جا کر دکھلایا۔ میں دوسری منزل کے صرف دو مکان دیکھ سکی لیکن اسی میں دو گھنٹہ صرف ہوگئے اور بالکل تھک گئی۔ اُنھوں نے مجھکو اپنے رہنے کے کمرے اور چھوٹی مہارانی گجرا صاحبہ کے رہنے کے کمرے اور تارا راجہ صاحبہ مہارانی دیواس کے کمرے دکھلائے۔ جنکو راجہ صاحبہ موجودہ مہاراج صاحب کے قبضہ میں دوسری منزل کا کل مکان ہے۔ اس کے کل کمرے نہایت ہی بیش قیمت اسباب سے آراستہ و پیراستہ ہیں اور کم و بیش اُن کی آراستگی میں بڑا سلیقہ برتا گیا ہے۔ اُن کا اپنا کمرہ بہت سی مختلف قسم کی اشیاء سے بھرا ہوا ہے جس میں صناعی کی بہت سی عجائب و غرائب چیزیں ہیں جو اُن کو شاہی خاندانوں اور رؤسا نے اُن کی سالگرہ کے موقع پر بطور تحائف پیش کی ہیں جنکو راجہ صاحبہ بڑی زندہ دل اور خوش اخلاق ہیں اور ہمیشہ آئندہ کے لئے شاندار کاموں کی تجاویز کرتی رہتی ہیں اور ہندوستانی زبان خوب جانتی ہیں۔ علم مجلسی سے خوب واقف ہیں اور ایک نہایت سلیقہ مند اور مدبر مہارانی ہیں۔ تمام خانگی معاملات اُن کے اختیار میں ہیں اور اُن کے آٹھ مصاحب ہیں اور پورا اسٹاف افسران کا ہے جو اُن کی ماتحتی میں کام کرتا ہے۔ اُن کے یہاں ایک دفتر کا کمرہ بھی ہے

جس میں وہ اوقاتِ معینہ پر برابر کام کرتی ہیں۔ وہ اپنے اعلیٰ مرتبہ کا کام نہایت سطوت وفراست سے انجام دیتی ہیں۔ اُن کو تتلیاں جمع کرنے کا بڑا شوق ہے اور اُن کے پاس ایک بہت عمدہ ذخیرہ تتلیوں کا ہے اُن کے پاس ایک مربع اپنے ہاتھ کا بنا ہوا البم بھی ہے۔ تارا راجہ صاحبہ مہارانی دیواس کا گوالیار سے قریبی رشتہ ہے۔ خاندانِ گوالیار کی ایک پہلی شاہزادی کی شادی راجہ صاحب دیواس سے ہوئی تھی۔ اور اس کے انتقال پر تارا راجہ صاحبہ کی شادی اُنہی کے ساتھ کی گئی۔ اور ان مہارانی صاحبہ کے ساتھ اسی محبت وہمدردی کا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ جو ایک گھرانے کی بیٹی کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اکثر محل میں تشریف لاتی رہتی ہیں اور جنکو راجہ صاحبہ نے ان کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کے کمروں کا انتظام کر رکھا ہے جنکو راجہ صاحبہ نے چند کمرے ایسے بھی آراستہ کئے ہیں جو لاؤ کی وجہ سے ایک خلو کی حالت میں تھے۔ وہ نہایت ہی ہوشیاری سے کئی محراب دار کمروں کو بھی جو محل کے ایک گوشہ میں خالی اور بیکار پڑے ہوئے تھے اور جن میں ایک سے دوسرے میں چھوٹے چھوٹے دریچے تھے کام میں لائی ہیں۔ ان کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور اُن کی ٹائل میں سوراخ دار پتھروں کی کھڑکیاں ہَوا اور روشنی آنے کے لئے لگی ہوئی ہیں ان میں سے ایک کمرہ خوشنما غسل خانہ سنگ مرمر کا ہے جس میں چاندی کے برتن پانی وغیرہ رکھنے کے لئے ہیں۔ اور چاندی ہی کے ٹمبلر وغیرہ ہندوستانی طرز سے رکھے ہوئے ہیں اور وہ بجلی کی روشنی سے مکمل ہے۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے محرابدار کمروں میں نہایت صفائی سے چاروں طرف الماریاں لگی ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے چاندی کے مرتبان اور بوتلیں ایک ہی پیمانے کی رکھی ہوئی ہیں جن میں تمام قسم کے مسالے جو کھانا پکانے میں کام آتے ہیں سلیقہ سے بھر رکھے ہیں۔ چٹنی، اچار، مربوں کے مرتبان بھی دوسرے ایسے ہی بمنع نما کمروں میں رکھ دیے گئے ہیں۔ غرضکہ بیکار جگہ کو اس سلیقہ شعار مہارانی نے کارآمد بنا لیا ہے۔

پانچویں کمرے میں نفیس باورچیخانہ ہے جس میں ایک چولھا ہے اور طرح طرح کے چھوٹے بڑے نقرئی برتن کھانا پکانے کے نہایت صاف رکھے ہیں۔ چھٹے کمرے میں نہایت ملائم روئیں کا فرش لیٹنے یا آرام کرنے کے لئے ہو رہا ہے۔

یہ تمام کمرے علٰحدہ اور خوشنما ہیں اور تارا راجہ صاحبہ کے رہنے کے لئے جو کمرے علٰحدہ رکھے گئے ہیں اُن سے ملحق ہیں۔ اس سیر میں وقت بہت زیادہ صرف ہو چکا تھا اس لئے ہم اپنے کمروں میں جلدی سے گئے۔ وہاں جاکر پوشاک تبدیل کی اور گول کمرے میں جمع ہوئے جہاں پر حضور سرکار عالیہ کی جانب سے گوالیار کے شاہی خاندان کو پوشاک پیش کرنے کی رسم عمل میں آئی۔ حضور سرکار عالیہ نے اپنے حسب معمول دریادلی اور فیاضی سے ہر ایک کو شاہانہ عطیے نہایت بیش قیمت دوشالے، کمخواب کے تھان، اشرفیاں، زیورات اور بیس خوان خشک میوے اور سپاریوں کے پیش کئے مہاراجہ صاحب سیندھیا کو اُنھوں نے آٹھ اشرفیاں پانچسو روپیہ نچھاور، سنہرے کام کے دوشالے اور زربفت کی پگڑیاں وغیرہ اور چار خوان خشک نٹس (سپاریاں یا گری دار میوے) کے دیے مہارانی جنکو راجہ صاحبہ کو سنہرے دوشالے، کمخوابی کپڑے، دوسو روپیہ نچھاور، ۱۵ اشرفیاں، ہیرے اور لعل کی چوڑیاں اور چار خوان خشک نٹس کے دیے مہارانی گجرا راجہ صاحبہ کو سنہرے دوشالے، کمخواب کے کپڑے دوسو روپے نچھاور ۱۵ اشرفیاں ہیرے اور زمرد کا ہار اور چار خوان خشک نٹس کے دیے۔

شری متی منور راجہ صاحبہ اور اُن کے شوہر سردار سیتولے صاحب کو اسی قسم کی پوشاک سو روپیے نچھاور اور موتیوں کی جڑاؤ پہونچی اور چار خوان خشک نٹس کے دیے چھوٹی بچی راجہ کملا صاحبہ کو حضور سرکار عالیہ نے پانچ ہزار روپیے کی قیمتی پوشاکیں اور زیورات پہلے ہی سے بھیج دیے تھے لیکن اُنھوں نے اُن کو بھی پانچ اشرفیاں اس وقت پہلے ہی مرتبہ دیکھنے کی وجہ سے دیں۔ جب پوشاک دینے کی رسم ختم ہو گئی تو ہم

ایک خوبصورت سمر (گرمیوں کے) باغ میں گئے جس کے قطعات نہایت عمدگی سے بنائے گئے تھے اور جس میں بجری کی سایہ دار روشیں تھیں اور ایک پختہ بالاخانہ پانی کے کنارے بنا ہوا تھا اور کئی ڈیرے لگے ہوئے تھے یہاں پر حضور سرکار عالیہ کے اعزاز میں ٹی پارٹی تھی اور تمام خواتین گوالیار حضور سرکار عالیہ سے ملنے کے لئے جمع ہوئی تھیں۔ یہ زندہ دلی اور شگفتگی کا ایک خوبصورت نظارہ تھا۔ وہاں پر مرہٹی خواتین زرق برق پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے اور زیورات میں آراستہ قطاروں میں کھڑی ہوئی تھیں اور کچھ ادھر اُدھر پھر رہی تھیں۔ یورپین لیڈیاں بھی یہاں موجود تھیں۔ اور ایک مشرقی و مغربی مجموعہ ہوکر عجیب خوشنما سماں ہو رہا تھا۔ چاء کا انتظام ایک خیمہ میں کیا گیا تھا۔ آسمان پر شام کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔ دن کی روشنی جا کر رات کی تاریکی نے ہم کو گھیرنا شروع کیا تھا۔ بجلی کی چمک سے جواہرات اور سونے کے زیورات جگمگا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے ہم بارش سے پہلے ہی مکان پر پہنچ گئے۔ سکھیا راجہ صاحبہ ایک ایک خاتون سے جو پارٹی میں موجود تھیں نہایت خوش اخلاقی سے گفتگو اور تواضع کرتی تھیں۔

رات کے وقت کھانا فرش پر حقیقت میں پاٹلوں کے طریقہ پر چنا گیا تھا۔ چوکیاں جس پر نشستیں قرار پائی تھیں اور جن پر کمخواب کے گدے بچھے تھے تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے تمام مہمان و مدعوشدہ خواتین کے واسطے بچھائی گئی تھیں۔ اور چاندی کی تپائیاں سامنے رکھی تھیں۔ جن پر سونے کے پیالے اور طشتریاں نہایت ہی لذیذ کھانوں کی رکھی تھیں اور چاندی کے شمعدان دونوں جانب ہر ایک نشست کے رکھے تھے اور اُن کے بیچ میں خوشبوئیں جل رہی تھیں۔ یہ نظارہ مثل ایک لف لیلہ کے خوبصورت روغنی تصویر کے جو ایک ہوشیار صانع نے بنائی ہے معلوم ہوتا تھا اس طریقہ کے کھانے چنے جانے کو ٹاٹ لاکے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کھانے کے بعد طوائف کا ناچ اور گانا جنکو راجہ صاحبہ کے پرائیویٹ دربار ہال میں ہوا گوالیار میں اور ستار بجانے والے

اور گانے والے ماہرین کے لئے مشہور رہے۔ اور پُرانے وقتوں میں بڑے بڑے مشہور لوگ ہوئے ہیں لیکن اس زمانہ کے گانے والے کچھ زیادہ عمدہ نہیں۔ نصف شب کے بعد یہ جلسہ برخاست ہوا لیکن مہارانی جنکو راجہ صاحبہ اور میں رات کے دو بجے تک بیٹھے رہے۔

یوم ہفتہ مورخہ ۱۳۔ مارچ ۱۹۱۵ء | آج کا دن پھر آنے والے کے لئے اس ضروری فرض سے شروع ہوا کہ پبلک کی درسگاہوں کو دیکھے۔ ہز ہائینس مہاراجہ صاحبہ بہادر سرکار عالیہ کو گرلس اسکول دکھانے لے گئے جنکو مہاراجہ صاحبہ اور سکھیا راجہ اور میں بھی ہمراہ تھی۔ ہم لڑکیوں کے مدرسہ میں گئے۔ دراصل ہندوستان میں تعلیم نسوان ایک اہم مسئلہ ہے اور اب آپ کچھ کوششیں ان کو تھوڑی سی تعلیم دینے کے لئے ہو رہی ہیں اور وہ کچھ تعلیم حاصل کرنے لگی ہیں۔ پبلک گرلس اسکول کی عمارت نہایت نفیس، صاف اور روشن ہے سرگرم پرنسپل نے ہم کو مدرسہ لیجا کر دکھلایا ہم نے کچھ عمدہ کشیدے کڑھے ہوے اور طالبات کے خود تیار کردہ بعض قسم کے کھانے دیکھے سردارس گرلس اسکول پُرانے محل میں ہے۔ یہ عمارت اپنی تعمیر کے لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی کوشش بیکار ہے کیونکہ لڑکیوں کی شادی بارہ برس کی عمر میں ہونا لازمی ہے مہارانی صاحبہ نے کچھ خوبصورت کشیدہ کا کام جو لڑکیوں نے کیا تھا سرکار عالیہ کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا۔ اس پرانے محل میں کچھ قدیم ملازم رہتے ہیں اور سال میں مختلف قسم کے مراسم کی ادائگی ابھی تک اس محل میں کی جاتی ہے۔

سکھیا مہارانی صاحبہ سرکار عالیہ کو اور ہم کو اپنے مندر کے پاس بھی لے گئیں جو محل کے اندر ہے۔ ہم نے بہت سی جگمگاتی ہوئی مورتوں کو اونچے اور صاف پائے والے ستونوں پر دیکھا۔

سہ پہر کے وقت ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر واٹر ورکس کی عمارت

دکھلانے کے لئے لیگئے جو شہر سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے اس سے تقریبًا بیس میل تک
زمین کی آب پاشی کی جائیگی جس سے بے حد آمدنی ہوگی۔ ہم نے وہاں پر ایک نفیس
چھوٹے سے مکان میں جو جھیل کے سامنے بنا ہوا ہے چاء کا لطف اُٹھایا اور پشتہ کے
اوپر اور نیچے بھی ہم نے سیر کی۔ سورج کا غروب ہونا اُس وقت خوبصورت معلوم
ہو رہا تھا۔ اور آسمان ایسا نظر آتا تھا کہ چمکتا ہوا سونا چھڑک دیا گیا ہے۔

اتوار۔ ۱۴۔ مارچ ۱۹۱۵ء۔ آج صبح کو سب سے پہلے ہز ہائینس مہاراج نے سرکار عالیہ کو
عجائب خانہ دکھایا۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے اور اس میں بہت کچھ پچی کاری کا کام
ہو رہا ہے اس میں پرانے چند ہتھیار ہیں اور کثرت سے بھُس بھرے ہوئے جانور ہیں
جس سے یہ زیادہ تر قدرتی تاریخی اشیا کا عجائب خانہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں گوالیار
کی مصنوعات بھی ہیں۔ چونکہ شہر سے فاصلہ پر اور محلات کے قرب میں ہے اسواسطے
یہاں ہر آدمی آسانی سے نہیں پہنچ سکتے اور اس لئے مقبول عام نہیں ہے۔ مہاراجہ
صاحب کا ارادہ ہسپتال کو عجائب خانہ بنانے کا ہے۔ اور اس میں زیادہ پیمانہ پر اس کا
انتظام کریں گے۔ چونکہ منو راجہ صاحبہ سرکار عالیہ کو مدعو کر چکی تھیں اس لئے یہاں سے
وہاں جانا ہوا۔ یہ ایک بڑا وسیع محل ہے جہاں پر یہ ملاقات کم و بیش باضابطہ قسم کی
تھی کیونکہ اُنھوں نے ہمکو پوشاکیں عطا فرمائیں اور حسب معمول عطر و پان کی رسم بھی ادا
کی گئی۔ اُن کے شوہر سیتھولے صاحب آئے اور سرکار عالیہ کو سلام کیا۔ چار بجے ہز ہائینس
آہستہ آہستہ ایک بڑی ٹرمیوی کی شکل موٹر کار میں قلعہ کی اور اس کی چاروں طرف
کی سیر کرائی۔ یہ پروگرام میں ایک نہایت دلچسپ کام تھا کیونکہ ہندوستان میں گوالیار
کا قلعہ نہایت ہی تاریخی اور دلچسپ ہے بیشک اس قدر تھوڑا وقت رہ گیا تھا کہ ہم
کُل قلعہ کو دو گھنٹہ میں دیکھنے پر مجبور ہوئے جو ایک عظیم الشان جگہ کے دیکھنے کے لئے
ناکافی تھے۔ جہاں پر ہر ایک پتھر اپنے اندر خاص دلچسپی رکھتا تھا اور ہر ایک نہایت ہی

غور و خوض سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ نہایت قدیم اشیاء کو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا
تمام اقسام کی مورتیاں پہاڑوں کے پہلوؤں میں منقش تھیں اور ایک یا دو مورتیں
بڑی قوی الجثہ اور خوبصورت تناسب اعضاء کی پچاس فٹ سے ساٹھ فٹ تک اونچی
تھیں۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر عمدہ پرانے مندر اور محل بنے ہوئے تھے۔ بعض بالکل اچھی حالت
میں اس وقت تک موجود تھے۔ اور بعض پر کم و بیش زمانہ کے حوادثات کا اثر تھا اور
بعض بالکل ویران پڑے تھے وہاں پر قدرت اور صناعی یکجا ملی ہوئی تھیں ان کے
قرب و جوار میں عجیب و غریب سوز و گداز کے تاریک اور روشن مناظر تھے۔ ویران
محلات اور شکستہ قصبات کثرت کے ساتھ نظر پڑے جو ایک طلسم کے مانند معلوم ہوتے
تھے۔ ہوا سے پرانے زمانے کے واقعات کی صدائے بازگشت آرہی تھی اور
جاں گدازی کے طور طریقے ظاہر ہو رہے تھے۔ ہم پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور وہاں پر ایک
قدیم ملکہ کے محل کے پاس کھڑے ہوئے جو ایک نہایت ہی عمدہ عمارت تھی اور جس پر
مثل ایک لیس کے کام کی پچے کاری ہو رہی تھی وہاں سے نہایت شاندار نظارہ شہر
اور گوالیار کے زرخیز میدانوں کا نظر آتا ہے۔ محل ایک بڑی چمکتی ہوئی سفیدی کی طرح
دور سے نظر آرہا تھا۔ رہنے کے مکانات کے گنبد اور مینار، باغات اور فواروں میں
کثرت سے درخت نکل آئے تھے۔

سورج کے غروب ہونے کی آخری کرنیں نہایت ہی خوشنما منظر پیدا کر رہی
تھیں مہاراجہ صاحب بہادر نے ملٹری اسکول ان ہی قدیم عمارات قلعہ میں قائم
کیا ہے۔ سرکار عالیہ کے روبرو ہز ہائینس ممدوح نے فوجی طالب علموں کا امتحان لیا
ڈرل بھی دکھائی گئی اور ایک قدیم عمارت کے سامنے وہاں کے پرنسپل صاحب
کی بہن کی جانب سے چاء پیش کی گئی ہر سہ مہارانی صاحبان سرکار عالیہ اور ہم
سب نے چاء نوش کی، سامنے سے مُرار کا منظر نظر آرہا تھا۔

رات کے وقت ریاست کے کمرۂ دعوت میں اسٹیٹ ڈنر دیا گیا شاندار زرق برق پوشاکیں اور شریف خواتین کے زیورات بڑے بڑے جھاڑوں کی خوشنما روشنی میں جگمگا رہے تھے اور عمدہ پوشاکیں پہنے ہوئے جو خواصیں خدمات کے لئے وہاں پر مستعدی اور خاموشی سے کھڑی ہوئی تھیں ان کا نفیس رنگین لباسوں میں ادھر اُدھر پھرنا ایک لطف پیدا کر رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم دربار ہال میں آئے اور وہاں پر خواتین سے بھرے ہوئے دربار میں حضور سرکار عالیہ نے ایک مختصر تقریر نہایت عمدہ الفاظ میں فرمائی جس میں اپنے میزبان کا شکریہ! اور گوالیار آنے پر اظہار مسرت تھا جواب میں سکھیا مہارانی صاحبہ نے سرکار عالیہ کی تشریف آوری پر اظہارِ مسرت و شکر گزاری کیا۔ اس کے بعد سرکار عالیہ کے سامنے خلعتیں اور زیورات پیش کئے گئے جس میں کئی سنہری دوشالے کمخواب کے کپڑے بنارس کی ساڑھیاں وغیرہ تھیں اور ایک نہایت خوبصورت گلوبند تھا جس میں موتی اور ہیرے لگے تھے۔ حسب دستور اُس پر ہاتھ رکھا گیا اور خواصیں اُن کشتیوں کو نہایت سلیقہ سے لے گئیں۔ پھر دوسری خواصوں کا جلوس آیا جو میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ (سرکار عالیہ کے فرزند اصغر نواب زادہ میجر، حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر کی بیگم صاحبہ) کے لئے خلعت ہفت پارچہ لایا تھا۔ تمام خواتین نہایت ادب و سلیقہ کے ساتھ قدم بقدم لے کر آ رہی تھیں خلعت علیحدہ علیحدہ خوانوں میں سجا ہوا تھا اور اُس کے جلوس میں عطردان گلاب پاش اور جڑاؤ پاندان تھا۔ سامنے مجرا ہو رہا تھا اور تمام خواتین کرسیوں پر مؤدب بیٹھی ہوئی خاموشی سے سُن رہی تھیں۔ یہ خلعت اسی طرح پیش کیا گیا اور اُس پر ہاتھ لگا دیا گیا۔ اس خلعت پر بھی زمرد اور موتیوں سے مرصع گلوبند تھا مجھکو ایک کشتی زمرد، ہیرے اور موتیوں کی اور سنہری ساڑھیاں اور کمخواب کے کپڑے مرحمت ہوئے۔ پوشاک دینے کی رسم حسب معمول عطر و پان اور پھولوں کے ساتھ ختم

شب کو ختم ہوئی۔

ہز ہائینس سکھیا راجہ صاحبہ مجھکو اپنے خلوت کے مکان میں تھوڑی دیر کے لئے لے گئیں۔جہاں پر شہزادی کملا راجہ ایک سنہری پلنگڑی پر آرام سے سو رہی تھیں اور خاموش خواصیں چاروں طرف پہرہ دے رہی تھیں اُن کے پہلو میں ایک سنہرا پالنا پڑا ہوا تھا چمکدار رنگا رنگ کے کھلونے بچے کے کھیلنے کے لئے وہاں پر سب طرف پڑے ہوئے تھے۔

سکھیا راجہ صاحبہ ایک نہایت زیرک اور سلیقہ مند خاتون ہیں اور مہاراجہ صاحب کے نابالغی کے زمانہ میں اُنھوں نے ریاست کا انتظام بطور ریجنٹ کے نہایت ہی مستعدی اور مدبری کے ساتھ کئی سال تک انجام دیا ہے۔

ہز ہائینس کو اپنی والدہ کی بزرگی اور اطاعت کا بے حد خیال ہے محل کے رہنے والوں میں جو اتحاد۔ اخلاق اور رعب وداب قائم ہے وہ پُرانے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دلاوری اور شاعرانہ تخیلات مردہ نہیں ہوگئے تھے۔

اس عالی شان خانہ داری کا انتظام نہایت خوبی سے کیا جاتا ہے ہم جنکو راجہ صاحب کے گول کمرے میں واپس آئے اور کچھ گانا سنتے رہے۔ باجہ خوب بج رہا تھا۔ رات کے دو بجے ہم وہاں سے رخصت ہوئے اور اس جدائی کا بے حد افسوس ہوا۔ چونکہ سرکار عالیہ دہلی تشریف لے جانے والی تھیں اور میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ بھوپال واپس ہو رہی تھیں اسلئے ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر نے اُن کے اعزاز کو ملحوظ رکھکر منو راجہ صاحبہ کو ہدایت فرمائی کہ دولہن صاحبہ کے ہمراہ اسٹیشن تک جائیں چنانچہ وہ تشریف لائیں اور جب تک ٹرین روانہ نہ ہوگئی وہیں رہیں ہز ہائینس کے دو ایڈیکانگ بھی انتظام کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے ریل تین بجے روانہ ہونے والی تھی اور ہم اپنے ڈبہ میں دو بجے سے چلے گئے۔ یہ ایک گھنٹہ اور منو راجہ صاحبہ کے

ساتھ دلچسپ گفتگو میں صرف ہوا دولہن صاحبہ کے ہمراہ میں بھی بھوپال واپس آئی۔ سرکار عالیہ کے بھتیجے میاں سالار محمد خاں صاحب بہادر ہمارے ہمراہ تھے۔

پیر۔ ۱۵۔ مارچ ۱۹۱۵ء | پھر (جیسا کہ مجھے بعد کو علم ہوا) علی الصباح سرکار عالیہ کا ہمراہی اسٹاف جس میں اُس وقت مسٹر عبدالصمد مظہر بی اے ملیٹری سکریٹری اور مہتمم تاریخ (منشی محمد امین اڈیٹر ظل السلطان) تھے ہزہائینس مہاراجہ صاحب کے آفس روم میں طلب کیا گیا۔ جہاں اُن کو ہزہائینس مہاراجہ نے اپنے دست مبارک سے ہار اور پان عنایت فرمائے اور زریں دو شالے مع پگڑیوں کے عطا کئے۔ اس کے بعد سرکار عالیہ مع مہارانی صاحبہ کے شاہ غوثؒ صاحب کے مقبرہ پر پُرانے گوالیار تشریف لے گئیں۔ شاہ غوثؒ عہد اکبری کے مشہور صاحب نسبت بزرگوں میں سے ہیں ان کی ذات کے ساتھ شہنشاہانِ مغلیہ کو ہمیشہ عقیدت رہی ہے ان کا مقبرہ قدیم سنگین صنعتِ تعمیر کا ایک نمونہ ہے وہاں سے واپسی کے بعد حضور عالیہ ہزہائینس کے پرائیوٹ پلیٹ فارم سے بذریعہ اسپیشل ٹرین کے دہلی روانہ ہوئیں۔ مشایعت کے وقت ہزہائینس اور مہارانی صاحبان بھی تشریف رکھتی تھیں۔"

حیدرآباد دکن | آخر اگست ۱۹۱۵ء میں اعلیٰحضرت نظام کی دعوت پر پرائیوٹ طور پر ہزہائینس حیدرآباد تشریف لے گئیں اور پانچ دن بشیر باغ میں قیام فرمایا علاوہ اُن ملاقاتوں کے جو اعلیحضرت اور بیگمات کرام سے ہوئیں حیدرآباد کے مشہور مقامات کی سیر زنانہ مدرسوں اور شفاخانوں اور یتیم خانہ وغیرہ کے ملاحظہ میں اوقات گرامی مصروف رہے۔ اعلیحضرت سے ملاقاتوں میں بھی تعلیم نسوان اور عثمانیہ یونیورسٹی کے نتائج و فوائد پر گفتگو رہی۔

۴۔ ستمبر کو انجمن خواتین دکن نے پبلک طور پر علیا حضرت کو بشیر باغ کے ایک بڑے ہال میں ایڈریس پیش کیا بہ کثرت تعلیم یافتہ اور امراء و عمائدین کی خواتین شریک تھیں۔ اس ایڈریس کے جواب میں علیا حضرت نے تقریر ارشاد فرمائی جس میں بلحاظ ضرورت و موقع مسائل نسوان پر

بحث تھی اور خواتین دکن کو تعلیم اور مذہبی پابندی کی طرف توجہ دلائی تھی اور فرماں روائے دکن کی توجہات و فیاضی اور خصوصاً عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کو خواتین دکن کی بہبودی و بہتری کے اسباب و مواقع سے تعبیر کرکے اس سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دی تھی۔ حیدرآباد میں خواتین کے ایسے شاندار اجتماع کا یہ پہلا موقع تھا جس کی یاد خواتین کے دل میں مدتہائے مدید تک باقی رہے گی۔

محل کی زندگی

یہ مضمون علیا حضرت کے تذکرے میں ایسا اہم اور بسیط مضمون ہے جس کے لکھنے کے لئے ادبی خوبی کے ساتھ ذاتی معلومات کی بڑی ضرورت ہے اس بنا پر مؤلف تذکرہ نے علیا جناب شاہ بانو میمونہ سلطان صاحبہ بالقابہا سے درخواست کی اور جناب موصوفہ نے بکمال عنایت درخواست منظور فرماکر نہایت قابلیت کے ساتھ یہ مضمون ارقام فرمایا۔ جو اگرچہ مختصر ہے لیکن ادبی محاسن کے ساتھ علیا حضرت کی روزانہ زندگی کا سبق آموز اور حیرت انگیز مرقع اور اس تذکرہ کا سب سے زیادہ دلچسپ باب ہے۔

علیا حضرت سرکار عالیہ کے زمانہ ولیعہدی تک توحسب ذیل مشاغل تھے۔ جاگیر اور ڈیوڑھی کا کام، خانہ داری، تربیت اولاد، مطالعہ اور کتب بینی۔ اس کے سوا درس تدریس کا مشغلہ رہتا تھا اور اپنی اولاد کے سوا خاندان کی لڑکیوں کو بھی تعلیم دیتی رہتی تھیں۔ کتب بینی اور ہر قسم کی مذہبی و اخلاقی کتابوں کے مطالعہ فرمانے کا کافی وقت ملتا تھا۔ صدر آرائے ریاست ہونے کے بعد غیر محدود مشاغل ہوگئے اُن کا کوئی صحیح پروگرام بتانا اور پورے طور پر احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

علی العموم صبح کو نماز و تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد اگر موسمی حالت اچھی ہوئی تو باغ میں

چہل قدمی فرماتی ہیں۔ اکثر مدرسۂ سکندری میں تشریف لیجاتی ہیں اور لڑکیوں پر شفقت مادرانہ مبذول فرماتی ہیں، اُن سے پُر لطف اور حوصلہ افزا باتیں کرتی ہیں۔ اس سے فارغ ہوکر کاغذاتِ ریاست کو جن میں بعض اوقات بڑی بڑی مسلیں بھی ہوتی ہیں ملاحظہ کرکے ان پر احکام صادر فرماتی ہیں اور تقریباً کل احکام اپنے قلمِ خاص سے تحریر کرتی ہیں۔ حکم بہت مختصر ہوتا ہے مگر جامع اور تمام مطلب پر حاوی ہوتا ہے اور بعض اوقات تفصیلی احکام بھی لکھتی ہیں۔ اُسی وقت ڈاک اور اخبارات ملاحظہ فرماتی ہیں اور پھر شام تک مختلف کام مختلف اوقات میں انجام دیتی ہیں اکثر عہدہ دارانِ ریاست اجلاس کے کمروں میں باریاب ہوتے ہیں اور اُن سے انتظامی معاملات پر گفتگوئیں ہوتی ہیں۔ اُسی وقت کبھی کبھی سیکرٹری بھی کاغذات پیش کرتے ہیں اور بالمشافہ سماعت فرماکر احکام صادر فرماتی ہیں۔ اسی کمرہ میں اُن اصحاب سے بھی ملاقاتیں ہوتی ہیں جو باہر سے کسی خاص قومی مقصد کے لئے بھوپال آتے ہیں۔ اور سرکار عالیہ اُن کو اعزازِ حضوری عطا فرماتی ہیں۔ پولیٹیکل عہدہ داران اور دیگر ممتاز یورپین جنٹلمینوں سے بھی یہیں پر پرائیوٹ ملاقات ہوتی ہے۔

دوپہر کو خاصہ تناول فرمانے کے بعد کچھ قیلولہ کرتی ہیں اور پھر نماز ظہر ادا کرکے مختلف کاموں میں مشغول ہوجاتی ہیں۔ کبھی قدرتی مناظر کے پینٹنگ کا کام شروع کردیتی ہیں۔ اور کئی کئی گھنٹے اس میں مصروف رہتی ہیں۔ کبھی سوزن کاری کا شغل فرماتی ہیں۔ دستکاری کی طرف طبیعت بچپن ہی سے مائل ہے۔ ہر قسم کے سوئی کے کام میں مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ آئل پینٹنگ سے بہت مناسبت ہے۔ اثنائے سفرِ حجاز میں اس فن کو جہاز میں سیکھا تھا لیکن مناسبتِ طبیعت سے تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی مشق بہم پہنچائی کہ مناظرِ قدرت کی نقشہ کشی میں یدِطولیٰ حاصل ہوگیا بڑے بڑے ماہرینِ فن سرکار عالیہ کے کام دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں محلات کے ڈرائنگ روموں میں اکثر نقشے حضور ممدوحہ ہی کے تیار کئے ہوئے آویزاں رہتے ہیں اور اکثر اپنے یورپین احباب کو اپنی دستکاری کی چیزیں بطور تحفہ دیتی ہیں۔

اکثر فرصت کے وقت ریشم کا فینسی ورک بھی بناتی ہیں اور جو انگلش لیڈیز دوست ہوتی ہیں اُن کو تحفۃً اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا دیدیتی ہیں۔ ہز امپیریل میجسٹی کنگ وامپرر جارج پنجم دام سلطنتہٗ جب کہ بزمانہ ولیعہدی تشریف فرمائے ہند ہوئے تھے تو حضور ممدوح کی تحائف کی پیشکش میں زیادہ حصہ سرکارِ عالیہ کی ہی دستکاری خاص کا تھا۔ علیگڈھ کی قومی نمائش اور الہ آباد کی ملکی نمائش میں بھی سرکارِ عالیہ نے اپنی دستکاری کی چیزیں بھیجی تھیں جو سوزنکاری کے کام کا بہترین نمونہ تھیں لندن کی مشہور نمائش میں سرکارِ عالیہ کی دستکاری کی چیزیں رکھی گئی تھیں۔ مصوری میں انسانی تصاویر بنانے سے بخیال اتقا احتراز ہے البتہ مناظرِ قدرت کی تصاویر کھینچنے کا خاص طور پر شوق ہے۔

آئل پینٹنگ کی تصویر میں یہ ضروری ہے کہ جس منظر کی تصویر بنائی جائے وہ پیش نظر ہو اس لئے اکثر تو سرکارِ عالیہ محل شاہی یا دیگر مقامات سے صرف اُن مناظر کی جو نظر آسکتے ہیں تصویر کھینچ لیتی ہیں۔ لیکن ابتدا میں جب کسی ایسے منظر کی تصویر بنانا مقصود ہوتا تھا جو پیش نظر نہ ہوتا تو اوّل اُس کو بغور دیکھ لیتیں اور پھر قوّتِ حافظہ کی امداد سے اس کا نقشہ کھینچکر پھر لیتی تھیں اور پھر ایک مرتبہ اس منظر کو دیکھ کر مقابلہ کر لیتیں تاکہ کوئی نقص نہ رہ جائے۔ لیکن اب تو مصوری کا اس قدر شوق ہے کہ ہمیشہ جب موٹر میں شہر سے باہر ہوا خوری کو جاتی ہیں تو پینٹنگ کا سامان ضرور ساتھ رکھواتی ہیں۔ اور ماشاء اللہ تھوڑی سی دیر میں دو تین مناظر کا خاکہ کھینچ لیتی ہیں۔ اور یادداشت کے واسطے جگہ جگہ پر رنگ لگا دیتی ہیں۔ پھر محل پر آکر اُس کو بالکل منظر کی طرح بنا لیتی ہیں ریاست کے دوروں میں بھی بہ اوقاتِ فرصت یہ مشق جاری رہتی ہے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں کبھی نوابزادگان کی سالگرہ پر بھی بطور تحفہ بھیجتی ہیں۔ دستکاری وغیرہ کے علاوہ اکثر اپنی تصنیفات و تالیفات کے مسودات تحریر کرتی ہیں یا اُن کے لئے انگریزی سے ترجمہ کرتی ہیں۔

شام کو بعد نمازِ عصر موسم کے لحاظ سے باغ میں تفریح کے لئے چلی جاتی ہیں۔ کبھی صبح شام یا اور کسی وقت موٹر میں سوار ہو کر باغات و تعمیرات وغیرہ کے ملاحظہ کو جاتی ہیں۔ نمازِ مغرب کے بعد موسمِ سرما میں کتب بینی اور تحریرِ مسودات کا کام عموماً کرتی رہتی ہیں یا کبھی کبھی

نوابزادگان سگے یہاں تشریف لے جاتی ہیں۔

مطالعہ میں عموماً اِن کتابوں کا زیادہ حصّہ ہوتا ہے جو خاص عورتوں سے یا بچّوں کی پرورش، تربیت اور تعلیم سے متعلق ہوں یا مذہب و اخلاق سے تعلق رکھتی ہوں ایسے مطالعہ میں اگر انگریزی کتابیں ہوتی ہیں تو ان مضامین پر خاص توجہ فرماتی ہیں جو ہندوستانی بچّوں کے واسطے مفید ہوسکتے ہیں اور پھر اِن کا ترجمہ کرا لیا جاتا ہے جن میں اپنی تصانیف میں مدد لیتی ہیں۔ کبھی کبھی مشہور و معروف انگریزی ناولوں کا بھی مطالعہ کرتی ہیں۔

چونکہ باغ سے نہایت گہری دلچسپی ہے اور محل کے اندر بھی عمدہ قسم کے خوشنما درخت گملوں میں رکھے رہتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان گملوں کی ترتیب درستی اپنے ہی ہاتھوں سے کرتی ہیں۔

اجلاس کے کمرہ میں جس طرح وہ اپنے شاہانہ فرائض انجام دیتی ہوئی نظر آتی ہیں اُسی طرح اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ محل کے اندر خانہ داری کے مختلف کام بھی خود ہی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حتےٰ کہ اپنے خاندان کے بچّوں کے لباس کی قطع و برید، کسی خاص چیز کا پکانا یا ترتیب دینا اور نصیبِ دشمناں کوئی علیل ہو جائے تو اُس کی تیمارداری اور اس قسم کے بیسیوں اشغال میں اپنے کو مشغول کئے رہتی ہیں۔

خادماؤں اور ماماؤں کے ساتھ خوش اخلاقی، درگذر اور عفو و کرم سے کام لیتی ہیں اور قصوروں پر چشم پوشی فرماتی ہیں اگر کبھی کسی سخت قصور پر غصّہ آیا تو مزاج برہم ہو جاتا ہے مگر چند ہی منٹ میں برہمی رفع بھی ہو جاتی ہے۔ اکثر اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتی ہیں اور خادمات کے ساتھ بھی بہت سے کام خود ہی کر لیتی ہیں۔

تحقیق کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ سرکار خلد نشین نواب سکندر بیگم صاحبہ نے جہاں بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش کی حتےٰ کہ ایک مرتبہ سرکار خلد مکان نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ پر صرف اس بات سے ناراض ہوئی تھیں کہ حضور ممدوحہ کو ایک خاندانی تقریب میں بغیر چتر و جنود کے بھیجا تھا وہاں اپنے سامنے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ چکّی بھی پسوائی تھی اور دالان میں سنہرائی بھی دلوائی

تھی اور محض اس لئے کہ غریبوں کی محنت کا اندازہ اور امہات المؤمنین و بناتِ طیبات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ادا ہو جائے۔

جب نوابزادگان تشریف لے آتے ہیں تو اُن سے مختلف خانگی باتیں یا سرکاری امور پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ کسی دن جب خاندان کے بچے جمع ہو جاتے ہیں تو اُس وقت اُن کے ساتھ مشغول رہتی ہیں اور ایک شفقتِ مجسم نظر آتی ہیں۔

رمضان المبارک میں معینہ کاموں کے علاوہ شام کے وقت افطاری کی تیاری میں بھی کبھی خود حصہ لیتی ہیں اور کبھی کوئی کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتی ہیں اور اُس کو نوابزادگان کے لئے بطور تحفہ بھیجتی ہیں۔ یہ چیزیں نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں۔

تراویح میں پورا قرآن مجید سنتی ہیں۔ نوابزادہ برگیڈیر جنرل حاجی حافظ محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر بالقابہ جب تک قصر سلطانی پر قرآن مجید سناتے تھے تو محل پر پڑھتی تھیں مگر جب سے کہ جہاں نما پیلس پر سنانے لگے ہیں تو وہاں تشریف لیجاتی ہیں اور پورا کلام مجید سنتی ہیں جو پندرہ بیس دن میں ختم ہوتا ہے۔

اِن ہجوم اشغال میں اپنی پوتی عابدہ سلطان سلمہا کو خود قرآن مجید پڑھاتی ہیں۔ نماز اور کلام مجید کی چند سورتیں خود ہی یاد کرائی ہیں۔ کنڈر گارٹن کا ہر طرح کا سامان موجود رہتا ہے اس سے بھی تعلیم دیتی ہیں اور کچھ حصۂ وقت بچوں کے ساتھ پُر لطف باتوں میں صرف ہوتا ہے۔

تعلیم دینے کا تو خاص شوق اور خیال ہے۔ خدا کے فضل سے اب تو سرکار عالیہ کو اتنا وقت بھی مل جاتا ہے لیکن اُس زمانہ میں بھی جبکہ کام کی اس قدر کثرت تھی کہ صبح سے شب کے گیارہ بجے تک منہمک رہتی تھیں اور اہم انتظامات میں مصروف رہنے کے باعث دل و دماغ تھک جاتا تھا تو بھی نوابزادہ حمید اللہ خاں صاحب بہادر کی جن کی عمر اُس وقت ۷ سال کی تھی تعلیم و تربیت کی نگرانی ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسرے کے سپرد نہیں کی اور میں بحیثیت ایک شاگرد کے سرکار عالیہ کے اس شوق کا پورا تجربہ رکھتی ہوں۔

طرز و طریقۂ تعلیم بھی خاص دلنشین ہے۔ شفقتِ مادری اور الفتِ اُستادی کی ملی جلی

کیفیت کا اندازہ صرف شاگردوں ہی کو ہو سکتا ہے۔ غرض تعلیم کا طریقہ اور تعلیم دینے کا شوق بجائے خود ایک مضمون ہے جو اس تذکرہ میں غالباً باعثِ طوالت ہوگا۔

یورپین لیڈیز سے محل کے اندر ہی ملاقات کرتی ہیں اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ کسی لیڈی کے ساتھ کچھ وقت نہ گذرتا ہو۔ اُن سے بالعموم مختلف مسائلِ نسواں پر گفتگو ہوتی ہے۔

محل کی آرائش مختلف کمروں میں مختلف قسم کی ہے اور حضور ممدوحہ کے ہی مذاقِ سلیم پر اسکا انحصار ہے خاص طور پر جو کمرے استعمال میں رہتے ہیں وہ ہندوستانی معاشرت کے لحاظ سے آراستہ ہیں لیکن متعدد کمرے اعلیٰ قسم کے فرنیچر سے یورپین طرزِ معاشرت پر سجائے گئے ہیں۔

نشست عموماً فرش پر رہتی ہے اور اس کو پسند کرتی ہیں البتہ کھانا چھوٹی میز پر تناول فرماتی ہیں جیسے کہ عرب میں دستور تھا۔ سرکار عالیہ نے یہ طریقہ بعد حج جاری کیا ہے اسوقت مختلف مضامین پر گفتگو کا سلسلہ چھڑتا ہے۔ غذا نہایت سادہ ہوتی ہے۔ ترکاریاں، دالیں اور چٹ پٹے کھانے زیادہ مرغوب ہیں۔ مرغن غذا کو پسند نہیں فرماتیں۔

لباس میں انتہائی سادگی ہوتی ہے اور قیمتی نہیں ہوتا حضور ممدوحہ لباس و طرزِ معاشرت میں جس طرح قدیم طرز کو قابلِ اصلاح تصور کرتی ہیں اسی طرح خاص یورپین لباس اور معاشرت کو بھی ہندوستانیوں کے لئے بھی موزوں نہیں سمجھتیں وہ ایک اصلاح یافتہ طرز کو جس نے دونوں ملکوں کے آرام دہ قطع و برید سے مل کر ترکیب پائی ہو پسند فرماتی ہیں بالخصوص عورتوں اور بچوں کے لباس میں جو جو اصلاحیں فرمائی ہیں وہ اگر ہندوستان میں عام طور پر پھیل جائیں تو ایک نہایت مفید تغیر ہو جائے۔

حضور ممدوحہ گھٹنے تک کا کُرتا بہت پسند فرماتی ہیں اور بالعموم بھوپال میں یہ کُرتا سرکاری کُرتا مشہور ہے۔ اُنھوں نے اپنی کتاب معیشت میں ایسے اصلاح یافتہ لباس کا

بخوبی خاکہ کھینچا ہے اور یہ لباس اس قسم کا ہے کہ اس سے حقیقی ستر پوشی ہوتی ہے اور ناز و ادا کرنے میں بھی آسانی ہے۔

زیورات کا تو ابتدا سے ہی شوق نہیں ہوا البتہ کبھی اور وہ بھی صرف تقریبات میں ہلکا ہلکا زیور پہن لیتی ہیں۔

اکثر ضرورت مند اور غریب مستورات اور رعایا کی عورتیں محل میں باریاب ہوتی ہیں اور سرکار عالیہ اُن کے دُکھ درد اور ضرورت کو توجہ کیساتھ سنتی اور ہمدردی فرماتی ہیں۔ خاندان یا ارکین ریاست کی خواتین بھی حضوری حاصل کرتی رہتی ہیں جن کے ساتھ ہمیشہ کریمانہ اخلاق سے ملاقات فرماتی ہیں۔

اپنے اعزا و اخوانِ ریاست پر بے انتہا مہربان ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھتی ہیں کہ دانائی کی محبت اور نادانی کی محبت میں کیا فرق ہے۔ ہمیشہ کوشش فرماتی ہیں کہ خاندانِ ریاست جس طرح اپنے خاندانی اعزاز کے لحاظ سے ممتاز رہا ہے علم ولیاقت اور فضیلت کے لحاظ سے بھی ممتاز ہو اور اس مقصد کے لئے سرکار عالیہ نے ابتدا سے مختلف قسم کی تدابیر اختیار فرمائی ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر وقت والدین کو بچوں کی تعلیم کی طرف رغبت دلاتی رہتی ہیں۔ اکثر لڑکوں کو وظائفِ تعلیمی عطا فرماتی ہیں۔ محل کے قریب ایک چھوٹا بورڈنگ اسکول ہے جس میں تمام اعزا و اقربا کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں اور خود اِن کی تعلیمی حالت کی نگرانی فرماتی ہیں۔

سرکار عالیہ ہر شخص کی قابلیت اور اہلیت کا صحیح اندازہ رکھتی ہیں اور جو شخص جس کام کے لائق ہوتا ہے اُس کو اُسی کام پر مامور فرماتی ہیں۔ کسی قسم کی رو رعایت کو دخل نہیں دیتیں تقریبات میں زرِ نقد سے امداد دینے میں ہمیشہ فیاض ہیں مگر ساتھ ہی فضول مراسم اور مسرفانہ رویہ سے احتراز کرنے اور قرض لینے کی ممانعت میں نہایت سخت ہیں یہاں تک کہ اگر ذرا بھی اسراف کا احتمال ہوتا ہے تو خود ایوانِ شاہی میں بالکل سادہ طریقہ پر تقریبات کا انتظام

کر دیتی ہیں۔

خاندان کی تقریبوں میں فردِ خاندان اور بزرگ خاندان کی حیثیت سے شریک ہوتی ہیں اور سلوک فرماتی ہیں اور ان تمام جائز مراسم کو ادا کرتی ہیں جو اس حیثیت میں ادا کرنے ضروری ہیں۔

انصاف و عدل کے ساتھ شفقت و رافت طبیعت کا جوہر خاص ہے۔ بھوپال میں جب طاعون شروع ہوا تو اُن تمام تدابیر مختلفہ پر جو انسداد طاعون کے لئے ضروری ہیں نہایت تاکید کے ساتھ عمل کیا گیا لیکن سرکار عالیہ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت رنج و الم اور فکر و تردد میں ڈوبی رہتی تھیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ خود بخود خیال آجانے یا رپوٹوں کے پیش ہونے کی وجہ سے بے اختیار حضور ممدوحہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور عرصہ تک افسردہ خاطر رہیں اُس زمانے کے احکام کو دیکھکر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسے شفیق حکمراں کے دل پر اپنی رعایا کی مصیبت کا کیسا سخت صدمہ تھا۔ اگرچہ لاکھوں روپیہ حفظ ماتقدم اور علاج اور دیگر تدابیر پر صرف کیا جاتا تھا مختلف اوراد اور ختم مساجد میں ہوتے تھے لیکن دل کے اضطراب کا یہ حال تھا کہ ہر وقت خود دعا میں مصروف رہتی تھیں اور خدا سے رحم و عفو کی التجا کرتی تھیں اُن کی دور اندیشی نے جب ٹیکہ کے فوائد کو معلوم کیا تو اُس کے اجرا میں ہر قسم کی ترغیب دی یہاں تک کہ محض رعایا کو مطمئن کرنے اور ترغیب دینے کی غرض سے تمام خاندان کے ٹیکہ لگایا اور پھر اس پر بھی اکتفا نہ فرما کر باوجود ڈاکٹروں کی ممانعت کے بہ نفس نفیس اناکولیٹ ہوئیں، اسکول کے بچوں کو محل شاہی پر طلب کیا۔ اور اُن کو نہایت شفقت کے ساتھ باتیں کرکے ٹیکہ لگانے کے متعلق ایسی پُر اثر نصیحت فرمائی کہ چھوٹی سی چھوٹی عمر کا بچہ بھی بہ خوشی مستعد ہو گیا اور کئی گھنٹہ تک بہ نفس نفیس تشریف فرما رہیں اور ہر بچے کو جب وہ ٹیکہ سے فارغ ہو کر حاضر ہوتا تھا شاباش و مرحبا کہتی تھیں اور ڈاکٹروں کو بار بار سخت تاکید کرتی تھیں کہ پوری احتیاط سے کام لیں۔ بچوں کو ٹیکہ لگانا تھا کہ عام طور پر ٹیکہ کا خوف جاتا رہا اور ہر عمر کے آدمی نہایت خوشی کے ساتھ آمادہ ہو گئے اور بغیر کسی تامل اور جھجک کے تمام شہر نے ٹیکہ سے فائدہ اُٹھایا۔

جب کبھی یہ مصیبت رونما ہوتی ہے تو وہ زمانہ بھی عجب اضطراب کا ہوتا ہے اور اس اضطراب کا
اندازہ ان ہی کو ہو سکتا ہے جو ہر وقت حضوری میں حاضر ہوں۔
پنجوقتہ نماز کے بعد اس مصیبت کے دفع ہونے کی دعا مانگتی ہیں خود اوراد و وظائف
پڑھتی ہیں روزانہ ہدایتیں صادر فرماتی ہیں اور تدابیر انسداد کو عمل میں لانے کے لئے فیاضی
کے ساتھ اخراجات منظور فرماتی ہیں۔ بے حد پریشانی میں اکثر اوقات خود ٹیلیفون سے
ہیلتھ آفیسر اور ڈاکٹروں کو تاکیدیں کرتی ہیں شدتِ الم کے باعث ہم سب کو بارہا ناسازیٔ
مزاج کا اندیشہ ہو جاتا ہے اور باوجود طبع ہمایوں کو دوسرے مشاغل کی جانب مصروف
کرنے کی کوششوں کے جب دیکھتے ہیں تو رعایا کی اس مصیبت کا تصور ہی حضور
ممدوحہ کے سامنے پاتے ہیں۔

(میمونہ سلطان شاہ بانو)

مکارمِ اخلاق

اصولِ تذکرہ نویسی اور آئینِ سیرت نگاری کے مطابق ہم کو اپنی کتاب کا بابِ آخر علیا
حضرت کے مکارمِ اخلاق کا رکھنا چاہئے لیکن وہ اتنے وسیع غیر محدود اور بے پایاں ہیں کہ
ان کا احصا ایک باب میں تو کیا پوری کتاب میں بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اعترافِ عجز کے
ساتھ ہم اس باب کو بہت ہی مختصر رکھتے ہیں تاہم کسی باب میں کوئی حصہ ایسا نہیں جس
میں علیا حضرت کے مکارم اخلاق کا جلوہ نمایاں نہ ہو۔
ہر انسان خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو اس کے اخلاق کا صحیح اندازہ اور پورا عکس
ہمیشہ اس کی پرائیویٹ لائف میں نظر آتا ہے اور جس قدر وہ اس زندگی میں مکارمِ اخلاق
کا اظہار کرتا ہے اسی قدر وہ بلند اور ممتاز ہوتا ہے۔ یہی حالت علیا حضرت کے اخلاق کی
ہے جو محل کی زندگی میں نمایاں ہیں۔ حالانکہ علیا حضرت کی شاہانہ زندگی نے بمقابلۂ عام

امرا اور شرفا کے اُن کی ایک خاص امتیازی حیثیت کر دی ہے۔

تواضع | شاہانہ زندگی میں اگر تواضع اور منکسر المزاجی نمایاں ہو تو اس کو مافوق الفطرۃ تصور کیا جاتا ہے مگر جس شخص کو علیا حضرت کا شرف حضوری حاصل ہوا ہے سب سے پہلے اُس کے قلب پر اس صفتِ محمود کا نقش قائم ہوا ہے۔

یہ تو معمولی بات ہے کہ علیا حضرت ہمیشہ سلام میں تقدیم فرماتی ہیں گفتگو میں ہمیشہ مخاطب کا یا جس شخص کا ذکر کیا جائے اس کا حفظ مراتب رکھتی ہیں۔ حتےٰ کہ شدید اختلاف رائے کی صورت میں بھی حفظ مراتب کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکلتا جو فرمانروایانِ ملک کے لئے حیرت انگیز بات ہے۔

صبر و استقلال | انسان کی معمولی زندگی کیطرح علیا حضرت کی زندگی کی بھی بعض ساعتیں نہایت رنج و الم اور حسرت و غم میں گذری ہیں یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کی وفات۔ شوہر ذی وقار نواب احتشام الملک عالیجاہ بہادر کی رحلت۔ صاحبزادی برجیس جہاں بیگم کا انتقال ایسے سانحات ہیں جن کا اثر غم و دل سے دور نہیں ہو سکتا۔ پھر ان صاحبزادیوں کی ذات اور زندگی سے نہ صرف خاندان کی خوشیاں اور امیدیں وابستہ تھیں۔ بلکہ علیا حضرت نے اِن کی تعلیم و تربیت میں اُن صنفی مقاصد کی حمایت و اشاعت کو مرکوز خاطر رکھا تھا جن کو اپنا سرمایۂ زندگی سمجھتی ہیں لیکن باینہمہ اِن نازک اور حوصلہ شکن موقعوں پر علیا حضرت ہمیشہ مستقل و شاکر رہیں اور صبر جمیل کی مثال قائم کی۔ البتہ وہ غم و الم بہت ہی روح فرسا رہا جو ماں کی کشیدگی سے مسلسل ۲۷ برس تک برداشت کرنا پڑا اور جس کا اثر ابھی تک موجود ہے۔ یہ ماں بیٹی کی طولانی کشیدگی، یہ رنج و غم، یہ ایک دوسرے سے مغائرت اور پھر ایسی صورت میں کہ دونوں کے دلوں میں شفقت و محبت، عطوفت و ترحم ہمدردی و رواداری بدرجۂ اتم موجود رہی ہو اس میں شک نہیں کہ دنیا کا تحیّر خیز واقعہ ہے۔ لیکن اس واقعہ کے اندر معمولی خاندانوں سے شاہی خاندانوں تک کے لئے بڑے بڑے سبق ہیں کہ در انداز

اور خود غرض انسان کس طرح خاندانی خوشیوں کو قربان کرا دیتے ہیں یہ تمام واقعات علیا حضرت کی کتاب تزک سلطانی میں تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں۔ اس لئے اس تذکرہ میں ان واقعات کے درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ اِن واقعات اور اسبابِ کشیدگی پر بحث کرنا بھی بہت زیادہ تکلیف دہ ہے جیسا کہ خود علیا حضرت نے حیاتِ شاہجہانی میں ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"اگر کوئی شخص ان قابلِ فراموش واقعات پر کبھی تنقیدی نظر ڈالیگا تو اس کو ان نزاعوں کے پیدا ہونے کے اسباب خود معلوم ہو جائیں گے لیکن مجھے امید ہے کہ اس محنت طلب اور تکلیف دہ کام کے اختیار کرنے سے ہر شخص گریز کرے گا"

لیکن اس حصہ تذکرہ میں ہم علیا حضرت کی کتاب تزک سلطانی کے آخر باب کا کچھ اقتباس جو نواب شاہجہاں بیگم کی وفات کے متعلق ہے درج کرتے ہیں جس سے اُن جذبات کا جو علیا حضرت کے دل میں اپنی جلیل القدر ماں کی نسبت تھے۔ اور ابھی تک قائم ہیں کچھ تھوڑا سا اندازہ ہو سکیگا۔ علیا حضرت فرماتی ہیں کہ:

"سرکار خلد مکان کے مرض میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی تھی، حتےٰ اُن کو اپنی صحت سے قطعی مایوسی ہو گئی۔ اور اس مایوسانہ حالت میں اُنہوں نے ایک نہایت حسرت آمیز اور پُردرد اشتہار[1] جاری کیا، جس میں اپنی رعایا سے استدعا کی کہ "ہمارے تینتیس سالہ دورِ حکومت میں کسی شخص کو عمداً یا سہواً کوئی ضرر ہماری طرف سے پہنچا ہو تو لوجہ اللہ معاف کرے"

اس اشتہار کے جاری ہونے سے رعایا نے جس قدر دلی اور سچی ہمدردی کا اظہار کیا ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، کوئی دل ایسا نہ تھا جو سرکار خلد مکان کی اس تکلیف سے بے چین نہ ہو اور دلی خشوع و خضوع کے ساتھ اُن کے لئے دعا نہ کرتا ہو، جب عام لوگوں اور تمام رعایا کی یہ حالت تھی تو خود اندازہ ہو جائے گا کہ میرے دل کی کیا حالت ہو گی جس میں

[1] تذکرۂ نواب شاہجہاں بیگم میں درج ہے ۱۲

دخترانہ محبت کا جوش باوجود بے انتہا ناگوار واقعات پیش آنے کے شمہ برابر بھی کم نہ ہوا تھا۔

میں نے نہایت بیتابی کے ساتھ اس اشتہار کو دیکھا اور ایک امید پر جو میرے دل میں پیدا ہوئی تھی اول سے آخر تک حرف بحرف اس کو پڑھا مگر کہیں یہ فقرہ نہ پایا کہ "ہم نے بھی لوگوں کے قصور معاف کئے" تاہم پھر مکرر پڑھا کہ شاید یہ فقرہ پڑھنے سے رہ گیا ہو، لیکن معلوم ہوا کہ نظر کی غلطی نہ تھی بلکہ امید ہی کا پیدا ہونا غلط تھا مجکو اس فقرہ سے جس کو میں ڈھونڈھ رہی تھی موقع ملتا کہ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتی اور اس فقرہ کا حوالہ دیکر ان کی آخری زندگی میں خدمت سے بہرہ یاب ہوسکتی لیکن بمصداق جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ پہلے ہی سے دنیا میں یہ صدمہ برداشت کرنا میری تقدیر میں تحریر ہوچکا تھا، غرضکہ میں ان کی صحت کی دعا کرتی تھی اور دن رات تکلیفات کا حال سنکر کڑھتی جس سے میری روح کو سخت بے چینی تھی، اور صدمہ مجکو ہر وقت تحلیل کر رہا تھا، وقت گذرتا گیا مگر مرض کی تکلیف اور ازدیاد کا بھی حال گوش زد ہوتا رہا، اب مجھ سے زیادہ ضبط و صبر نہ ہوسکا اور میری محبت ان واہی اندیشوں پر غالب آگئی جو ایسی حالت میں اُن کے پاس جانے سے منروری تھے کیونکہ مجکو افترا پردازوں سے ہمیشہ کھٹک رہتی تھی۔

میں مضطربانہ تاج محل کو روانہ ہوئی۔ میرے ہمراہ صرف صاحبزادہ محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر تھے جن کی عمر اُس وقت سات سال کی تھی یہ پہلا موقع تھا کہ ننھا اور معصوم بچہ اپنی عالی قدر نانی کے دیکھنے کے لئے جارہا تھا، خدا جانے اُس وقت کیسے کیسے معصومانہ خیالات اس کے دل میں پیدا ہوں گے لیکن بچے کو نانی سے ملنے کا شوق محو کئے ہوئے تھا، لیکن مجھے پاؤ میل کا راستہ کوسوں دور معلوم ہوتا تھا، خدا خدا کرکے مجھے محل میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ اس سے پیشتر میں صرف ایک مرتبہ صاحبزادی سلطان جہاں بیگم کی زمانۂ علالت میں سرکار خلد مکان کو لینے آئی تھی یا اب ان کی عیادت اور خدمت کے لئے آئی، سخت

گرمی کا موسم، دو بجے کا وقت، محل میں کوئی راستہ بتانے والا بھی نہ تھا، سب جانتے تھے کہ میں خون کے جوش اور محبت کے اثر سے آئی ہوں، لیکن جو تھا بیگانہ تھا، بجائے اس کے کہ ایسی حالت میں میرا آنا باعثِ تسلی سمجھا جاتا، اُن لوگوں میں بے چینی اور گھبراہٹ پھیل گئی، میں ایک ایک سے پوچھتی ہوئی سرکار خلد مکان کے کمرے میں پہنچی، وہ بوجہ ضعف کے لیٹی ہوئی تھیں، میرا جی چاہا کہ ماں کے پاؤں سے لپٹ کر خوب روؤں، تلوؤں سے آنکھیں ملوں، اور جو جوش کہ ۲۷ برس سے دل میں بھرا ہوا دریا کی سی لہریں لے رہا ہے اُس کو جی کھولکر نکالوں، مگر سرکار کی خفگی کے خیال اور تکلیف کے خوف سے مجھے جرات نہ ہوئی اور دیوارِ حسرت بنکر کھڑی رہ گئی۔ سرکار خلد مکان کی حالتِ مرض لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر ہوتی گئی کیونکہ وہ مرض نہ تھا بلکہ مرض کی صورت میں موت تھی، اس کا کیا علاج ہو سکتا تھا، خدا نے تو امراض کے لئے دوائیں پیدا کی ہیں، اِن میں تاثیر بخشی ہے، لیکن موت کی کوئی دوا نہیں۔

مولوی عبدالجبار خاں صاحب بہادر نے اس سانحہ کی مجھے اطلاع کی، میں اس دن صبح ہی سے غیر معمولی طور پر پریشان تھی مجھے ہر چیز پر اُداسی چھائی ہوئی نظر آتی تھی کہ اس سانحۂ عظیم کی صدا میرے کانوں تک پہنچی، آہوں کے ہجوم سے حلق میں دم گھٹنے لگا، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، بگھی آئی اور میں تاج محل کو روانہ ہوئی۔ دل میں حسرتناک خیالات کا ہجوم ہو گیا ۴۵ برسوں کا گذرا ہوا زمانہ یاد آیا، قوتِ متخیلہ نے میری زندگی کے اُس حصّہ کو جس میں جلیل الشان ماں کی محبت و شفقت کی مسرت مجھے نصیب تھی دائمی فرقت سے بدل دیا اور میری ماں کو ایک خلد نشین پاکیزہ صورت میں مجسم کر کے میرے سامنے لاکر کھڑا کر دیا، مگر چشم زدن میں وہ پاک صورت تصور کی نظروں سے غائب ہو گئی، اور بجائے اس کے ۲۷ برسوں کا رنج دہ زمانہ ایک خوفناک شکل میں نمودار ہوا لیکن آنِ واحد میں وہ بھی نقش بر آب کی طرح مٹ گیا۔ پھر زمین و آسمان میں ایک سناٹا معلوم ہوا اور سب بے ثباتیِ دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا، اور نظر آیا کہ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ

الیکم وَ اِلَیہ تُرجعُوْنَ میں محل میں داخل ہوئی۔ وہی محل جس میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی، اُلّو کا مکان معلوم ہوتا تھا۔ ہر چیز پر عبرت و حسرت برس رہی تھی۔
اُس کمرے میں پہنچی جہاں سرکار خلد مکان تمام دنیاوی اقتدار و حکومت کو خیرباد کہکر ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کئے خوابِ شیریں میں محو تھیں، میرے آنے پر نہ نام کا استفسار اور نہ میرے جانے پر اصرار کیا، معلوم ہوتا تھا کہ وہ باتیں تمام تر بھلا دیں اور آخری منزل طے کرنے کے لئے مجھ سے رخصت ہونے کا انتظار کر رہی ہیں، میں نے بے تابی اور بے اختیاری کے ساتھ اُن کے قدموں کے بوسے لئے، جن سے ۲۷ برس جدا رہی تھی، اور جن کے نیچے جنت کی نہریں[۱] بہ رہی تھیں۔ دیر تک ٹکٹکی باندھے ہوئے اُس چہرۂ مبارک کو دیکھتی رہی جس کی زیارت کی محرومی کے سبب سے اکثر تمام تمام دن اور تمام راتیں گریۂ وزاری میں بسر کی تھیں، اور اب دوبارہ بجز روز قیامت کے دیکھنے کی امید نہ تھی۔

جی چاہتا تھا کہ قدموں کو ہاتھوں سے نہ چھوڑوں اور آنکھیں روئے مبارک سے نہ ہٹاؤں، لیکن کسی طرح ممکن نہ تھا، اور کیونکر ہو سکتا تھا، آخر تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، اور جو لوگ جزع و فزع کر رہے تھے اُن کو منع کیا، البتہ ثواب کے لئے میں نے "سورۂ بقر" اور سوا لاکھ مرتبہ "کلمہ طیبہ" پڑھنے کی تاکید کی۔ اور خود انتظام تجہیز و تکفین میں مصروف ہوگئی۔ ۷ مرتبہ سُورۂ بقر" اور سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ" پڑھا گیا، ۲ بجے ۵ منٹ پر بعد فراغت غسل و کفن جنازہ تاج محل سے جانب باغ نشاط افزا روانہ ہوا۔ جنازہ پر فرشتگانِ رحمت الٰہی کا سایہ تھا اور رعنائے الٰہی کا نور برس رہا تھا"

اِن اقتباسات کے علاوہ اس کتاب میں جہاں جہاں اس قسم کا بیان ہے وہاں الفاظ میں ایسا سوز و گداز بھرا ہوا ہے کہ غم والم ایک مجسم شکل میں نظر آتا ہے اور ناممکن ہے

[۱] حدیثِ قدسی ہے اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ ۱۲

کہ پڑھنے والا بغیر چشم پُرنم اِن سطور کو پڑھ سکے۔ پھر نواب شاہ جہاں بیگم کے انتقال کو ۱۸ سال گذر چکے ہیں تمام واقعات فراموش ہوگئے ہیں علیا حضرت کا سن شریف ۶۳ سال کا ہے لیکن ہنوز قلب مبارک پر اس غم کا اثر موجود ہے۔

۱۷۔ ربیع الاول کو ہمیشہ صدر نشینی کی سالگرہ ہوتی ہے۔ قدیم الایّام سے ہر جگہ اور ہر ملک میں اس سالگرہ پر جشن مسرت آدابِ حکومت ولوازم شاہی میں داخل ہے بھوپال میں بھی اکثر اس موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ مبارکبادیں پیش ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی علیا حضرت دربار بھی فرماتی ہیں۔ لیکن اس تمام عالمِ مسرت میں غم کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ گویا علیا حضرت کے لئے یہ تاریخ والدہ ماجدہ کے غم کی یاد تازہ کرتی رہتی ہے۔

علیا حضرت ہمیشہ تردد و انتشار کی ساعتوں میں انسانی فطرت کے اقتضا سے متردد تو ہوتی ہیں لیکن بڑے صبر و استقلال کے ساتھ بارگاہِ باری تعالیٰ میں رجوع کرتی ہیں اور اوراد و ظائف سے قلب کو تسکین دیتی ہیں۔

سب سے زیادہ صبر آزما اور نازک موقع وہ تھا جبکہ صدر نشینی کے سات آٹھ ماہ بعد ہی نواب احتشام الملک بہادر نے یکایک بعارضۂ فالج انتقال فرمایا۔ علیا حضرت کو طبعی طور پر جو سخت صدمہ پہنچا تھا اس کا ہر دردمند دل اندازہ کر سکتا ہے پھر یہ حادثہ ایسے زمانہ میں ہوا جبکہ نظام ملک کے اہم امور زیرِ غور تھے۔ اور نواب صاحب ممدوح ایک مشیر باتدبیر، رفیق و مونس اور مستشار موتمن اور وزرائے باتدبیر کی ایک جماعت کے نعم البدل تھے۔ ان کے انتقال سے علیا حضرت کی ذمہ داریوں میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا۔ لیکن اس صدمہ کو بھی اپنے مخصوص جوہر استقلال اور اعلیٰ صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا اور تائید ایزدی پر بھروسہ کر کے زمانۂ عدت ہی میں امورِ مہماتِ ریاست میں مصروف ہوگئیں۔

عفو و درگذر | علیا حضرت کی ان صفاتِ جمیلہ میں جن کا تعلق ذات شاہانہ سے ہے عفو و درگذر کی صفت ایسی کامل اور ایسی وسیع ہے کہ شاید ہی سلاطین اور فرمانرواؤں کی تاریخ میں کوئی

اس کی نظیر ملے۔ محل کے اندر یا متوسّلین خاص کے ساتھ عفو و درگذر تو ایک عام بات ہے لیکن سیاستِ ملکی میں بھی گذشتہ ۱۸ سال میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ہے جس میں جذباتِ ترحّم کا شمول نہ ہو۔ ایسی مثالیں البتہ موجود ہیں کہ خائن عہدہ داروں کے فیصلہ کے وقت اس خیال سے کہ یہ شخص کل تک معزز تھا آج ذلیل ہو رہا ہے اس کا خاندان خوشحالی و عزت کے ساتھ بسر کرتا تھا اب اس کی بیوی بچّے مصیبت و آلام میں مبتلا ہو جائیں گے علیا حضرت نے سزا کو حد درجہ نرم کر دیا ہے اور اکثر تو معافی قصور اور چشم پوشی پر ہی اکتفا کیا ہے اور اگر کوئی قدیم توسّل حاصل ہے تو مختلف طریقوں سے اُس کے خاندان کا لحاظ کیا ہے ورنہ ریاستوں میں ایسے موقعوں پر ضبطی جائداد اور سزائے جیل تو عام بات ہے۔

علیا حضرت اپنے زمانہ ولیعہدی میں ہی اُن تمام اشخاص سے واقف تھیں جو نواب شاہ جہاں بیگم (خلد مکان) کو ہمیشہ حضور ممدوحہ کی طرف سے مکدّر کرتے رہتے تھے اور تہمتیں تراشا کرتے تھے اور اپنی تمام تر کوشش اس امر پر مبذول رکھتے تھے کہ خلد مکان کے دل میں کبھی بیٹی کی محبّت کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے۔ اس حالت سے علیا حضرت کو انتہائی قلق اور صدمہ تھا جس کا اثر آج تک موجود ہے اب وقت آگیا تھا کہ وہ لوگ اپنے کیفر دار کو پہنچیں لیکن علیا حضرت نے کسی ایک متنفس کو بھی ان اعمال کی سزا نہیں دی اور کبھی قلبِ صفا منزل میں انتقام کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ اُن کے ساتھ مراعات ہی کیں۔

بے تعصبی | علیا حضرت ایک نہایت غیر متعصب دل رکھتی ہیں اور اُن کے قلب مبارک میں تعصب کا شمہ برابر بھی اثر نہیں پایا جاتا۔

ابتدا سے ریاست بھوپال کے ہر اعزازی طبقہ میں ہندو معززین کا نام موجود ہے، ان کے ساتھ نہایت فیاضی کا برتاؤ ہوتا ہے ان کو تعلیم کے لئے وظائف دیے جاتے ہیں، تمام درباروں اور اعزازی جلسوں میں شریک کئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی قومی طرفداری جائز

نہیں رکھی جاتی اور میزان عدل میں دونوں کے پلّے برابر رکھے جاتے ہیں، اکثر تقریروں میں دونوں کا ذکر ہوتا ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کو باہم برادرانہ محبت کے برتاؤ کی نصیحت فرمائی جاتی ہے، اسی طرح عیسائیوں کے ساتھ رواداری اور الطاف کا برتاؤ ہے۔

بھوپال میں یہ بے تعصبی روایاتِ قدیم میں شامل ہے اس کی تاریخ میں مسلمان ہندو اور عیسائی شانہ بشانہ اور صف بصف ہیں اور ان میں اس درجہ اتفاق و اتحاد ہے کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے ہندو لڑکیوں کے لئے بھی ایک ایسے مدرسہ کا مخصوص انتظام ہے جس میں معمولی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی ہے اسکے علاوہ ۱۹۱۷ء میں ایک پرائیویٹ مدرسہ کی لڑکیوں کے لئے تین سو روپیے سال کے وظائف عطا کئے، راجپوت ہتکارنی سبھا شاخ بھوپال کی حوصلہ افزائی فرمائی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

محنت و مستعدی | فطرت نے علیا حضرت کو محنت و مستعدی کا جو مادہ عنایت کیا ہے اُس کو ہر موقع اور ہر مرحلے پر ملحوظ رکھا ہے ہم مختلف صورتوں میں اُس کی مثالیں دیکھتے ہیں محل کے احاطہ میں، دربار کے ہال میں، امور ریاست کو انجام دینے میں، یورپ حجاز اور متعدد مرتبہ ہندوستان کے مختلف اقطاع کے سفر میں، شاہنشاہی درباروں امپیریل کانفرنسوں، قومی و ملکی مجمعوں اور پھر پانچوں وقت اس فرض الٰہی کے انجام دینے میں جو تمام مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے ہمیشہ مستعد و سرگرم کار نظر آتی ہیں ریاست کے دوروں میں علیا حضرت کی مستعدی و محنت کا عجیب نظارہ ہوتا ہے بعد نمازِ صبح کوچ فرماتی ہیں کبھی ہیں پندرہ سولہ میل سفر کے بعد جس وقت کیمپ میں داخل ہوتی ہیں فوراً اجلاس شروع ہو جاتا ہے اور شب کے دس گیارہ بجے تک مستاجروں جاگیرداروں اور دوسرے اشخاص کو شرف حضوری عطا کرنے، کاغذات کو سماعت فرمانے، دیہات کی عورتوں سے باتیں کرنے اور دورہ کے دوسرے ضروری کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔

بیرونِ ریاست جس شہر میں تشریف لیجاتی ہیں وہاں کی مصروفیتوں میں بھی ہمیشہ محنت و مستعدی ہی نظر آتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علیا حضرت کو سپاہیانہ حیثیت سے اپنے اوصاف واستعدادِ فطری کے ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا، لیکن فوجی نظم ونسق پر جو توجہ ہے اور جن لوگوں نے ریویو کی حالتوں کو دیکھا ہے اُن کو ان اوصاف کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ارضِ مقدس کے سفر میں جبکہ قافلہ پر بدّو آتش فشانی کر رہے تھے علیا حضرت عملاً میدانِ جنگ میں بھی شریک ہو چکی ہیں اور اس طرح محاذِ جنگ کا تجربہ بھی برای العین حاصل کر لیا ہے۔ اور یہ موقع سب سے پہلے ہندوستانی والیانِ ملک میں صرف ہر ہائینس ہی کو حاصل ہوا چنانچہ لارڈ منٹو نے بھی ۱۹۰۹ء میں بھوپال دربار میں ڈنر کی تقریر میں کہا تھا کہ:۔

"یور ہائینس میں اس امر پر اظہارِ مبارکباد کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حال کے زمانہ میں امن و امان میں آپ ہی ایک حاکمہ ہیں جنہوں نے میدان کارزار بھی دیکھا ہے کیونکہ مجھکو ایسی اطلاع ملی ہے کہ سفرِ حجاز میں یور ہائینس نے جبکہ آپ کا باڈی گارڈ آپ کے ہم رکاب تھا اعرابیوں کی ایک جماعت کو جو یکایک حملہ آور ہوئی تھی کچھ نقصان کے ساتھ پسپا کیا۔"

اگر اقتضائے عمر ہوتا اور حالاتِ ملکی اجازت دیتے تو یقیناً علیا حضرت اس زمانہ کی جنگ یورپ میں سپاہیانہ طور پر بھی کچھ حصہ لیتیں۔

علیا حضرت کو اگرچہ اب نشانہ بازی کی مشق نہیں ہے کیونکہ سالہا سال سے اس شغل کو ترک کر دیا ہے تاہم ابتدائی مشق کا اثر اتنا ضرور موجود ہے کہ ۱۹۰۶ء میں لارڈ منٹو کی تشریف آوری کے موقع پر شوٹنگ میچ میں علیا حضرت شریک ہوئیں اور باوجودیکہ برقع ونقاب میں تھیں لیکن بجز لیڈی منٹو کے سب سے نشانہ بازی میں سبقت لے گئیں۔

فیاضی | علیا حضرت کی فیاضیوں اور اُن کے مختلف طریقوں کا احصا و استقصا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ تاہم ہماری کتاب کے ناظرین نے جابجا مختلف ابواب میں علیا حضرت

کی فیاضی کا پرتو دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ فیاضیاں کیسی صحیح اور کس قدر مفید و نتیجہ خیز ہیں۔

بھوپال میں تو اس ابرِ کرم کا ترشح ہمیشہ ہی رہتا ہے اور ہر طبقہ اس سے متمتع ہوتا ہے اگرچہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ (خلد مکان) کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اُن کی فیاضی میں بے دریغ بخشش اور دریا دلی شامل تھی لیکن اُس سے متمتع ہونے والوں نے اُس کی پوری قدر نہ کی اور اپنے کو ناکارہ اور اپاہج بنا لیا۔ نہ تعلیم کی طرف توجہ کی اور نہ کوئی اور پیشہ سیکھا بلکہ محنتِ علم و ہنر سے گریز کرنے لگے۔

علیا حضرت جب صدر نشین ہوئیں اور اس حالت پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اگر اس فیاضی کا رُخ نہ بدلا گیا تو کچھ عرصہ میں جہل و بیکاری بمنزلہ طبیعتِ ثانیہ کے ہو جائے گی۔ اس لئے زیادہ تر بیکار اور غیر مفید فیاضی کی جگہ جس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ ایک خاندان تک پہنچ سکتا تھا۔ متمدن اور شائستہ کاموں کی بنیاد ڈالی۔ ناکارہ لوگوں کو کام پر لگایا۔ پیشے سیکھنے کی ترغیب دی۔ تعلیم کے لئے مجبور کیا۔ اور ہر قسم کی تعلیم کا انتظام فرمایا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ان ہی امور پر اپنی فیاضی کو مشروط فرما دیا۔

جب کسی بیوہ عورت کا وظیفہ مقرر فرماتی ہیں تو یہ حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مدرسہ میں داخل کرائے۔ اگر خود کسی کام کے سیکھنے کے قابل ہوتی ہے تو اس کو مدرسہ صنعتِ بیوگان میں داخلہ کا حکم ہوتا ہے۔ جو لڑکے وظیفہ پاتے ہیں ممکن نہیں کہ کسی مدرسہ میں داخل نہ ہوں اور تعلیم نہ پائیں۔

منصب دار اور اہلِ خاندان کو مجبور فرمایا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں اور ان میں جو نوجوان ایسے نظر آئے جو فوجی یا مالی و عدالتی کام سیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اُن کو اُن ہی کی مناسبتِ طبع کے مطابق دفاتر وغیرہ میں کام سیکھنے کے لئے معین فرمایا۔ چنانچہ جو لوگ پہلے بیکاری میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے اب اُن میں بہت سے اشخاص

فوج اور دفاتر میں مامور ہیں اور اپنے فرائض کو عمدگی سے انجام دے رہے ہیں اور جہاں تعلیم کو غیر ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُس سے نفرت تھی وہاں نہ صرف ابتدائی تعلیم بلکہ اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ ایک بہت بڑی نسل ریاست کے آئندہ مستقبل میں حصہ لینے کے لئے علیا حضرت کی امداد سے جدید تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

قدیم سے سلاطین اور امرا کی فیاضیوں سے شعرائے عصر کو بہت بڑا حصہ ملا ہے اور اب بھی فرمانروایانِ ملک قصائدِ مدحیہ پر صلے اور انعام عطا کرتے ہیں بعض فرمانرواؤں اور امراء کو خود شاعری کا شوق ہوتا ہے اور شعرا کا مل الفن کا گروہ ان کی فیاضیوں سے متمتع ہوتا رہتا ہے۔ علیا حضرت اگرچہ خود شاعر نہیں لیکن سخن سنج ضرور ہیں مگر یہ سخن سنجی صرف اس شاعری تک محدود ہے جو حسیاتِ ملی اور جذبات قومی کی محرک ہوتا ہم جو قصائد پیش ہوتے ہیں اُن کو اگرچہ خود سماعت نہیں فرماتیں لیکن وہ بے صلہ نہیں رہتے۔ تقاریب کے موقعوں پر عموماً شعراء مبارکباد کے قصیدے اور قطعات وغیرہ پیش کرتے ہیں اور علیا حضرت معقول طور پر ایک رقم عطا فرماتی ہیں۔

عطیات کے بجٹ سالانہ میں ایک معقول رقم رکھی جاتی ہے لیکن کوئی سال ایسا نہیں جاتا کہ اُس میں سال ختم ہونے سے پہلے ایک معتد بہ اضافہ نہ ہوتا ہو۔

ملازمان و متوسلین ریاست کے خاندانوں کی تقریبات اور دیگر ناگزیر ضروریات میں علیٰ قدر حیثیت و مرتبہ فیاضانہ امداد فرماتی ہیں۔ اکثر کو جاگیریں اور معافیاں بھی عطا فرمائی ہیں۔

یہ محسوس فرما کر کہ اکثر عہدہ دار و ملازم اور متوسل ضرورتوں کے موقع پر مہاجنوں سے قرض لے کر سود کے بارِ گراں سے دب جاتے ہیں یہ طریقہ بھی جاری فرمایا کہ بشرط ضرورتِ حقیقی خزانۂ عامرہ سے قرض دیدیا جایا کرے جو نہایت معتدل و غیر تکلیف دہ اقساط سے وصول ہوتا ہے۔ پھر عام اشخاص کو مکانات بنانے اور دکانات و کارخانے

کھولنے کے لئے بھی اسی طرح قرض دیا جاتا ہے اور مزید عطیات بھی ملتے ہیں۔

مسند آرائے ریاست ہونے کے بعد سنینِ ماضیہ کا جو بقایا زراعت پیشہ رعایا پر تھا اس کا بہت بڑا حصہ معاف فرما دیا اور پھر بندوبست کے وقت تو گویا دریائے فیاضی موجزن تھا۔ مستاجر بقایا پیش کرتے تھے اور علیا حضرت اسی شفقت کے ساتھ جس کا خاکہ کسی طرح الفاظ میں کھینچ نہیں سکتا معاف فرما دیتی تھیں چھ لاکھ سے زیادہ روپیہ گذشتہ دربار سالگرہ پر معاف فرمایا گویا زراعت پیشہ رعایا کو اس بار سے بالکل سبکدوش فرما دیا غرض ؎

برون آمد اوصاف شہ از حساب ✤ نہ گنجد دریں تنگ میدان کتاب
گر آن جملہ را سعدی املا کند ✤ مگر دفترے دیگر انشا کند
فرو ماندم از شکر چندیں کرم ✤ ہماں بہ کہ دستِ دعا گسترم
دلِ و کشورت جمع معمور باد ✤ ز ملکت پراگندگی دور باد
تنت باد پیوستہ چوں دیں درست ✤ بد اندیش را دل چو تدبیر سست

جہاں آفریں بر تو رحمت کناد
دگر ہر چہ گویم فسان است و باد